حصہ دوم

سورۃ کہف کے فوائد

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر



سورۃ کہف کے فوائد

(جلد دوم)

از افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

نام کتاب .... سورۂ کہف کے فوائد (جلد دوم)

از افادات .... حضرت مولانا حافظ پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

پروف ریڈنگ و تخریج .... شعبہ دار التصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

کمپوزنگ .... شعبہ دار التصنیف معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

اشاعت اول .... جولائی 2019ء

تعداد 1100

ناشر

مکتبۃ الفقیر

معہد الفقیر پرنٹنگ پریس، پرانا بائی پاس بالمقابل حافظ رائس مل، جھنگ

چک نمبر 390 گ ب بڑا، سمندری، فیصل آباد

Phone: +92-41-3426390, 0300-9652292,03228669680
E-Mail : AlfaqeerFsd@yahoo.com
www.Tasawwuf.co, www.eMahad.com
mixlr.com/tasawwuf mixlr.com/emahad
twitter.com/eMahadOfficial www.facebook.com/eMahadOfficial/

بسم الله الرحمن الرحيم



فہرست مضامین

چھٹا رکوع (آیات 45 تا 49)

ساتواں رکوع (آیات 50 تا 53)

آٹھواں رکوع (آیات 54 تا 59) 263

نواں رکوع (آیات 60 تا 70)

دسواں رکوع (آیات 71 تا 82)

گیارہواں رکوع (آیات 83 تا 101)

سورۂ کہف کا خلاصہ 597

عرضِ ناشر

ہم نے جس دور میں آنکھیں کھولی ہیں وہ فتنوں کا دور ہے...... سیاہ فتنوں کا...... فتنہ ایک ایسی دھند کی مانند ہوتا ہے جس کے اُس طرف کوئی چیز نظر نہیں آتی اور اگر دھند سیاہ ہو تو پھر اس کی شدت کا اندازہ خود ہی لگا لیجیے......!!!

قیامت کی علاماتِ کبریٰ میں سے ''خروجِ دجال'' بھی ہے، دجال کا زمانہ، فتنوں اور آزمائش پر مبنی ہوگا، اس وقت لوگوں کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ نبیٔ رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو فتنۂ دجال سے زیادہ کسی اور فتنہ سے نہیں ڈرایا۔ حدیث پاک میں ''سورۂ کہف'' کی تلاوت اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کو، دجالی فتنوں سے حفاظت کا لائحہ عمل قرار دیا گیا ہے۔

موجودہ حالات میں ایسے ہی فتنوں سے ہمارا واسطہ ہے جس کے ورے حق کا پہچانا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ ایسے پُرفتن دور میں راستہ جاننے والوں کا ہاتھ پکڑ کر چلنے ہی میں عافیت ہے۔ دورِ حاضر میں راستوں کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھنی والی ایک شخصیت ہمارے شیخ سیدی و مرشدی حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم کی بھی

ہے، جنہیں ہمہ وقت اُمت کے ایمان کی فکر دامن گیر رہتی ہے، چنانچہ اکثر و بیشتر حضرت والا اصلاحی مجالس میں اپنے متوسلین و سالکین کو حفاظتِ ایمان کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

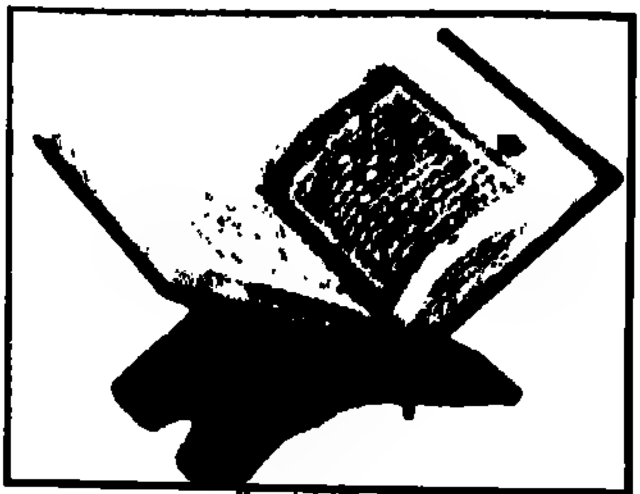
عموماً یہ سلسلہ سال کے بارہ مہینوں میں وقتاً فوقتاً چلتا رہتا ہے، تاہم رمضان المبارک 1437ھ کے آخری عشرے میں اعتکاف کے دوران حضرت والا نے موجودہ حالات اور سامعین کے فائدے کے پیشِ نظر ''سورۂ کہف'' کے تفسیری نکات بالتفصیل بیان فرمائے اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں ایمان کی حفاظت کے ذرائع پر روشنی ڈالی، جس کا سامعین کو خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ حضرت کے انہی دُروس کو ترتیب دینے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، تاکہ غائبین بھی استفادہ کرسکیں۔

اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے کمپوزنگ، تخریج، ڈیزائننگ اور پرنٹنگ کے مراحل سے گزر کر پائے تکمیل کو پہنچی ہے اور ''مکتبۃ الفقیر'' کی کاوش کے نتیجے میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہمارے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ ہمیں حضرت والا کی ان نادر باتوں کو قارئین تک پہنچانے کا موقع ملتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اُمت کے ہر فرد کے لیے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو حضرت جی دامت برکاتہم کے فیض سے مستفیض فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

اَلرَّاجِیْ اِلٰی عَفْوِ رَبِّہٖ الْکَرِیْمِ

فقیر سیف اللہ احمد نقشبندی مجددی



تفسیر

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں دو زمینداروں کا قصہ بیان کیا گیا ہے:

◆..... ایک بڑا زمیندار تھا اور دوسرا چھوٹا زمیندار۔

◆..... بڑا زمیندار مادہ پرست تھا اور چھوٹا خدا پرست تھا۔

◆..... بڑا زمیندار مشرک تھا، جبکہ چھوٹا موحد تھا۔

◆..... بڑا زمیندار ناشکرا اور چھوٹا زمیندار شکر گزار بندہ تھا۔

◆... بڑا زمیندار متکبر تھا، جبکہ چھوٹا منکسر المزاج تھا۔

◆..... بڑا زمیندار دنیا پرست تھا، جبکہ چھوٹا آخرت پرست تھا۔

◆..... بڑا زمیندار قیامت کا انکاری تھا، جبکہ چھوٹا قیامت کا اقراری تھا۔

◆... بڑا زمیندار جھوٹی آرزوؤں میں اُلجھا ہوا تھا، جبکہ چھوٹا زمیندار اللہ سے اُمیدیں وابستہ کیے ہوئے تھا۔

◆..... چنانچہ جب عذاب آیا تو بڑے زمیندار کا کوئی مددگار نہ تھا، اس کا باغ برباد ہوگیا..... جبکہ چھوٹے زمیندار کا مال و دولت بچ گیا۔

ربط: (۱)

اس سے پہلے گزر گیا کہ کفار نے دنیا کی ظاہری ٹھاٹھ باٹھ پر گھمنڈ کیا اور مسلمان فقراء کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا تو اب آنے والی آیاتِ مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے کہ خدا سے غافل کافر مشرک کو سمجھنا چاہیے کہ جن چیزوں کو وہ قابلِ افتخار سمجھتا ہے، وہ تو آنے جانے والی چیزیں ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: "اَلْمَالُ غاذٍ و رائحٌ" (مال، صبح ہوتا ہے تو شام کو نہیں ہوتا اور اگر شام کو ہوتا ہے تو صبح نہیں ہوتا)۔ چنانچہ دنیا کے دھوکے میں آنے والے کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے فقیر مالدار ہو جائے اور مالدار فقیر، بلکہ فخر کی چیز تو اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے جو کہ فقراء مسلمانوں کو حاصل ہے۔

قصہ برائے بے ثباتیٔ دنیا و انجامِ شرک

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں کی مثال پیش کرو۔ جن میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دے رکھے تھے، اور ان کو کھجور کے درختوں سے گھیرا ہوا تھا، اور ان دونوں باغوں کے درمیان کھیتی لگائی ہوئی تھی۔

دو بندوں کی کہانی قرآن کی زبانی: (۱)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ

اور بتلا ان کو مثل دو مردوں کی

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے، وہاں کوئی فنا نہیں ہے۔ یہاں سے دنیا کی فنائیت کو دل و دماغ میں بٹھانے کے لیے دو بندوں کی مثال پیش کی جارہی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کے دو بندے (یہودا اور قطروس) تھے۔ ایک امیر آدمی تھا اور اس کا باغ تھا اور ایک فقیر آدمی تھا، مگر ایمان والا تھا۔ دونوں بھائی تھے یا آپس میں پڑوسی تھے۔ بہرحال کوئی نہ کوئی آپس میں تعلق تھا۔

بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ مکہ مکرمہ کے دو آدمی (حضرت ابو سلمہ مخزومی اور اسود مخزومی) تھے۔ بہرحال بنی اسرائیل کے ہوں یا مکہ مکرمہ کے، واقعہ دو بندوں کا ہے۔

ایک امیر تھا، مشرک تھا اور ایمان سے خالی تھا اور دوسرا فقیر تھا، مگر ایمان والا تھا۔

[تفصیل کے لیے دیکھیے مظہری تحت ہذہ الآیۃ]

فوائد السلوک:

❁.....اس آیت مبارکہ میں ایسے فقیر کے لیے انتہائی اپنائیت کا انداز ہے جو صرف اللہ کی ذات پہ بھروسہ رکھنے والا ہو اور اس مالدار کے لیے بڑا ڈراوا ہے جس کے اَنگ اَنگ میں تکبر رچ بس چکا ہو۔ جیسے حدیث شریف میں آتا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۵۶۴] (اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)۔

افتتاحِ قصہ: ①

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ

کر دیے ہم نے ان میں سے ایک کے لیے دو باغ انگور کے

اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ جس شخص کو ہم نے باغ دیے، اس کے پاس انگوروں کے دو باغ تھے۔ ان باغوں کے درمیان کھیتی بھی تھی اور اس کے اطراف میں کھجور کے درخت بھی تھے۔

یہاں دو باغ کیوں فرمائے؟ ذرا اس کی حقیقت کو سمجھ لیجیے۔ باغ کے درمیان میں پانی کی نہر تھی...... جن لوگوں کے ہاں نہری پانی ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جب نہر سے پانی لیا جاتا ہے اور اس کا نالہ آگے لے کر جاتے ہیں تو کھیت دو طرف الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کا مالک ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر اس نالے کے ایک طرف کھیت الگ نظر آتا ہے اور دوسری طرف الگ نظر آتا ہے...... وہاں بھی معاملہ ایسا ہی تھا۔ وہ مالک بھی ایک تھا اور باغ بھی ایک تھا، لیکن درمیان میں پانی کا نالہ گزرنے کی وجہ سے وہ ایک کی جگہ دو باغ نظر آتے تھے۔ اس لیے اللہ رب العزت نے فرمادیا کہ ہم نے ایک بندے کو دو باغ عطا کیے تھے۔ ان انگور کے دو باغوں کے درمیان جو حصہ تھا اس میں کھیتی باڑی ہوتی تھی اور اس کے اطراف میں کھجور کے باغ لگے ہوئے تھے۔

قرآن میں ''جنت'' کا 7 طرح استعمال: ②

قرآن مجید میں ''جنت'' کا لفظ 7 طرح سے استعمال ہوا ہے:

① ......توحید کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرۃ:۲۲۱]

❷ یمن کا ایک باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ [القلم:١٧]

❸ بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کا باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ [الکہف:٣٢]

❹ دنیاوی باغات کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا [نوح:١٢]

❺ اس جنت کے معنی میں جس کا مومنین سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ [آل عمران:١٣٣]

❻ ایک مثالی باغ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ [البقرۃ:٢٦٦]

❼ قومِ سبا کا باغ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ﴾ [سبا:١٥]

[بصائر ذوی التمییز: ٢/ ٣٥٢ تا ٣٥٤ باختصار، وجوہ القرآن، صفحہ ١٤٣]

دونوں باغوں کی منظر کشی:

وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

اور گرد اُن کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی

یعنی دونوں باغوں کے درمیان واقع ہونے والی زمین بھی بنجر نہ تھی، بلکہ اس میں ایک کھیتی تھی، اس طرح ان باغوں میں پھل بھی تھے اور غلے کی پیداوار بھی تھی اور ترتیب

بھی بڑی پیاری تھی، ایک خوشنما اور دلکش منظر بنا ہوا تھا۔

کھجور کی فضیلت:))

کھجور بڑی برکت والی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی طاقت رکھی ہے، احادیث مبارکہ سے اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے دو روایات پیشِ خدمت ہیں:

❁......اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا یَجُوعُ أَھْلُ بَیْتٍ عِنْدَھُمُ التَّمْرُ.)) [صحیح مسلم، رقم:۲۰۴۶]

''اس گھر کے لوگ بھوکے نہیں رہتے، جس گھر میں کھجور ہو۔''

❁......اُمّ المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((یَا عَائِشَةُ! بَیْتٌ لَا تَمْرَ فِیهِ جِیَاعٌ أَھْلُهُ، یَا عَائِشَةُ، بَیْتٌ لَا تَمْرَ فِیهِ جِیَاعٌ أَھْلُهُ أَوْ جَاعَ أَھْلُهُ.)) [صحیح مسلم، رقم:۲۰۴۶]

''اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دو یا تین مرتبہ دہرائی۔

❁......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رَأَیْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِیًا یَأْکُلُ تَمْرًا'' [صحیح مسلم، رقم:۲۰۴۴] (میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اقعاء کے طریقہ پر (دونوں پنڈلیاں کھڑی کر کے سرین زمین پر لگائے ہوئے) کھجوریں کھاتے ہوئے دیکھا ہے)۔

❁......حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ'' [ایضا، رقم:۲۰۴۳] (میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

آپ ﷺ کھجوروں کے ساتھ ککڑی کھا رہے تھے)۔

⁂...حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ أَكَلَ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَابَتَيْهَا حِينَ يُصْبِحُ، لَمْ يَضُرَّهُ سُمٌّ حَتَّى يُمْسِيَ'' [ایضا، رقم: ۲۰۴۷] (جو آدمی صبح کے وقت مدینہ منورہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان سات کھجوریں کھائے گا تو شام تک اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔)۔

⁂...حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةً، لَمْ يَضُرَّهُ ذَلِكَ الْيَوْمَ سُمٌّ، وَلَا سِحْرٌ'' [صحیح مسلم، ایضا] (جو آدمی صبح کے وقت مدینہ منورہ کی سات عدد کھجوریں کھائے گا تو اس آدمی کو اس دن نہ کوئی زہر نقصان پہنچائے گا اور نہ ہی کوئی جادو)۔

⁂......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ فِي عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً - أَوْ إِنَّهَا تِرْيَاقٌ - أَوَّلَ الْبُكْرَةِ'' [ایضا، رقم: ۲۰۴۸] (عجوہ عالیہ میں شفا ہے، صبح کے وقت عجوہ کھجور کا استعمال کرنا تریاق ہے۔ عالیہ، مدینہ منورہ کے بالائی حصہ کی عجوہ کھجور کو کہا جاتا ہے)۔

یہ حدیث بلاشبہ کھجوروں کی اہمیت وفضیلت کو اُجاگر کرتی ہے، ساتھ ہی اس حدیث سے یہ جواز بھی نکلتا ہے کہ ہم کھجوروں کو جمع کرکے گھر میں رکھ سکتے ہیں، تاکہ تھوڑا تھوڑا اس میں سے کھاتے رہیں اور گھر کبھی کھجوروں سے خالی نہ ہو۔

قابلِ غور بات:

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس گھر میں کھجور نہیں، اس گھر کے رہنے والے کیا واقعی بھوکے ہیں؟ یعنی ان کی بھوک نہیں مٹتی، جبکہ مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ

لوگ بغیر کھجور کے بھی شکم سیر ہو رہے ہیں؟

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اہل بیت یا اھلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے یہاں کھجوروں کی پیداوار ہوتی ہے اور ان کی خوراک ہی کھجور ہے، جیسا کہ نبی علیہ السلام کے زمانے میں نجد و مدینہ والے جن کے یہاں مہینہ گزر جاتا، مگر ان کے پاس سوائے کھجور و پانی کے کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، اسی سے ان کا گزر بسر ہوتا۔

آج کل کوئی بھی جگہ ایسی نہیں جہاں صرف کھجور خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہو، نجد اور مدینہ میں بھی نہیں۔ اس بات سے کھجور کی اہمیت کم نہیں ہوجاتی کیونکہ اس حدیث سے اصل کھجوروں کی اہمیت وفضلیت بیان کرنا اور گھر والوں کے لیے غذائی ضروریات کی ذخیرہ اندوزی کے جواز کا اظہار اور اس کی ترغیب دینا مقصود ہے۔ یہ غذا بھی ہے اور شفا بھی۔ اس لیے ہمیں کھجوروں کی طرف التفات کرنا چاہیے۔

آج ہمارے گھروں میں متعدد قسم کی مٹھائیاں، بسکٹ اور نمک پارے موجود ہوتے ہیں جن سے گھر والے بھی وقتاً فوقتاً ناشتہ کرتے رہتے ہیں اور گھر آنے والے مہمانوں کی بھی ضیافت کرتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان سامانوں کی جگہ ہمارے گھر میں کھجور ہوتی۔ سنت پر بھی عمل ہوجاتا اور اس سے نہ صرف جسمانی قوت حاصل ہوتی، بلکہ جسمانی بیماریوں سے شفا بھی ملتی۔

مومن کی مثال کھجور کے درخت جیسی: (1)

۞ ...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾﴾ [ابراہیم: ۲۴] (کیا تم نے نہیں دیکھا

کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں)۔

◆ ...... سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ أَوْ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا، وَلَا وَلَا وَلَا تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ''

''مجھے بتلاؤ، وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے؟ جس کے پتے نہیں جھڑتے، نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں، وہ درخت کھجور کا ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں سیدنا ابوبکر ہیں، سیدنا عمر ہیں اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی چپ رہا۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ہی فرمایا:

''هِيَ النَّخْلَةُ''

''وہ کھجور کا درخت ہے۔''

پھر جب مجلس ختم ہوئی اور سب اُٹھے تو میں نے اپنے والد سیدنا عمر سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

''مَا مَنَعَكَ أَنْ تَكَلَّمَ؟''

''پھر آپ نے بتایا کیوں نہیں؟''

میں نے عرض کیا:

''لَمْ أَرَكُمْ تَكَلَّمُونَ، فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ أَوْ أَقُولَ شَيْئًا''

''میں آپ سب کو خاموش دیکھ کر خاموش رہا، بولنا مناسب نہیں سمجھا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا'' [صحیح بخاری، رقم: ۴۶۹۸]

''اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے زیادہ سے زیادہ مال ملنے پر بھی اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی تمہارا جواب سن کر ہوتی۔''

﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳﴾

دونوں باغ پورا پورا پھل دیتے تھے، اور کوئی باغ پھل دینے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتا تھا، اور ان دونوں کے درمیان ہم نے ایک نہر جاری کر دی تھی۔

دونوں باغوں کی جامعیت کا بیان: ①

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا

دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ

وہ ایسے باغ تھے کہ جو اپنا پھل پورا دیتے، کسی سال بھی کمی نہ کرتے۔ حالانکہ عام طور پر باغات کبھی ایک سال اچھا اور پورا پھل دیتے ہیں اور اگلے سال کمزور اور کم پھل دیتے ہیں۔

پانی کی فراوانی کا بیان: ②

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝۳۳

اور بہادی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر

اللہ تعالیٰ نے باغوں کے درمیان ایک نہر کا پانی جاری کر دیا تھا، تا کہ ایک تو منظر

فرحت بخش رہے، دوسرا یہ کہ جب بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔

﴿وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا﴿۳۴﴾﴾

اور اس شخص کو خوب دولت حاصل ہوئی تو وہ اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میرا مال بھی تم سے زیادہ ہے، اور میرا جتھہ بھی تم سے زیادہ مضبوط ہے۔

باغ کے پھل کا بیان:

وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

اور ملا اس کو پھل

لفظ ''ثمر'' درختوں کے پھل کو بھی کہا جاتا ہے اور مال وزر کو بھی، چنانچہ اس شخص کے پاس درختوں کا پھل بھی خوب تھا اور اس کے علاوہ مال وزر وغیرہ بھی بکثرت تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس صرف باغات اور کھیت ہی نہیں، بلکہ سونا چاندی اور تمام اسبابِ عیش دوسرے بھی موجود تھے، خود اس کے الفاظ میں جو قرآن نے نقل کیے اس میں اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا بھی اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں۔

قرآن میں لفظ ''ثمرات'' کا 4 طرح استعمال:

قرآن میں ''ثمرات'' کا لفظ 4 طرح سے استعمال ہوا ہے:

① ...... مختلف پھلوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ﴾ [النحل:٦٧]

② ...... مال و دولت کی کثرت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّكَانَ لَهٗ

ثَمَرٌ﴾[الکھف:۳۴]

③ ..... بیٹوں اور پوتوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ﴾[البقرۃ:۱۵۵]

④ ..... پھول اور کلی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾[النحل:۶۹]

[بصائرذوی التمیز: ۲/۳۳۹]

باغوں والے مشرک کی اپنے ساتھی سے گفتگو:

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے

تو کافر نے تکبر و تفاخر کے طور پر باتیں کیں، اسے اپنے مال و اسباب پر گھمنڈ تھا، ساتھ ساتھ مسلمان بھائی کو حقارت آمیز الفاظ سے مخاطب کر رہا تھا۔ جیسے آج کل کے مسٹر حضرات کا اندازِ گفتگو ہی بدلا ہوتا ہے اور غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تو پتھر کے زمانے کے لوگ ہیں۔

پہلا مرض...... مال و دولت پر فخر:

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴

میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ

عام طور پر ہم نے دیکھا ہے کہ کسان لوگ جب بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں تو اپنی فصل کی باتیں کرنا ان کو اچھا لگتا ہے۔ اسی لیے اس نے بھی کہا کہ دیکھو! میرا مال بھی تجھ سے زیادہ ہے اور میرے پاس کام کرنے والے لوگ بھی تجھ سے زیادہ ہیں۔

"نفر" کے متعلق تین اقوال:

آیتِ بالا میں "نفرًا" سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کرام کے تین اقوال درج ذیل ہیں:

1. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلام ہیں۔
2. حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں بیٹے مراد ہیں۔
3. حضرت ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے کنبہ اور قوم مراد ہے۔

[زادالمسیر تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

ایک عبرت ناک واقعہ:

ہمارے جھنگ کے علاقے میں ایک بڑے زمیندار کی اتنی لینڈ ہولڈنگ تھی کہ اس کی زمین میں تین ریلوے اسٹیشن بنے ہوئے تھے۔ پہلا ریلوے اسٹیشن بھی اس کی زمین میں، دوسرا اور تیسرا بھی اس کی زمین میں تھا۔ اتنا بڑا وہ زمیندار تھا۔

ایک مرتبہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا، کسی دوست نے کہہ دیا: یار! کاروبار اچھا نہیں، پریشان ہوں، بہت مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اس نے جب سنا تو اس کو ذرا نخرہ چڑھا اور کہنے لگا: تم لوگوں کے پلّے ہی کیا ہے؟ تم ہر وقت یہی سوچتے ہو کہ آئے گا کہاں سے؟ اور مجھے دیکھو! میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں کہ لگاؤں گا کہاں پہ؟ میری تو آنے والی چالیس نسلوں کو کوبھی کام کرنے کی ضرورت نہیں

یہ تکبر کا بول اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا، وہ شخص کسی بیماری میں مبتلا ہوا اور 6 مہینے کے اندر اندر اس دنیا سے چلا گیا۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا، جس کی عمر سترہ، اُٹھارہ سال تھی، وہ اکیلا اس کی تمام میراث کا وارث بن گیا، اربوں روپے اس کے اکاونٹ میں تھے، جوانی بھی

تھی...... ایسے لوگوں کے بُرے دوست بہت جلدی بن جاتے ہیں...... ایک، دو دوستوں نے اس کو عیاشی کی راہ دکھائی، یہ اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا، اس کو یہ کام بڑا اچھا لگا۔ چنانچہ یہ رات کو نئے نئے مہمان بدلنے لگ گیا، کسی کو پچاس ہزار دیا جا رہا ہے، کسی کو ایک لاکھ مل رہا ہے اور ایک سے ایک بہتر ماڈل آ رہا ہے۔

لوگوں نے سمجھایا، مگر یہ جوان تھا، آگ کی عمر تھی، اس نے سنا ہی نہیں، جب اس نے اپنے علاقے میں جی بھر کر بُرائی کر لی تو کسی نے کہا: ذرا بڑے شہر کا مزہ چکھو، اس نے بڑے شہر جانا شروع کر دیا، پھر کسی نے کہا: ذرا باہر کے کلبوں میں جا کر دیکھو۔ تو اس نے بیرون ملک کے نائٹ کلبوں میں جانا شروع کر دیا، شراب شباب کا عادی بن گیا۔

چنانچہ یہ ابھی بائیس، پچیس سال کا تھا کہ بیماریوں کا مجموعہ بن گیا، حتیٰ کہ ایک ایسا وقت آیا کہ نہ مال رہا، نہ جائیداد رہی، نہ صحت رہی، ساری کی ساری زمین بِک گئی، بلکہ ایک ایسا بھی وقت آیا کہ جس گھر میں یہ خود رہتا تھا، وہ بھی اس کو بیچنا پڑ گیا۔

چنانچہ جب اس نے گھر بیچا تو اب یہ نوبت آ گئی کہ لوگوں سے مانگ کر کھانے لگا۔ چنانچہ جس چوک میں اس کے باپ نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ میری چالیس نسلوں کو بھی پروا نہیں! اسی چوک میں کھڑے ہو کر اس کا یہ بیٹا اللہ کے نام کی بھیک مانگتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ اگر میں پروردگار دینا جانتا ہوں تو واپس لینا بھی جانتا ہوں۔

اپنی اوقات کا خیال رکھیے:

مولانا روم رحمہ اللہ ایک واقعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حاسدین نے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کو شکایت لگائی کہ یہ جو آپ کا لاڈلا غلام ''ایاز'' ہے، اس نے ایک الماری بنائی ہوئی ہے، یہ اس کو تالا لگا کے رکھتا ہے، اس کی چابی کسی دوسرے بندے کو

نہیں دیتا، الماری میں اس نے کچھ چھپایا ہوا ہے، جسے یہ روزانہ کھول کھول کر دیکھتا رہتا ہے، ہمیں شک ہے کہ اس نے خزانے سے ہیرے اور موتی چرائے ہوں گے اور وہاں چھپا کے رکھے ہوں گے۔ بادشاہ نے ایاز کو بلایا اور اس سے پوچھا:

ایاز! تم نے کوئی الماری بنائی ہوئی ہے؟

ایاز نے جواب دیا: جی! بنائی ہوئی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: تم اس الماری کو تالا لگا کے رکھتے ہو؟

ایاز نے کہا: جی ہاں!

بادشاہ نے پوچھا: تم کسی کو اس کی چابی دیتے ہو؟

ایاز نے کہا: جی نہیں!

بادشاہ نے پوچھا: خود روزانہ اسے کھول کے دیکھتے ہو؟

کہنے لگا: جی ہاں!

بادشاہ نے کہا: اس کی چابی مجھے دو۔

ایاز نے چابی دے دی۔

بادشاہ نے وہ چابی ایک بندے کو دی اور کہا کہ جو کچھ اس الماری میں ہے، وہ لا کے سب کے سامنے رکھو، حاسدین نے جب یہ بات سنی تو وہ بغلیں بجانے لگے، ان کو خوشی ہوئی کہ آج اس کا پول کھلے گا، آج بادشاہ کو پتہ چلے گا کہ یہ اندر سے کتنا کھوٹا ہے؟ اتنے میں وہ بندہ واپس آ گیا، اس کے پاس تین چیزیں تھی:

1 ...... بوسیدہ سا کرتہ۔

2 ...... ایک بوسیدہ سا جوتا۔

③ ......ایک بوسیدہ سی چادر۔

بادشاہ نے پوچھا: کیا الماری میں یہی کچھ تھا؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! صرف یہی چیزیں تھیں، بادشاہ نے ایاز سے پوچھا: کیا یہ چیزیں اس قابل ہیں کہ تم اُن کو تالے میں رکھو اور پھر روزانہ ان کو دیکھو؟

ایاز نے کہا: بادشاہ سلامت! جب میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا، اس وقت میں نے یہ کرتہ پہنا ہوا تھا، یہ چادر باندھی ہوئی تھی اور یہ جوتا پہنا ہوا تھا، میں نے ان کو تالے میں اس لیے رکھا ہوا ہے کہ روزانہ ان کو دیکھ کر اپنے آپ کو اپنی اوقات یاد دِلاتا رہوں کہ ایاز! یاد رکھو! کسی وقت میں تمہاری یہ اوقات تھی اور اب بادشاہ کے تم پر بہت احسانات ہیں، تو ان کا لحاظ کرنا اور بادشاہ کا وفادار بن کر رہنا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کاش! اس دیہاتی بندے جیسی سمجھ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ ذرا ہم اپنی اوقات کو تو دیکھیں کہ جب ہم اس دنیا میں آئے تھے تو ہمارے پاس کیا تھا؟ نہ ہمارے دانت تھے، نہ ہمارے جسم میں اتنی طاقت تھی کہ خود اُٹھ کے بیٹھ جائیں یا کھڑے ہو سکیں، نہ بول سکتے تھے، نہ عقل پختہ تھی، نہ علم تھا، نہ گھر تھا، نہ اولاد تھی، غرض کچھ بھی نہیں تھا اور آج جو کاریں اور بہاریں ہیں، روٹی اور بوٹی ہے، واللہ! یہ سب نعمتیں پروردگار کی عطا کردہ ہیں، کہیں جاتے ہیں تو لوگ ادب کی وجہ سے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں، یہ اس مالک کا کرم ہے، جب اس اللہ نے بن مانگے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں تو ہم خود کو اپنی اوقات کیوں یاد نہ دلائیں؟ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حکم کو ماننے کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں اور زبان سے یہ کہتے رہیں کہ اے میرے مولا! تُو نے ہمیں اتنی نعمتیں دی ہیں کہ ہم ان کا حق کبھی ادا نہیں کر سکتے، ہم

ساری زندگی سجدے میں سر ڈال کر پڑے رہیں، تب بھی ہم آپ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

مال، حسن بصری رحمہ اللہ کی نظر میں:

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلْمَالُ دَاءُ الْمُتَكَبِّرِيْنَ'' (مال، متکبرین کی بیماری ہے)۔

تکبر میری چادر ہے:

قرآن مجید میں تقریباً 50 سے زائد مقامات پر تکبر کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے چند آیات مندرجہ ذیل ہیں:

سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا﴾ [النساء:۳٦]

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ [بنی اسرائیل:۳۷،۳۸]

سورۃ القصص میں ارشاد فرمایا: ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [القصص:۵۸]

سورۃ الحدید میں ارشاد فرمایا: ﴿لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ [الحدید:۲۳]

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے: ''اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي، وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي، فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا، قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ'' [سنن ابی داود، رقم:۴۰۹۰] (تکبر میری چادر ہے،

عظمت میرا ازار ہے پس جو کوئی مجھ سے ان دونوں میں سے ایک بھی کھینچے گا تو میں اسے آگ میں پھینک دوں گا)۔

المارئ اَسرار کے تالے کو ذرا کھول
اے نطفۂ ناپاک! تُو آنکھیں تو ذرا کھول
زیبا نہیں دیتا ہے تکبر کا تجھے بول
ظاہر ہوا جاتا ہے ترے ڈھول کا سب پول

مال و دولت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی دلیل نہیں:

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس بات کا رد کیا گیا ہے کہ مال دینے اور نہ دینے کا سلسلہ اور ہے، جبکہ رضا کا سلسلہ اور ہے۔ ذرا غور کیجیے! اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ راضی پیغمبروں پر ہے اور پھر تمام پیغمبروں کے امام اور سردار خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ راضی ہے، لیکن آپ ﷺ کی مالی حیثیت یہ تھی کہ چھوٹا سا کمرہ تھا اور اس میں چراغ بھی نہیں تھا، اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دو دو مہینے تک ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی کہ پکانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا، کسی نے پوچھا کہ پھر وقت کیسے گزرتا تھا؟ تو فرماتی ہیں کہ ردّی قسم کی کھجوریں ہوتی تھیں جن کو لوگ خوش ہو کر نہیں کھاتے تھے، وہ کبھی ہمیں مل جاتی تھیں اور کچھ دودھ انصار تحفے کے طور پر دے جاتے تھے جس سے گزارہ ہو جاتا تھا۔ اگر مال، خوشی اور ناراضگی کا معیار ہوتا تو آپ ﷺ کی مالی پوزیشن یہ نہ ہوتی کہ فاقہ پر فاقہ آتا ہے اور آپ ﷺ اپنا جوتا مبارک اپنے ہاتھ سے گانٹھ لیتے تھے۔

ایک عورت کھڈی پر خود کپڑے بنتی تھی، جب اس نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی تہبند بہت پرانی ہے تو ایک لنگی بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپ یہ استعمال کریں، آپ ﷺ نے بدل لی، نئی پہن کر آئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ مجھے دے دیں۔ سارے صحابہ ان کے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے آپ ﷺ سے لنگی کیوں مانگی؟ تمہیں معلوم نہیں کہ آپ ﷺ پرانی لنگی بدل کر یہ پہن کر تشریف لائے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ سے لنگی استعمال کرنے کے لیے نہیں مانگی، بلکہ اس لیے مانگی ہے کہ یہ آپ ﷺ کے جسم مبارک کے ساتھ لگی ہے، اس کو میں اپنے کفن کے لیے رکھوں گا۔

[صحیح بخاری، رقم: ۶۰۳۶]

اللہ تعالیٰ کی خوشی اور ناراضگی کا معیار مال و دولت نہیں، بلکہ دین اور ایمان ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے: "إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ" (بے شک اللہ تعالیٰ دنیا دیتا ہے اس کو جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کو بھی جس کے ساتھ محبت نہیں کرتا)... قارون جیسے باغی اور سرکش کو بھی دنیا دی، آج بھی دنیا میں اکثر مالدار وہی لوگ ہیں... آگے فرمایا: "وَلَا يُعْطِي الدِّينَ إِلَّا لِمَنْ أَحَبَّ" [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۳۶۷۲] (اور دین صرف اس کو دیتا ہے جس کے ساتھ رب کی محبت ہوتی ہے)۔ تو جس کو ایمان کی دولت نصیب ہے وہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

[تفسیر ذخیرۃ الجنان، تحت آیۃ ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝۳۵﴾

اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھاتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوگیا۔ کہنے لگا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی بھی تباہ ہوگا۔

دوسرا مرض شرک:

وَدَخَلَ جَنَّتَہٗ وَھُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ

اور گیا اپنے باغ میں اور وہ بُرا کر رہا تھا اپنی جان پر

یعنی وہ متکبر بندہ تھا۔ اس کو اپنے مال پر گھمنڈ تھا جس کی وجہ سے وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔

نفس کی حقیقت:

......حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلنَّفْسُ هِيَ مَأْوٰى كُلِّ حَسَنَةٍ وَ سَيِّئَةٍ" (نفس، ہر نیکی اور بدی کا سرچشمہ ہے)۔

......شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلنَّفْسُ بَحْرٌ لَا سَاحِلَ لَهٗ" (نفس، خواہشات کا ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں)۔

......شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلنَّفْسُ كَافِرَةٌ فَقَاتِلْهَا بِمُخَالَفَةِ هَوَاهَا" (نفس، کافر ہے پس اس کی خواہشات کی مخالفت کر کے اس کے ساتھ قتال کیا کرو)۔

نفس کی تین قسمیں:

مشائخ فرماتے ہیں کہ نفس کی تین قسمیں ہیں:

1. ......عوام الناس کا نفس۔ نفس کی یہ قسم لوگوں کو برائی کا حکم دیتی ہے۔ اسے "نفسِ اَمّارہ" کہتے ہیں۔
2. ......خواص کا نفس۔ یہ نفس گناہ سرزد ہو جانے کے بعد اس پر ملامت کرتا ہے۔ اسے

''نفسِ لوّامہ'' کہتے ہیں۔

③ اخص الخواص کا نفس۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ اسے ''نفسِ مطمئنہ'' کہتے ہیں۔ اسی کے متعلق شیخ ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''هِيَ الْعَارِفَةُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى، الَّتِي لَا تَصْبِرُ عَنِ اللّٰهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ'' (اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور یہ پلک جھپکنے کے برابر بھی اللہ کی یاد سے غافل ہونا گوارا نہیں کرتا)۔

تیسرا مرض.....خوش فہمی: ①

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

بولا: نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی

جب آدمی اپنے باغ یا کھیت کو سیٹ کر لیتا ہے تو دیکھ کر اس کا جی چاہتا ہے کہ یہ ہمیشہ اسی طرح رہے، کبھی خراب نہ ہو۔ وہ بندہ بھی جب اپنے باغ میں داخل ہوتا تھا تو دیکھ کر سوچتا تھا کہ میرا یہ باغ ہمیشہ اسی طرح رہے گا اور یہ کبھی بھی خراب نہیں ہوگا۔

یعنی اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے، دماغ پر غفلت کے پردے پڑ جانے اور شوق و ہوس کی ہمہ گیری کے سبب وہ خیال کرنے لگا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ زندگی بھر میرے پاس رہے گا، کبھی برباد نہ ہوگا۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

اور میرا خیال یہ ہے کہ قیامت کبھی نہیں آئے گی، اور اگر کبھی مجھے اپنے رب کے پاس واپس بھیجا بھی گیا، تب بھی مجھے یقین ہے کہ مجھے اس سے بھی اچھی جگہ ملے گی۔

چوتھا مرض......انکار قیامت:

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً

اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے

اس کا چوتھا مرض یہ تھا کہ قیامت کے بارے میں اس کا عقیدہ بگاڑ کا شکار ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہاں وہ کہہ رہا ہے کہ میرے خیال میں قیامت قائم ہونے والی نہیں۔ اگر ہے تو بس یہی زندگی ہے۔

اللہ کے بارے میں حسنِ ظن رکھو:

......اللہ رب العزت حدیث قدسی میں ارشاد فرماتے ہیں:

''أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي'' [صحیح بخاری، رقم:۷۴۰۵]

''میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔''

...... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ)) [صحیح بخاری، رقم:۵۱۴۳]

''بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔''

......ایک اور حدیث میں بھی آتا ہے:

((لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.)) [صحیح مسلم، رقم:۲۸۷۷]

''تم میں سے کوئی ہرگز اس حالت میں نہ مرے، مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کا اچھا گمان ہو۔''

قرآن میں لفظ ''ظن'' کا 4 طرح استعمال:

قرآن مجید میں لفظ ''ظن'' اجمالی طور پر 4 معانی میں استعمال ہوا ہے:

① یقین ② شک ③ تہمت ④ گمان۔

پھر ان میں سے بعض معانی کے لیے متعدد مقامات پر بھی وارد ہوا ہے۔

یقین کے 10 مقامات:

قرآن مجید میں لفظ ''ظن'' یقین کے معنی میں 10 مقامات پر مستعمل ہے:

①......سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ [آیت:۴۶]

②......سورۃ القیامہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾﴾ [آیت:۲۸]

③......سورۃ الحاقہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾﴾ [آیت:۲۰]

④......سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ﴾ [آیت:۱۲]

⑤...... سورۃ المطففین میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾﴾ [آیت:۴]

⑥......سورۃ فصلت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾﴾ [آیت:۴۸]

⑦......سورۃ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ﴾ [آیت:۲۲]

⑧......سورۃ التوبہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ﴾ [آیت:۱۱۸]

⑨ ... سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِن ظَنَّآ أَن يُقِيمَا حُدُودَ﴾ [آیت:۲۳۰]

⑩ ..... سورۃ ص میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ﴾ [آیت:۲۴]

شک وتہمت کے مقامات: ۱)

قرآن مجید میں لفظ ''ظن'' شک وتہمت کے معنی میں 14 مقامات پر استعمال ہوا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

① ..... سورۃ الانبیاء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَذَا ٱلنُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَٰضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ﴾ [آیت:۸۷]

② ..... سورۃ الحج میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ ٱللَّهُ فِي ٱلدُّنۡيَا وَٱلۡأٓخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ إِلَى ٱلسَّمَآءِ﴾ [آیت:۱۵]

③ ..... سورۃ الاحزاب میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ⑩﴾ [آیت:۱۰]

④ ..... سورۃ الجاثیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍۖ إِنۡ هُمۡ إِلَّا يَظُنُّونَ ㉔﴾ [آیت:۲۴]

⑤ ..... سورۃ سبا میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ إِبۡلِيسُ ظَنَّهُۥ فَٱتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ⑳﴾ [آیت:۲۰]

⑥ ..... سورۃ الفتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَظَنَنتُمۡ ظَنَّ ٱلسَّوۡءِ﴾ [آیت:۱۲]

⑦ ..... سورۃ الفتح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيُعَذِّبَ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱلۡمُنَٰفِقَٰتِ وَٱلۡمُشۡرِكِينَ وَٱلۡمُشۡرِكَٰتِ ٱلظَّآنِّينَ بِٱللَّهِ ظَنَّ ٱلسَّوۡءِ﴾ [آیت:۶]

⑧ ..... سورۃ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيۡرَ ٱلۡحَقِّ ظَنَّ

الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [آیت:۱۵۴]

⑨ سورۃ الجاثیہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ﴾ [آیت:۳۲]

⑩ سورۃ الحشر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ﴾ [آیت:۲]

⑪ سورۃ یونس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا﴾ [آیت:۳۶]

⑫ سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ [آیت:۵]

⑬ ... سورۃ الجن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا﴾ [آیت:۷]

⑭ ... سورۃ الانشقاق میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭ بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ⑮﴾ [آیت:۱۴،۱۵]

[بصائر ذوی التمییز: ۳/۵۴۵ تا ۵۴۷]

قیامتِ صغریٰ اور کبریٰ:

قیامت کے دو بڑے مراحل ہیں:

① ...... قیامتِ صغریٰ: اس سے مراد کسی انسان کا مر جانا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کی موت ہی اس کے لیے قیامت ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا﴾ [الانعام:۳۱] (یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے

سامنے آ کھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس!) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ نیز ایک دوسری آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ انسان، موت کے وقت یہ حسرت کرے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ﴾ [المنافقون:۱۰] (اور ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرلو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو وہ یہ کہے کہ اے میرے پروردگار! تُو نے مجھے تھوڑی دیر کے لیے اور مہلت کیوں نہ دے دی)۔

② ...... قیامتِ کبریٰ: اس سے مراد حساب کتاب کے لیے دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

قیامت قریب ہو رہی ہے: ①

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قریب ہونے کی خبر دے رکھی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں ملاحظہ فرمائیں:

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ [النحل:۷۷] (اور قیامت کا معاملہ آنکھ جھپکنے سے زیادہ نہیں ہوگا، بلکہ اس سے بھی جلدی)۔

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا۝۵۱﴾ [الاسراء:۵۱] (کہہ دینا کہ کیا بعید ہے کہ وہ وقت قریب ہی آگیا ہو)۔

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۝۱﴾ [الانبیاء:۱] (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آپہنچا ہے اور وہ ہیں کہ غفلت کی حالت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ [الانبیاء:۹۷] (اور سچا وعدہ پورا ہونے کا وقت قریب آ جائے گا)۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝۶۳﴾ [الاحزاب:۶۳] (لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور تمہیں کیا پتہ شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو)۔

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝۱۷﴾ [الشوریٰ:۱۷] (اور تمہیں کیا پتہ، شاید کہ قیامت کی گھڑی قریب ہی ہو)۔

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝۱﴾ [القمر:۱] (قیامت قریب آ لگی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے)۔

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷ۭ﴾ [المعارج:۷] (اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں)۔

[المعجم المفہرس لمعانی القرآن العظیم: ۲/ ۹۳۵]

قیامت کا انکار کفر ہے: ①

قرآن مجید نے قیامت اور آخرت سے انکار کرنے والوں کے لیے مختلف سزائیں تجویز کی ہیں:

...... اعمال کا ضائع ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ [الاعراف:۱۴۷] (اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، ان کے اعمال غارت ہو گئے ہیں)۔

...... عذاب شدید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِنِ﴾ [ابراہیم:۲] (افسوس ہے ان لوگوں پر جو حق کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ انہیں سخت عذاب ہونے والا ہے)۔

......دنیاو آخرت میں بُری حالت۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ﴾ [النحل:۶۰] (جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے)۔

......دردناک عذاب۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ﴿وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [الاسراء:۱۰] (اور یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے لیے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

......انوارات قرآنیہ سے محرومی۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ [الاسراء:۴۵] (اور اے پیغمبر! جب تم قرآن پڑھتے ہو تو ہم تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک اَن دیکھا پردہ حائل کر دیتے ہیں)۔

......صراطِ مستقیم سے ہٹ جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ﴾ [المومنون:۷۴] (اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ راستے سے بالکل ہٹے ہوئے ہیں)۔

......بھڑکتی ہوئی آگ۔ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ﴿وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا﴾ [الفرقان:۱۱] (اور جو کوئی قیامت کی گھڑی کو جھٹلائے، اس کے لیے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے)۔

اعمال بد کو ان کی نظر میں مرغوب کر دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝﴾ [النمل: ۴] (اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمالِ بد ان کی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں، سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں)۔

پرلے درجے کی گمراہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝﴾ [سبا: ۸] (بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ خود عذاب میں اور پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں)۔

ذکر الٰہی سے دل کا بیزار ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ [الزمر: ۴۵] (اور جب کبھی تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو یہ لوگ خوشی سے کھل اُٹھتے ہیں)۔

پانچواں مرض...... جھوٹا دعویٰ: (۱)

﴿وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝﴾

اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا میں اپنے رب کے پاس۔ پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر

انسان سمجھتا ہے کہ دنیا میں جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے عیش و آرام دیا ہے، جب میں مر جاؤں گا تو مجھے آخرت میں بھی اسی طرح عیش و آرام ہی ملے گا۔ وہ اپنے اعمال کو نہیں دیکھتا، بلکہ اپنے مال کو اللہ کے ہاں اپنی قبولیت کی دلیل سمجھتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اور دنیا میں بھی اتنا دیا ہے، اول تو قیامت کا دن آنا نہیں، اور اگر آ بھی گیا تو

وہاں بھی مجھے اسی طرح بڑا باغ ملے گا اور میں وہاں بھی بڑا بن کر زندگی گزاروں گا۔

دنیا والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کافر اور فاجر ہوتے ہوئے بھی یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں جب اس نے ہمیں یہاں دولت دی ہے تو وہاں بھی ہمیں خوب زیادہ نعمت و دولت ملے گی، یہ لوگ قیامت کو مانتے تو نہیں ہیں لیکن اہل ایمان سے قیامت کی باتیں سن کر یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو وہاں بھی ہماری نوازش میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

نگاہِ نبوت میں عقلمند اور بیوقوف کون؟

حدیث پاک میں آتا ہے: ''اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ الْأَمَانِيَّ'' [شعب الایمان، رقم:۱۰۵۴۶] (عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو گھٹیا جانا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیا اور کمزور وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے پیچھے دوڑایا اور اللہ سے تمنا کرنے لگا)۔

حکمت بھرے اقوال:

❀...... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اِفْعَلُوا الْخَيْرَ وَلَا تَحْقِرُوْا مِنْهُ شَيْئًا. فَإِنَّ صَغِيْرَهٗ كَبِيْرٌ وَقَلِيْلُهٗ كَثِيْرٌ'' (نیکی کرو اور چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر مت سمجھو، اس لیے کہ چھوٹی نیکی بھی بڑی ہوتی ہے اور تھوڑی بھی زیادہ ہوتی ہے)۔

❀...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اَلْخَيْرُ لَا يَبْلٰى'' (نیکی کبھی بوسیدہ نہیں ہوتی)۔

[موسوعۃ الکسنزان:۷/۴۲۵]

اہلِ خیر کی دس علامات: ۱

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "أَهْلُ الخَيْرِ" (نیک لوگوں) چند علامات سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ علامات مندرجہ ذیل ہیں:

1 ......سچ بولنا۔

2 ......امانت کو ان کے مالک تک پہنچانا۔

3 ......وعدہ پورا کرنا۔

4 ......عاجزی۔

5 ......صلہ رحمی کرنا۔

6 ......کمزور لوگوں پر ترس کھانا۔

7 ......سخاوت۔

8 ......حسنِ اخلاق سے پیش آنا۔

9 ......بردباری۔

10 ......علم پھیلانا۔

[موسوعۃ الکسنزان: ۷/ ۴۲۷ بتصرف]

﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾﴾

اس کے ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے کہا: کیا تم اس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کر رہے ہو جس نے تمہیں مٹی سے، اور پھر نطفے سے پیدا کیا، پھر تمہیں ایک بھلا چنگا انسان بنا دیا؟

مومن دوست کا خیر خواہانہ جواب:

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ

کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا

ایک اچھا دوست بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی انعام ہے جو وقتاً فوقتاً بندے کو اچھے کاموں کی طرف گائیڈ کرے۔ نیکی کی ترغیب دے، گناہ سے روکے، ہمدرد ہو۔ یہاں بھی نصیحت کرنے والا بڑا ہمدرد دوست تھا، اس کی خیر خواہی چاہتا تھا، لیکن جب وہ کافر مشرک دوست نہ مانا تو اب ہمدرد دوست جھڑکی دے رہا ہے۔ چنانچہ آج بیٹا رو رہا ہے کہ ابو تو ہر وقت ڈانٹتا ہے، بیٹی رو رہی ہے کہ ماں تو ہر وقت نصیحت ہی کر رہی ہے، شاگرد پریشان ہے کہ استاد جی تو ہر وقت ہی ترغیب دیتے رہتے ہیں، ادھر ایک غلطی ہوگئی اور اُدھر سے ایک لیکچر شروع ہو گیا، مرید ناراض ہے کہ شیخ تو بس کوستا ہی رہتا ہے۔ حالانکہ آج ہمارے سروں پہ بڑوں کا سایہ ہے اور یہ اللہ کی نعمت ہے، ان ہستیوں کی قدر کریں۔

شکرِ الٰہی کے ترک پر زجر:

اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

کیا تُو منکر ہو گیا اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر قطرہ سے۔ پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد

چنانچہ "مِنْ تُرَابٍ" میں انسان کے مادۂ بعید کا ذکر ہے اور "مِنْ نُّطْفَةٍ" میں انسان کے مادۂ قریب کا ذکر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا خاک سے بنایا گیا تھا، اس لیے مٹی اولادِ آدم کے لیے مادۂ بعید ہے اور نطفہ ہر انسان کا مادۂ قریب ہے۔

یعنی اللہ نے تمہیں پیدا کیا۔ اگر وہ چاہتا تو تمہاری بصارت نہ ہوتی، سماعت نہ ہوتی، تمہارے جسم کے اعضا ٹھیک نہ ہوتے، تمہاری صحت اچھی نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے صحت کے ساتھ صحیح سالم انسان بنایا، یہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا کتنا فضل اور کرم ہے۔ ''فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ''.

قرآن میں لفظ ''تراب'' کا 3 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''تراب'' 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

1. بوسیدہ ہڈیوں کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا﴾ [المؤمنون:۸۲]
2. ..... چوپایہ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِيۡ كُنۡتُ تُرٰبًا﴾ [النبأ:۴۰] بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں ''تُرَابًا'' سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں، کیونکہ یہ شیطان کا مقولہ ہے جو روزِ محشر نہایت افسوس کرے گا۔
3. ..... مٹی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ﴾ [غافر:٦٧] (وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا)۔

[بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۲۹۷]

خلقتِ انسانی از روئے قرآن:

1. ..... انسان کوئی قابلِ قدر چیز نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـًٔا مَّذۡكُوۡرًا﴾ [الانسان:۱] (انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا)؟
2. ..... انسان کی اصل مٹی سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا خَلَقۡنٰهُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ

لَّازِبٍ ⑪﴾ [الصافات:١١] (ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے)۔

❸ ...... انسان کی پیدائش نطفے سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ [المومنون:١٤] (پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اسے ایسی اُٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا)۔

❹ ...... انسان کی پیدائش ماں کے پیٹ سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا﴾ [النحل:٧٨] (اور اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے)۔

❺ ...... انسان کی پیدائش تین اندھیروں میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ﴾ [الزمر:٦] (وہ تمہاری تخلیق تمہاری ماؤں کے پیٹ میں اس طرح کرتا ہے کہ تین اندھیریوں کے درمیان تم بناوٹ کے ایک مرحلے کے بعد دوسرے مرحلے سے گزرتے ہو)۔

❻ ...... انسان کی ساخت سب سے خوبصورت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④﴾ [التین:٤] (ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے)۔

انسانی پیدائش کے مراتب:

محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا، یا فرمایا مصحف

ابراہیم میں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يَا ابْنَ آدَمَ! مَا أَنْصَفْتَنِي، خَلَقْتُكَ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا''

''اے ابن آدم! تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ بھی نہ تھا۔''

''وَجَعَلْتُكَ بَشَرًا سَوِيًّا''

''اور میں نے تجھے درست آدمی بنایا۔''

''وَخَلَقْتُكَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِيْنٍ''

''اور میں نے تجھ کو مٹی کے گارے سے پیدا کیا۔''

''ثُمَّ جَعَلْتُكَ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِيْنٍ''

''پھر میں نے نطفہ کو حفاظت کی جگہ یعنی رحم میں رکھا۔''

''ثُمَّ خَلَقْتُ النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْتُ العَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْتُ المُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْتُ العِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْتَاكَ خَلْقًا آخَرَ''

''پھر میں نے نطفہ سے لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنایا۔ پھر میں نے بوٹی میں ہڈیاں بنائیں۔ پھر میں نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر ہم نے تجھے ایک دوسری تخلیق کے ساتھ پیدا فرمایا۔''

''يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ يَقْدِرُ عَلَى ذٰلِكَ غَيْرِيْ؟''

''اے آدم کے بیٹے! کیا میرے علاوہ کوئی اس کام پر قادر ہے؟''

''ثُمَّ خَفَّفْتُ ثِقْلَكَ عَلَى أُمِّكَ حَتّٰى لَا تَمَرَّضَ بِكَ وَلَا تَتَأَذّٰى''

''پھر میں نے تیرے بوجھ کو تیری ماں پر ہلکا کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تیری وجہ سے نہ

بیمار ہوئی اور نہ اس کو تکلیف ہوئی۔"

"ثُمَّ أَوْحَيْتُ إِلَى الْأَمْعَاءِ أَنِ اتَّسِعِيْ"

"پھر میں نے آنتوں کو حکم دیا کہ وہ پھیل جائیں۔"

"وَإِلَى الجَوَارِحِ أَنْ تَفَرَّقِي"

"اور دوسرے اعضاء کو حکم دیا کہ وہ آپس میں جدا ہو جائیں۔"

"فَاتَّسَعَتِ الْأَمْعَاءُ مِن بَعْدِ ضِيْقِهَا"

"چنانچہ آنتیں پھیل گئیں حالانکہ اس سے پہلے وہ تنگ تھیں۔"

"وَ تَفَرَّقَتِ الجَوَارِحُ مِن بَعْدِ تَشْبِيْكِهَا"

"اور اعضا جدا جدا ہو گئے حالانکہ اس سے پہلے وہ جڑے ہوئے تھے۔"

"ثُمَّ أَوْحَيْتُ إِلَى المَلَكِ المُوَكَّلِ بِالأَرْحَامِ أَن يُخْرِجَكَ مِن بَطْنِ أُمِّكَ"

"پھر میں نے اس فرشتے کو القا کیا جو رحموں پر مقرر ہے کہ وہ تجھ کو تیری ماں کے پیٹ سے نکالے۔"

"فَاسْتَخْلَصَكَ عَلَى رِيْشَةٍ مِّنْ جَنَاحِهِ"

"اور اس نے اپنے پر کے ایک بال کے ساتھ تجھے نجات دلائی۔"

"فَاطَّلَعْتُ عَلَيْكَ فَإِذَا أَنْتَ خَلْقٌ ضَعِيْفٌ لَيْسَ لَكَ سِنٌّ يَقْطَعُ وَلَا ضِرْسٌ يَطْحَنُ"

"پھر جب میں نے تجھے دیکھا تو تُو ایک انتہائی کمزور مخلوق تھا، تیرے پاس نہ کاٹنے والے دانت تھے نہ چبانے والی داڑھ تھی۔"

"فَاسْتَخْلَصْتُ لَكَ فِي صَدْرِ أُمِّكَ عِرْقًا يَدُرُّ لَكَ لَبَنًا بَارِدًا فِي الصَّيْفِ حَارًّا

فِي الشِّتَاءِ''

''پھر میں نے تیرے لیے تیری ماں کے سینے میں ایسی رگ رکھ دی کہ تیرے لیے گرمی کے موسم میں ٹھنڈا دودھ مہیا کرتی ہے اور سردیوں میں گرم دودھ۔''

''وَاسْتَخْلَصْتُهُ لَكَ مِن بَيْنِ جِلْدٍ وَّ لَحْمٍ وَّ دَمٍ وَّ عُرُوقٍ''

''اور میں نے یہ دودھ جلد، گوشت، خون اور رگوں کے درمیان سے تیرے لیے چن رکھا ہے۔''

''ثُمَّ قَذَفْتُ لَكَ فِي قَلْبِ وَالِدَتِكَ الرَّحْمَةَ وَفِي قَلْبِ أَبِيكَ التَّحَنُّنَ''

''پھر میں نے تیری لیے تیری ماں کے دل میں رحم کو ڈال دیا۔ اور تیرے باپ کے دل میں شفقت اور پیار کو ڈال دیا ہے۔''

''فَهُمَا يَكِدَّانِ وَ يَجْهَدَانِ وَ يُرَبِّيَانِكَ وَ يُغَذِّيَانِكَ وَلَا يَنَامَانِ حَتّٰى يُنَوِّمَاكَ''

''پس والدین تیرے لیے سرتوڑ کوشش کرتے تھے اور مشقت اٹھاتے تھے اور تجھے پالتے تھے اور تجھے غذا دیتے تھے اور خود نہیں سوتے تھے یہاں تک کہ تجھے نہ سلا دیتے۔''

''اِبْنَ آدَمَ: أَنَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ بِكَ لَا لِشَيْءٍ اسْتَأْهَلْتَهُ بِهٖ مِنِّي أَوْ لِحَاجَةٍ اِسْتَعَنْتُ عَلٰى قَضَائِهَا''

''اے آدم کے بیٹے! میں نے تیرے ساتھ یہ جو کچھ کیا، یہ اس وجہ سے نہیں کہ تیرا مجھ پہ کوئی حق بنتا تھا یا مجھے کوئی ضرورت تھی کہ جس کو پورا کرنے کے لیے تجھ سے مدد مانگوں (بلکہ تیرے وجود کا اس طرح بنانا صرف میری رحمت اور میرا احسان ہے)۔''

''اِبْنَ آدَمَ: فَلَمَّا قَطَعَ سِنُّكَ وَ طَحَنَ ضِرْسُكَ أَطْعَمْتُكَ فَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِي أَوَانِهَا وَفَاكِهَةَ الشِّتَاءِ فِي أَوَانِهَا''

''اے ابن آدم! جب تیرے دانت کاٹنے لگے اور تیری داڑھیں چبانے لگیں تو میں نے تجھ کو گرمی کے موسم میں گرمی کے پھل کھلائے اور سردی کے پھل موسم میں سردی کے پھل۔''

''فَلَمَّا أَنْ عَرَفْتَ أَنِّي رَبُّكَ عَصَيْتَنِي''

''جب تجھے پتہ چل گیا کہ میں تیرا رب ہوں تو تُو نے میری نافرمانی کی۔''

''فَالآنَ إِذَا عَصَيْتَنِي فَادْعُنِي فَإِنِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ''

''اور باوجودیکہ تُو میرا نافرمان بندہ بن گیا ہے تو اب بھی مجھ سے دعا مانگ۔ بے شک میں تیرے قریب ہوں اور دعا کو قبول کرنے والا ہوں۔''

''وَادْعُنِي فَإِنِّي غَفُوْرٌ رَحِيمٌ'' [تفسیر درمنثور تحت آیہ سورۃ عبس، ۲۰]

''اور مجھے پکار کیونکہ میں غفور اور رحیم بھی ہوں۔''

فوائد السلوک: (۱)

......احسان فراموشی مترادفِ کفر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ہمارا محسنِ حقیقی ہے جس نے ہمیں اتنا پیارا وجود دیا۔ قرآن مجید میں 30 سے زیادہ مقامات پہ انسانی تخلیق کا بیان فرمایا کہ شاید انسان کے اندر اپنے محسنِ حقیقی کی طرف متوجہ ہونے کا احساس پیدا ہو جائے۔

﴿لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝۳۸﴾

جہاں تک میرا تعلق ہے، میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتا۔

مومن دوست کا پہلا اعلان ......اعلانِ توحید: (۱)

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ

پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب

''لٰکِنَّا'' اصل میں ''لٰکِنْ أَنَا أَعْتَقِدُ'' ہے۔ جس کا معنی ہے کہ میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ میرا پروردگار ہے۔ اس میں اپنے دین وعقیدہ کا اعلان بھی ہے اور مخاطب کو سمجھانا بھی ہے کہ تو مشرک ہے اور مشرک ہونا بدترین چیز ہے۔

ایک ننھا شہید:

رسول اللہ ﷺ عموماً اس حدیث کو بیان فرمایا کرتے تھے کہ جاہلیت کے زمانے میں ایک عورت پہاڑ کی چوٹی پر اپنی بکریاں چرایا کرتی تھی، اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا:

''يَا أُمَّاهُ! مَنْ خَلَقَكِ؟''

''اماں جان! تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''اَللّٰهُ''

''اللہ نے۔''

لڑکے نے کہا:

''فَمَنْ خَلَقَ أَبِيْ؟''

''میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟''

اس نے جواب دیا:

''اَللّٰهُ''

''اللہ نے۔''

پوچھا:

''فَمَنْ خَلَقَنِي؟''

''مجھے کس نے پیدا کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا:

''اللّٰہُ''

''اللہ نے۔''

پھر پوچھا:

''فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ''

''آسمان کو کس نے پیدا کیا؟''

اس نے جواب دیا:

''اللّٰہُ''

''اللہ نے۔''

پھر پوچھا:

''فَمَنْ خَلَقَ الْأَرْضَ؟''

''زمین کو کس نے پیدا کیا؟''

اس نے جواب دیا:

''اَللّٰہُ''

''اللہ نے۔''

پھر پوچھا:

''فَمَنْ خَلَقَ الْجَبَلَ؟''

''ان پہاڑوں کو کس نے بنایا ہے؟''

ماں نے جواب دیا:

''اَللّٰہُ''

''ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔''

پھر پوچھا:

''فَمَنْ خَلَقَ هٰذِهِ الْغَنَمَ؟''

''ان ہماری بکریوں کا خالق کون ہے؟''

ماں نے کہا:

''اَللّٰہُ''

''اللہ ہی ہے۔''

اس نے کہا:

''فَإِنِّي أَسْمَعُ لِلّٰهِ شَأْنًا''

''سبحان اللہ! اللہ کی اتنی بڑی شان ہے۔''

بس اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اس قدر سما گئی کہ وہ تھر تھر کانپنے لگا اور پہاڑ سے گر پڑا اور جان اللہ کے سپرد کر دی۔

[تفسیر ابن کثیر تحت آیۃ سورۃ المومنون، ۹۰]

مومن دوست کا دوسرا اعلان...... بیزاریٔ شرک:

وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾

اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو

اس کافر بدعقیدہ شخص کے سامنے اس کا مومن دوست علی الاعلان فرما رہے ہیں کہ پروردگار وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کے علاوہ میں کوئی خدا تسلیم نہیں کرتا۔ گویا کہ توحید پر اس کا عقیدہ بڑا پکا تھا۔

شرک کی اقسام:

دین میں شرک دو قسم پر ہے:

① ......شرک عظیم: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانا۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾[النساء:۴۸] (بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے)۔

② ......شرک صغیر: کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی خوش کرنے کی کوشش کرنا۔ اسی کا دوسرا نام ریا اور نفاق ہے۔

[بصائر ذوی التمییز: ۳/ ۳۱۳، ۳۱۴]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لَيْسَ الشِّرْكُ عِبَادَةُ الْأَصْنَامِ فَحَسْبُ، بَلْ هُوَ مُتَابَعَتُكَ هَوَاكَ'' (شرک، فقط بتوں کی عبادت کا نام نہیں، بلکہ خواہشاتِ نفسانیہ کی اتباع بھی شرک کا ایک درجہ ہے)۔

نورِ توحید اور آتشِ شرک:

شیخ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لِلتَّوْحِيْدِ نُوْرٌ وَلِلشِّرْكِ نَارٌ، وَإِنَّ نُوْرَ التَّوْحِيْدِ أَحْرَقَ سَيِّئَاتِ الْمُوَحِّدِيْنَ، كَمَا أَنَّ نَارَ الشِّرْكِ أَحْرَقَتْ حَسَنَاتِ الْمُشْرِكِيْنَ'' (توحید ایک نوری چیز ہے اور شرک ناری چیز ہے۔ چنانچہ نورِ توحید توحید

پرستوں کے گناہوں کو جلا دیتا ہے جیسے آتشِ شرک مشرکین کی نیکیوں کو جلا دیتی ہے)۔

شرک کے تین قرآنی اسباب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شرک کے تین اسباب بیان فرمائے ہیں:

پہلا سبب......آباؤ اجداد کی اندھی تقلید: (۱)

اللہ تعالیٰ نے 20 مقامات پہ فرمایا ہے کہ مشرکین کے شرک کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اپنے مشرک آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کرتے تھے۔ چنانچہ اس بارے میں کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

......حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ [الاعراف:۷۰] (انہوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں اور جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں)؟

......حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ [ھود:۶۲] (وہ کہنے لگے: اے صالح! اس سے پہلے تو تم ہمارے درمیان اس طرح رہے ہو کہ تم سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں، جن بتوں کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت کرنے سے منع کرتے ہو)؟

......حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝۵۲ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝۵۳ قَالَ

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الانبیاء: ۵۲ تا ۵۴] (وہ وقت یاد کرو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیے بیٹھے ہو؟ وہ بولے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا: حقیقت یہ ہے کہ تم بھی اور تمہارے باپ دادے بھی کھلی گمراہی میں مبتلا رہے ہو)۔

......حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ﴾ [ہود: ۸۷] (وہ کہنے لگے: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جن کی عبادت کرتے آئے تھے، ہم انہیں بھی چھوڑ دیں)؟

......حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ﴾ [یونس: ۷۸] (کہنے لگے: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس طور طریقے پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، اس سے ہمیں برگشتہ کر دو اور اس سرزمین میں تم دونوں کی چودھراہٹ قائم ہو جائے)؟

.....حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں دو ساتھیوں سے فرماتے ہیں: ﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ [یوسف: ۳۹، ۴۰] (اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے؟ اس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی حقیقت چند ناموں

سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اُتاری)۔

......قریش مکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۚ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ [ہود:۱۰۹] (لہٰذا اے پیغمبر! یہ مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک میں نہ رہنا۔ یہ تو اسی طرح عبادت کر رہے ہیں جیسے ان کے باپ دادے پہلے ہی عبادت کیا کرتے تھے)۔

دوسرا سبب...... جہالت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 13 مقامات پہ شرک کا دوسرا سبب جہالت قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾﴾ [الزمر:۶۴] (کہہ دو کہ کیا پھر بھی اے جاہلو! تم مجھ سے کہتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرو)؟

تیسرا سبب......شیطان کی اطاعت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 5 مقامات پہ شرک کا تیسرا سبب شیطان کی اطاعت بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾﴾ [النحل:۶۳] (اے پیغمبر اللہ کی قسم! تم سے پہلے جو اُمتیں گزری ہیں، ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تھے تو شیطان نے ان کے اعمال کو خوب بنا سنوار کر ان کے سامنے پیش کیا۔ چنانچہ وہی آج ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے)۔

اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے: (۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں 25 مقامات پہ کھلے دھلے الفاظ میں اعلان فرمایا ہے کہ میں ہر قسم کے شرک سے پاک ہوں۔ کچھ مقامات یہ ہیں:

......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ [النساء:۱۷۱] (لہٰذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ مت کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اسی کا ہے)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ [الانعام:۱۰۰، ۱۰۱] (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، حالانکہ اللہ نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں۔ حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں وہ ان سب سے پاک اور بالا و برتر ہے۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کا کوئی بیٹا کہاں ہوسکتا ہے، جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں؟ اسی نے ہر چیز پیدا کی ہے)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۲ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ﴾ [الانعام:۱۶۲، ۱۶۳] (کہہ دو کہ بے شک

میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے)۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ﴾ [النحل: ۵۷] (اور اللہ کے لیے تو انہوں نے بیٹیاں گھڑ رکھی ہیں۔ سبحان اللہ! اور خود اپنے لیے وہ بیٹے چاہتے ہیں، جو اپنی خواہش کے مطابق ہوں)۔

...ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا﴾ [الاسراء: ۴۲، ۴۳] (کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسے کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ عرش والے حقیقی خدا پر چڑھائی کرنے کے لیے کوئی راستہ پیدا کر لیتے۔ حقیقت ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں، اس کی ذات ان سے بالکل پاک اور بہت بالا و برتر ہے)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ [الاسراء: ۱۱۱] (اور کہو کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے نہ کوئی بیٹا بنایا، نہ اس کی سلطنت میں کوئی شریک ہے، اور نہ اسے عاجزی سے بچانے کے لیے کوئی حمایتی درکار ہے۔ اور اس کی ایسی بڑائی بیان کرو جیسی بڑائی بیان کرنے کا اسے حق حاصل ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾ [الکہف: ۲۶] (اس کے سوا ان کا کوئی رکھوالا نہیں ہے اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا)۔

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا﴾

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾﴾ [مریم:۸۸ تا ۹۲] (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہے۔ ایسی بات کہنے والو! حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾﴾ [الروم:۴۰] (اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر اس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا ہوا ہے، کیا ان میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر اس شرک سے جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے ہیں)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ [الطور:۴۳] (کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور خدا ہے؟ پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ کر رہے ہیں)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾﴾ [الجن:۲، ۳] (اور اب اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو عبادت میں ہرگز شریک نہیں مانیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝۳ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴﴾ [الاخلاص] (کہہ دو: بات یہ ہے کہ اللہ ہر لحاظ سے ایک ہے۔ اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں)۔

شرک کی سزا:

قرآن مجید میں شرک کرنے والوں کے لیے مختلف قسم کی سزاؤں کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں:

......اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ [المائدۃ:۷۲] (یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝۸۸﴾ [الانعام:۸۸] (یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے نیک اعمال اکارت ہو جاتے)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲۸﴾ [یونس:۲۸] (اور یاد رکھو وہ دن جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا تھا، ان سے کہیں گے کہ ذرا اپنی جگہ ٹھہرو، تم بھی اور وہ بھی جن کو تم نے اللہ کا شریک مانا تھا۔ پھر ان کے درمیان عابد اور معبود کا جو رشتہ تھا، ہم وہ ختم کر دیں گے اور

ان کے وہ شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت تونہیں کرتے تھے)۔

... ایک اور جگہ فرماتے ہیں:﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾﴾ [ابراہیم:۳۰] (اور انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کی خدائی میں کچھ شریک بنا لیے، تا کہ لوگوں کو اس کے راستے سے گمراہ کریں۔ ان سے کہو کہ تھوڑے سے مزے اُڑا لو، کیونکہ آخر کار تمہیں جانا دوزخ ہی کی طرف ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں:﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ﴾ [النحل:۲۷] (پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رُسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کی خاطر تم مسلمانوں سے جھگڑا کیا کرتے تھے)؟

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں:﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾﴾ [الاسراء:۳۹] (اور اے انسان! اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا، ورنہ تجھے ملامت کر کے، دھکے دے کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا)۔

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں:﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ [الانبیاء:۹۸،۹۹] (اے شرک کرنے والو! یقین رکھو کہ تم اور جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تمہیں اسی جہنم میں جا اُترنا ہے۔ اگر یہ وقعی خدا ہوتے تو اس جہنم میں نہ جاتے۔ اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرماتے ہیں:﴿اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ [الصافات:۳۸،۳۹] (چنانچہ ان سے کہا جائے گا کہ تم سب کو دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)۔

......ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ﴿اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ [فصلت:٦] (البتہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔ لہٰذا تم اپنا رخ سیدھا اسی کی طرف رکھو، اور اسی سے مغفرت مانگو۔ اور بڑی تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے)۔

شرک کی مختلف صورتیں: (۱)

قرآن عظیم الشان میں شرک کی بہت ساری صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جا رہی ہیں:

......تین خداؤں کا قائل ہونا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [المائدۃ:٧٣] (وہ لوگ بھی یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے، حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے)۔

......حلال کو حرام قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَاۗىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ [المائدۃ:١٠٣] (اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی، لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے، وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے)۔

......حرام کو حلال قرار دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ [التوبہ:٢٩] (وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یوم آخرت پر۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی

ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، ان سے جنگ کرو)۔

غیر اللہ کو پکارنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿١٤﴾﴾ [فاطر: ١٣، ١٤] (یہ ہے اللہ جو تمہارا پروردگار ہے، ساری بادشاہی اسی کی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر جن جھوٹے خداؤں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں، اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی مکمل خبر ہے اس کے برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا)۔

...... غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ [البقرة: ١٧٣] (اس نے تو تمہارے لیے بس مردار جانور، خون اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو)۔

امام رازی رحمہ اللہ سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیت کے تحت لکھتے ہیں:

''لَوْ أَنَّ مُسْلِمًا ذَبَحَ ذَبِيْحَةً وَ قَصَدَ بِذِبْحِهَا التَّقَرُّبَ إِلٰى غَيْرِ اللّٰهِ صَارَ مُرْتَدًّا وَ ذَبِيْحَتُهٗ ذَبِيْحَةُ مُرْتَدٍّ.'' [تفسیر کبیر تحت آیۃ سورۃ البقرۃ، ١٧٣]

''اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کرے اور ذبح کرتے وقت غیر اللہ کے قرب کی نیت کرے تو وہ شخص مرتد ہو جائے اور اس کا ذبح کیا ہوا جانور، مرتد کا ذبح کیا ہوا شمار کیا

جائے گا۔"

بتوں کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا تَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا نَعْبُدُ أَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِينَ ۝﴾ [الشعراء:۷۰،۷۱] (جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے آگے دھرنا دیے رہتے ہیں)۔

..... جنات کی عبادت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ [الانعام:۱۰۰] (اور لوگوں نے جنات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، حالانکہ اللہ نے ہی ان کو پیدا کیا ہے۔ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں)۔

.. سورج کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ [النمل:۲۴] (میں نے اس عورت اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کے آگے سجدے کرتے ہیں)۔

...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی عبادت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ﴾ [المائدة:۱۱۶] (اور اس وقت کا بھی ذکر سنو جب اللہ کہے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟ وہ کہیں گے: ہم تو آپ کی ذات کو شرک سے پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں)۔

......چاند کی پوجا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ؀﴾ [فصلت:۷۷] (پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں)۔

......اللہ کی طرف بیوی کی نسبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا؀﴾ [الجن:۳] (اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بہت اونچی شان ہے، اس نے نہ کوئی بیوی رکھی ہے، اور نہ کوئی بیٹا)۔

......اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا؀ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْــــًٔا اِدًّا؀ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا؀ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا؀ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا؀﴾ [مریم:۸۸ تا ۹۲] (اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی کوئی اولاد ہے۔ ایسی بات کہنے والو! حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں کہ ان لوگوں نے خدائے رحمٰن کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمٰن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو)۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

باغ کے مالک کے الفاظ میں تو شرک نہیں، کیونکہ اس نے تو کہا تھا: ﴿وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً﴾ (میرا خیال نہیں کہ قیامت قائم ہو جائے)۔ چنانچہ یہ کفر ہے، شرک نہیں۔ لیکن اس نے اعتقاد کے لحاظ سے شرک کیا تھا۔ وہ اس طرح کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ

اس کے باغ کا پھلنا پھولنا اور بڑھنا محض اس کی محنت وقوت کا ثمرہ ہے، کسی اور طاقت کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بھائی نے اس سے کہا: ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (تم نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا) خود اس نے اپنے باغ کو دیکھ کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا﴾ (اے کاش کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا) گویا اس نے شرک کا خود اعتراف کیا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱]

﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾﴾ ﴿فَعَسٰي رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾﴾

اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ! (جو اللہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، اللہ کی توفیق کے بغیر کسی میں کوئی طاقت نہیں)۔ اگر تمہیں یہ نظر آ رہا ہے کہ میری دولت اور اولاد تم سے کم ہے تو میرے رب سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ مجھے تمہارے باغ سے بہتر چیز عطا فرما دے، اور تمہارے اس باغ پر کوئی آسمانی آفت بھیج دے، جس سے وہ چکنے میدان میں تبدیل ہو کر رہ جائے۔

انعاماتِ الٰہیہ کی نسبت اللہ کی طرف کرنے کی تلقین: (۱)

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ

تُو نے اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت کا اقرار کیوں نہیں کیا اور کیوں نہیں کہا کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں اس کو محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا جو کچھ مجھے اس باغ کو لگانے پرورش کرنے اور انتظام کرنے کی سہولت حاصل ہوئی ہے وہ اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے حاصل ہوئی ہے۔

اس مومن موحد نے اپنے مخاطب سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تجھے باغ کی نعمت دی ہے، تجھے اس نعمت پر شکر گزار ہونا چاہیے۔ باغ میں جا کر تو نے یوں کہا کہ میرے خیال میں یہ باغ کبھی برباد نہ ہوگا اور تو قیامت آنے کا بھی منکر ہوگیا، اس کے بجائے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ (اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر کوئی قوت نہیں)۔ یہ باغ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وجود میں آیا ہے، اسی نے تجھے اس پر قبضہ دیا ہے، جب وہ چاہے گا اسے برباد کردے گا اور تو دیکھتا رہ جائے گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کی تختی:

امام دارالہجرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا ''مَاشَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا؟ انہوں نے فرمایا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ)!

''ماشاء اللہ'' کہنے سے حاجات پوری ہوتی ہیں:

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے ایک حاجت کا سوال کیا لیکن اس کے پورا ہونے میں دیر ہوگئی تو انہوں نے ''ماشاء اللہ'' کہہ دیا۔ چنانچہ ان کی حاجت

پوری ہوکر سامنے آگئی (جلدی ہی پوری ہوگئی)۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں اپنی حاجت کو اتنے اور اتنے عرصے سے طلب کر رہا تھا، اب آپ نے مجھے وہ عطا فرمائی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! کیا تجھے علم نہیں ہے کہ تیرا ''ماشاء اللہ'' کہنا ان ضرورتوں کو زیادہ جلدی پورا کرنے والا ہے جو تو اس کے ذریعے طلب کرلے۔

[تفسیر در منثور تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

جنت کا دروازہ:

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھوڑ آئے تھے۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں دو رکعت پڑھ کر لیٹ چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پاؤں سے مارا اور فرمایا:

''أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ؟''

''کیا میں تجھ کو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے کے متعلق نہ بتاؤں؟''

میں نے عرض کیا:

''بلیٰ''

''ضرور بتایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' [جامع ترمذی، رقم: ۳۵۸۱]

''وہ ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔''

آفات سے حفاظت: (۱)

......نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى عَبْدٍ نِعْمَةً مِنْ أَهْلٍ وَّمَالٍ وَّوَلَدٍ فَيَقُولُ مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَيَرٰى فِيهِ آفَةً دُونَ الْمَوْتِ'' [شعب الایمان، رقم:۴۳۶۹]

''اللہ تعالیٰ جس بندہ پر اہل عیال میں یا مال میں کوئی انعام فرماتے ہیں اور وہ اس کو دیکھ کر ''ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ'' کہتا ہے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کی ہر آفت کو دور فرما دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس پر موت آجائے۔''

......ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَأٰى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَقَالَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لَمْ يَضُرَّهُ.))

[شعب الایمان، رقم:۴۳۷۰]

''جس شخص کو کوئی چیز دیکھنے میں اچھی لگے اور وہ اس کو دیکھتے ہی ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھ لے تو اس چیز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

فوائد السلوک: (۱)

''لاقوۃ الا باللہ'' کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں:

❶......اس کا کہنے والا اپنی قوت سے بیزار ہو جاتا ہے اور سارا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔

❷......اس کے کہنے والے کو یقین ہوتا ہے کہ مخلوق کی قوت حقیقی نہیں۔ اس لیے وہ صرف اللہ سے خوف کھاتا ہے۔

❸......اس میں فلاسفہ پر رد ہے کہ وہ کہتے ہیں: اشیاء کی قوت ذاتی ہے، لیکن ان کلمات

نے بتادیا کہ قوت صرف اللہ کی ہے۔

ایمان کے ثمرہ کا بیان:

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰي رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

اگر تُو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں۔ تو اُمید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر

رہی یہ بات کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں تو یہ بات میرے لیے کوئی غمگین اور متفکر ہونے کی نہیں ہے مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عنقریب تیرے باغ سے بہتر باغ عطا فرمادے گا دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں میں۔

پہلا متوقع عذاب:

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾

اور بھیج دے اس پر لوکا ایک جھونکا آسمان سے، پھر صبح کو رہ جائے میدان صاف

مطلب یہ ہے کہ تو جو یہ کہتا ہے کہ میرا باغ ہمیشہ رہے گا یہ اس لیے کہتا ہے کہ اسباب ظاہرہ موجود ہیں سیراب کرنے کے لیے پانی ہے باغ کی سینچائی کے لیے آدمی موجود ہیں۔ یہ تیری بھول ہے جس ذات پاک نے تجھے یہ باغ دیا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے اس پر کوئی آفت بھیج دے۔ پھر نہ کوئی درخت رہے نہ ٹہنی نہ برگ رہے نہ بار۔

قرآن مجید میں ''حسبان'' کا 2 طرح استعمال:

قرآن مجید میں ''حسبان'' کا لفظ 2 طرح استعمال ہوا ہے:

❶......حساب کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾﴾ [الرحمٰن:٥]

2 ......آگ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَعَسٰي رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ﴾ [الکہف:٤٠]

[وجوہ القرآن، صفحہ ١٨٥، ١٨٦]

قرآن مجید میں ''السماء'' کا 6 معانی میں استعمال:

قرآن مجید میں ''السماء'' کا لفظ 6 معانی میں استعمال ہوا ہے:

1 ......بمعنی گھر کی چھت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ﴾ [الحج:١٥]

2 ......بمعنی بادل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾﴾ [الفرقان:٤٨]

3 ......بمعنی بارش۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿١١﴾﴾ [نوح:١١]

4 ......بمعنی جنت کے آسمان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ [ھود:١٠٨]

5 ......بمعنی جہنم کے آسمان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ [ھود:١٠٧]

6 ......زمین کے بالمقابل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا﴾ [قٓ:٦]

[بصائر ذوی التمییز: ٣/ ٢٦٣، ٢٦٤]

بستی میں داخل ہونے کی دعا:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھتے ہی یہ دعا پڑھتے:

((اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ السَّبْعِ وَمَا أَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ، فَإِنَّا نَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ أَهْلِهَا، وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا.)) [مستدرک الحاکم، رقم: ۲۴۸۸]

''اے اللہ! جو ساتوں آسمانوں اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں کے نیچے ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے اور جو ہواؤں کا اور ان سب چیزوں کا رب ہے جنہیں ہواؤں نے اُڑایا ہے، سو ہم تجھ سے اس بستی کی اور اس کے باشندوں کی خیر کا سوال کرتے ہیں اور اس کے شر سے اور اس کے باشندوں کے شر سے اور ان چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں، جو اس کے اندر ہیں۔''

﴿أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُۥ طَلَبًا ﴿٤١﴾﴾

یا اس کا پانی زمین میں اُتر جائے، پھر تم اسے تلاش بھی نہ کر سکو۔

دوسرا متوقع عذاب:

أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُۥ طَلَبًا ﴿٤١﴾

یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک پھر نہ لا سکے تو اس کو ڈھونڈ کر

یعنی تو پانی نکالنا بھی چاہے تو اتنا گہرا پانی ہو کہ تو پانی نکال ہی نہ سکے۔ ابھی تک تو تجھے وافر پانی مل رہا ہے جس کی وجہ سے تیرے باغ میں پھل بھی ہیں اور تجھے مال بھی مل رہا ہے جس کی وجہ سے تیرے اندر تکبر آچکا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ پانی کے اس Level (لیول) کو زمین کے اندر نیچے کر دے تو پھر تیرے باغ کا کیا بنے گا؟ پھر تیرا باغ خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَن يَأْتِيكُم بِمَآءٍ مَّعِينٍ ۝٣٠﴾[الملک:۳۰] (کہہ دو کہ ذرا یہ بتلاؤ کہ اگر کسی صبح تمہارا پانی نیچے کو اُتر کر غائب ہو جائے تو کون ہے جو تمہیں چشمے سے اُبلتا ہوا پانی لا کر دے دے)؟

﴿وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِۦ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّىٓ أَحَدًا ۝٤٢﴾

اور (پھر ہوا یہ کہ) اس کی ساری دولت عذاب کے گھیرے میں آگئی، اور صبح ہوئی تو اس حالت میں کہ اس نے باغ پر جو کچھ خرچ کیا تھا، وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، جبکہ اس کا باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا، اور وہ کہہ رہا تھا: کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانا ہوتا۔

باغ کی تباہی کا بیان: ①

وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِۦ

اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل

مومن و موحد بندہ نے جو کافر و مشرک ناشکرے کو شرک چھوڑنے اور توحید اختیار

کرنے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ماننے اور اس کی گرفت سے بچنے کی تلقین کی تھی اس پر اس کافر نے دھیان نہ دیا، بالآخر عذاب آ ہی گیا اور اس کے پاس جو مال تھا اور مالدار بننے کے جو اسباب تھے، ان سب کو ایک آفت نے گھیر لیا۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ ایک آگ تھی جس نے اس کی مالیت کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔

مشرک کا اظہارِ افسوس:

فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰي مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا

پھر اس نے جو کچھ اس باغ پر خرچ کیا تھا اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک آگ لگی اور اس کے باغ کے سارے کے سارے درخت جل گئے۔ یہ جو انگور کے درخت ہوتے ہیں یہ سیزن میں تو سرسبز ہوتے ہیں اور پھل دیتے ہیں، لیکن جب سیزن ختم ہوتا ہے تو ان کے پتے بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور باقی درخت خشک لکڑی کی طرح رہ جاتا ہے۔ جب آگ لگی تو وہ جو خشک لکڑی کی طرح درخت تھے، وہ جل گئے اور اس کا باغ بالکل چٹیل میدان کی طرح بن گیا۔ اس نے پھلوں کو لٹکانے کے لیے جو چیزیں لگائی ہوئی تھیں وہ بھی جل کر نیچے گر گئیں۔ اب وہ افسوس کرنے لگا کہ میں نے تو اس باغ کو Develop (ڈیولپ) کرنے کے لیے اتنا پیسہ خرچ کیا تھا، اب آگ لگ گئی ہے، میرا پیسہ بھی ضائع ہو گیا اور میرا باغ بھی چلا گیا۔

باغ کی تباہی کی منظر کشی:

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا

اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر

یعنی انگور کی بیلوں کی چھتریاں زمین پر گر گئیں، اس طرح سب بیلیں زمین پر آ رہیں اور سارا انگورستان اُجڑ گیا۔

اپنے شرک پر ندامت:

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

اور کہنے لگا: کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو

یعنی میں نے جو شرک کیا، میں نے یہ بُرا کام کیا۔ اللہ نے مجھے میرے اس باغ سے محروم کر دیا۔

اور کہتا تھا کہ ہائے افسوس! میں اس باغ پر مال خرچ نہ کرتا، جیسا تھا ویسے ہی بڑھتا رہتا۔ اگر اس پر مال نہ خرچ کرتا تو باغ جل جاتا، مگر مال تو رہ جاتا، باغ بھی ہلاک ہوا اور جو کچھ اس پر لگایا تھا، وہ بھی گیا۔ اب اسے اپنے مومن ساتھی کی نصیحت یاد آئی اور کہنے لگا: ﴿يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾﴾ (ہائے کاش! کیا ہی اچھا ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا)۔

اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ الفاظ قیامت کے دن کہے گا کہ جب اس کو دوزخ میں اپنا مقام دِکھایا جائے گا۔

﴿وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾﴾

اور اُسے کوئی ایسا جتھہ میسر نہ آیا جو اللہ کو چھوڑ کر اس کی مدد کرتا، اور نہ وہ خود اس قابل تھا کہ اپنا دفاع کر سکے۔

باغوں والے کی بے یار و مددگاری کا بیان:

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہ ہوئی اس کی جماعت کہ مدد کریں اس کی اللہ کے سوائے

باغ کی بربادی اور صاحب باغ کی حسرت بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی بے بسی کو بیان کر دیا ہے۔

یہ آیت مبارکہ خاص معنیٰ رکھتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک متکبر بندے کے باغ کو جلا دیا، اس سے نعمت کو واپس لے لیا اور فرمایا کہ جب ہم نے اپنی نعمت کو واپس لے لیا تو نہ تو کوئی اس کی مدد کرنے والا تھا اور نہ ہی وہ کوئی بدلہ لے سکتا تھا۔

اور قیامت کے دن بھی عذاب کو دفع کرنے پر قدرت رکھنے والی ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی جماعت نہ ہوگی اور نہ وہ تنہا اپنی قوت پر اللہ کے انتقام سے بچ سکے گا۔

باغوں والے کی بے بسی کا بیان:

وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾

اور نہ ہوا وہ کہ خود بدلہ لے سکے۔

اتنی بڑی آفت کسی پر نازل ہو جائے تو وہ تو مخلوق سے بھی بدلہ لینے سے عاجز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شخص بدلہ لے ہی نہیں سکتا۔ اللہ نے اہل مکہ پر کفر و شرک کی وجہ سے عذاب بھیجا اور وہ اس حال میں ہو گیا کہ کسی طرح کہیں سے بھی مدد پا کر کسی طرح کا بدلہ لینے کے قابل نہ رہا۔

﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾﴾

ایسے موقع پر (آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ) مدد کا سارا اختیار سچے اللہ کو حاصل ہے۔ وہی ہے جو بہتر ثواب دیتا اور بہتر انجام دکھاتا ہے۔

اللہ کے اختیاراتِ کاملہ کا بیان:

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ

یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے کافر کا یہ قول اسی وقت کا نقل کیا ہو جب اس نے اپنے باغوں کو تباہ دیکھ کر اظہار پشیمانی کیا تھا اور شرک سے توبہ کر لی تھی یا اپنے مؤمن بھائی کی نصیحت سن کر اور باغ کی اُجڑی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ ساری مصیبت شرک کی وجہ سے آئی ہے۔ یہ حقیقت سمجھ کر اس نے بے اختیار بے تابی کی حالت میں شرک سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ اس موقع پر اس اضطراری حالت میں اس کو یقین ہو گیا کہ نصرت یا حکومت اللہ برحق کی ہی ہے۔

آخرت میں ثواب، دنیا میں انجام:

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾

اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ

یعنی اللہ اپنے اطاعت گزاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا دنیا میں بدلہ دیتے ہیں وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے آخرت میں عظیم الشان لازوال ثواب عنایت فرمانے والا ہے۔ اسی طرح ہم اپنے اموال کو اللہ پاک کی رضامندی کے لیے خرچ کریں وہ

اچھے سے اچھا بدلہ دے گا اور جو کچھ اس کی رضا کے لیے خرچ کیا جائے گا، اس کا انجام بھی سب سے اچھا ہوگا۔

اس میں یہ بتا دیا کہ مومن بندوں کا اگر کوئی نقصان ہو بھی جائے تو انجام کے اعتبار سے اسے کوئی خسارہ یا نقصان نہیں کیونکہ وہ دونوں جہان میں یا کم از کم آخرت میں اس کا بدلہ پالے گا اور آخرت میں جو کچھ ملے گا اس کا اس دنیا میں حساب نہیں لگایا جا سکتا۔

مصیبتیں بخشواتی ہیں: (۱)

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''مَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَمَالِهِ حَتَّى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ.'' [جامع ترمذی، رقم:۲۳۹۹]

''مومن مرد اور مومن عورت کو اس کے جان میں اور مال اور اولاد میں تکلیف پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کا ایک گناہ بھی باقی نہ رہے گا (تکلیفوں کی وجہ سے سب گناہ دھل چکے ہوں گے)۔''

اس قصہ سے حاصل ہونے والا سبق

اس قصے کا سبق اور لب لباب مندرجہ ذیل ہے:

......اے بندے! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر نعمتیں دیتے ہیں، تم فیکٹری کے مالک ہو، تم بزنس مین ہو، تم اچھی Job (جاب) کرنے والے ہو، تم اچھی تعلیم رکھنے والے ہو اور تمہارے پاس مال پیسہ ہے، گاڑی ہے، گھر ہے، اور دنیا کی سب نعمتیں موجود ہیں تو

ان کے ہوتے ہوئے اپنے اندر گھمنڈ نہ آنے دینا، جس پروردگار نے یہ نعمتیں دی ہیں، ان کو اسی کی طرف منسوب کرنا، اپنی طرف ان نعمتوں کو منسوب نہ کرنا۔ انسان عام طور پر نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ آپ قارون کا قصہ پڑھ کے دیکھ لیں۔ اس نے کیا کہا تھا؟ ''اِنَّمَآ اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ'' میں نے اپنے بزنس کے علم کو لگایا اور مجھے جو اتنا مال ملا، وہ میرے علم کی وجہ سے ملا۔ اس نے اس مال کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا کہ اللہ نے مجھے رزق عطا کیا ہے، بلکہ اس کو اپنی طرف منسوب کیا کہ یہ میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اللہ کی پکڑ میں آ گیا۔

...... یہ جو صاحبِ جنتین تھا، اس نے بھی مال کو اپنی طرف منسوب کیا۔ میرا یہ باغ ہے، میرا باغ کبھی ختم نہیں ہوگا، میں نے اس کو اتنا اچھا Develope (ڈیویلپ) کیا ہے، یہ ہمیشہ رہے گا اور اگر میں مر بھی گیا تو آخرت میں بھی اسی طرح اچھا باغ اور ٹھکانہ مجھے مل جائے گا۔ اس نے اس سب کچھ کو اپنی طرف منسوب کیا اور اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے باغ کو جلا کر بھی رکھ دیا اور اس کو اس نعمت سے محروم بھی کر دیا۔

...... یہ قصہ ہمیں سکھا رہا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں نعمتیں عطا کرے وہ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب نہ کرے، بلکہ اس منعمِ حقیقی کی طرف منسوب کرے جس نے نعمتیں عطا کی ہیں۔ یاد رکھیں! جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ نعمتیں واپس لینا بھی جانتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس قصے سے حاصل ہونے والا یہ سبق سیکھ لیں اور کبھی بھی ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب نہ کریں اور کبھی بھی ایسے نہ کہیں کہ میں نے یہ کیا، اور میں

نے یہ کیا...... نہیں نہیں، میں نے یہ نہیں کیا، اگر میری فیکٹری چل رہی ہے تو اس کو میں نہیں چلا رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ چلا رہے ہیں۔ اگر میری زمین کھیتی دے رہی ہے تو میں اس سے کھیتی نہیں لے رہا، بلکہ اللہ تعالیٰ مجھے دے رہے ہیں۔ تو دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ اللہ کی طرف نظر جانی چاہیے، اپنی ذات کی طرف نظر نہیں جانی چاہیے۔ انسان اپنے اندر عجب اور تکبر پیدا نہ ہونے دے۔ وہ نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔ جو بندہ ایسا کرے گا وہ شکر ادا کرنے والا ہوگا اور اس کا ایمان محفوظ رہے گا۔ اور جو بندہ نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرے گا وہ دجالی فتنے کے اندر گرفتار ہو جائے گا اور ایمان سے محروم ہو جائے گا۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ نعمتیں دے، وہ کوئی بڑا بول نہ بولے، بلکہ اللہ کی نعمتوں کی قدردانی کرنے، ناقدری نہ کرے، احسان فراموش نہ بنے، بلکہ اللہ کا احسان مند بنے اور کہے کہ میرے اللہ نے مجھے سب کچھ عطا کیا ہے، میں اس اللہ کا فرمانبردار بندہ بن کر زندگی گزاروں گا۔

...... یہ سبق اس زمانے کے اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ کیونکہ آج کل ایک عام سی بات ہے کہ لوگ اچھی چیزوں کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ اس سے ان کا نفس خوش ہوتا ہے، نفس بڑا بننا پسند کرتا ہے۔

مثال کے طور پر: آج کوئی لڑکا انٹرویو دینے کے لیے جائے اور اس کو پھر نوکری بھی مل جائے تو واپس آنے پر ماں پوچھتی ہے کہ سنائیں جی کیا ہوا؟ وہ کہتا ہے: جی! میں گیا تھا اور جو کارخانے کا مالک ہے اس نے میرا انٹرویو کیا۔ اس نے مجھ سے یہ پوچھا اور میں نے اس سے یہ کہا، اس نے یہ پوچھا اور میں نے یہ کہا، میں نے سوچا کہ میں ایسے یہ بھی جواب دے دوں اور یہ بھی بتادوں۔ میں نے یہ کہا، میں نے یہ کہا۔ اب چونکہ نوکری مل رہی ہے

اس لیے آگے سے ''مَیں مَیں'' ہو رہی ہے۔ بھئی! نوکری دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ جب نوکری مل جاتی ہے تو اس کو اللہ یاد نہیں آتا، بلکہ کہتا ہے: میں نے یہ سوچا، میں نے یہ کہا۔ میں نے کہا کہ میں یہ بھی بتا دوں، میں نے کہا کہ مَیں اپنی یہ سند بھی دکھا دوں۔ اس طرح وہ اچھائی کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔

......اچھا! یہی بندہ جو نوکری لینے گیا تھا، اس کو نوکری نہ ملی۔ اب جب یہ واپس آیا اور ماں نے پوچھا: بیٹا! کیا بنا؟ وہ کہتا ہے: جی! نوکری نہیں ملی۔ ماں پوچھتی ہے: کیوں نہیں ملی؟ کہتا ہے: اللہ کی مرضی۔ بھئی! جب ملی تھی، تب کیا اللہ کی مرضی نہیں تھی؟ تب بھی تو اللہ کی مرضی تھی، لیکن شیطان اور نفس بد بخت ہیں جو اس کو اپنی طرف منسوب کرواتے ہیں۔ جب نوکری مل گئی تھی اس وقت اللہ یاد نہیں تھا، اس وقت اپنا نفس یاد آیا، بس مَیں مَیں کرتا رہا اور جب نہیں ملی تو اب جی اللہ کی مرضی۔ بھئی! جب ملی تھی تب بھی اللہ کی مرضی کہنی چاہیے تھی۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بندے کو کوئی نعمت دوں تو بندہ نعمت کا انتساب اللہ تعالیٰ کی طرف کرے، اپنی طرف نہ کرے۔

......آپ دیکھیں گے کہ جس بندے کا کاروبار اچھا چلتا ہے وہ بڑا خوش ہو کر بتاتا ہے کہ میرا بزنس ایسا چلتا ہے، میری دکان ایسی چلتی ہے، میری فیکٹری ایسے چلتی ہے، میری کھیتی سے مجھے ایسی سبزیاں ملتی ہیں، پھل ملتے ہیں، میری میری میری لگائی ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کی دکان پر گاہک کون بھیجتا ہے؟ اللہ بھیجتا ہے نا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ پانچ دکانیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک دکان پر گاہکوں کی لائنیں لگی ہوتی ہیں اور باقی چار دکاندار بیٹھے گاہکوں کا منہ دیکھ رہے ہوتے ہیں، ان کے پاس کوئی گاہک ہی نہیں آتا۔ تو گاہک کون بھیجتا ہے؟ اللہ بھیجتا ہے۔ جب گاہک اللہ بھیجتا ہے تو بھئی! اپنے اس بزنس کی

نسبت بھی اللہ کی طرف کرنی چاہیے۔ یہ آج کے دور کی بڑی غلطی ہے جس میں تقریباً ہم سب کے سب لوگ شامل ہیں۔ بہت کم لوگ ہیں جو ان نعمتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، ورنہ اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

......ہمارے اکابر تو اس بات کا اتنا خیال کرتے تھے کہ جب کوئی بات ہوتی تو کبھی کسی کو یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ میرا مرید ہے۔ آپ نے شیخ کی زبان سے کبھی یہ لفظ نہیں سنا ہوگا کہ یہ میرا مرید ہے۔ اس لیے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ میں اس قابل ہوں کہ یہ بندہ میرا مرید بنے۔ ہاں! یہ کہتے ہیں کہ یہ میرا ساتھی ہے، یہ ہماری جماعت کا بندہ ہے، یہ ہمارا تعلق والا ہے۔ یہ الفاظ کہتے ہیں۔ یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو کس نے ہمارے ساتھ جوڑا ہے، اللہ نے جوڑا ہے۔ وہ اس کی نسبت اپنی طرف کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ ''میرا مرید'' کہنے سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ایسا لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے بات اپنی طرف منسوب نہ ہو، اللہ کی طرف بات منسوب ہو جائے۔

.....تو نعمتوں کو کس کی طرف منسوب کرنا چاہیے؟ اللہ کی طرف۔ نعمتیں دینے والا کون ہے؟ اللہ۔ جبکہ آج ہم غلطی کرتے ہیں کہ نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ماں کہتی ہے: میرے بیٹے بڑے اچھے بنے، بڑا بچہ بڑا سمجھدار ہے، بڑا بچہ پڑھ گیا، چھوٹا بچہ فوج میں چلا گیا اور میری بیٹی کے لیے اتنا اچھا رشتہ آیا......میری بیٹی، میری اولاد...... بھئی! یہ میرے نہیں، بلکہ کس کے ہیں؟ اللہ کے ہیں، اللہ نے دیے ہیں۔ نعمتوں کی نسبت ہمیشہ اللہ کی طرف کیا کریں، یہ بڑا نکتہ ہے جو سمجھنے والا ہے۔ اسی لیے جو بندہ ان نعمتوں کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ اللہ کے ساتھ شرک کر رہا ہوتا ہے، وہ اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہا ہوتا ہے، اس کو ''شرکِ خفی'' کہتے ہیں۔ نظر نہیں آتا، لیکن یہ

بھی شرک ہے۔ کیونکہ یہ جو صاحب جنتین تھا اس نے بھی اپنی کھیتی کو اپنی طرف منسوب کیا تھا اور اللہ نے قرآن پاک میں اس کو مشرک فرمایا کہ یہ ایمان سے خالی تھا، مشرک بندہ تھا۔ تو کبھی بھی چیزوں کو اپنی طرف منسوب نہ کریں۔ ہمیشہ اللہ کی طرف منسوب کریں، کیونکہ کمال، کمال والے کا ہے، اللہ کا کمال ہے، ہمارا کوئی کمال نہیں، ہمیں اگر کوئی چیز ملی ہے تو یہ ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں عطا فرمائی ہوئی ہے۔ اس لیے نظر اللہ کی ذات پر رہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نعمتیں بڑھاتے رہتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ بندے سے نعمتیں واپس لے لیا کرتے ہیں۔

مال داروں کی غلط فہمی:

...... مالداروں کے اندر ایک غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مال کا ملنا ہماری خوش قسمتی ہے۔ حالانکہ مال کا ملنا خوش قسمتی نہیں ہوتی، بلکہ بندے کے اوپر آزمائش ہوتی ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ڈرا کرتے تھے۔ اگر آج کسی کی Increment (آمدنی/تنخواہ میں اضافہ) لگ جائے، نوکری بہتر ہو جائے، اس کی تنخواہ اچھی ہو جائے تو خوش ہوتا ہے کہ مال زیادہ ملے گا۔ بھئی! مال اچھی چیز ہے لیکن اگر ضروریات کے مطابق ہو اور دین پر خرچ ہونے والا ہو، پھر تو اچھی چیز ہے، اور اگر یہ خواہشات پہ خرچ ہونے والا ہو تو مال انسان کے لیے وبال بن جاتا ہے۔ ایسا مال جو وبال بنے، اس سے اللہ تعالیٰ ہماری اور ہماری اولادوں کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔

...... جب انسان ملنے والی نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو خوشی ہوتی ہے کہ میں نے بندے کو نعمت دی اور بندے نے میرا احسان مانا۔ اس لیے شکر ادا کرنے والا بندہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے:

﴿وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝١٣﴾ [سبا:١٣]

''اور تھوڑے ہیں میرے بندوں میں احسان ماننے والے۔''

باقی لوگ اس کو اپنی محنت کا پھل سمجھتے ہیں۔ قارون نے یہی تو کہا تھا کہ جو کچھ میرے پاس ہے:

﴿إِنَّمَآ أُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ط﴾ [القصص:٧٨]

''یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے۔''

میں نے Business Deel (بزنس ڈیل) ایسے کی، میں نے کاروبار ایسے کیا، میں نے فیصلے وقت پہ کیے اور اس کی وجہ سے مجھے زیادہ منافع ہوا۔ یہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ اسی کی وجہ سے اللہ نے اسے اس کے مال کے ساتھ ہی زمین کے اندر دھنسا دیا۔

یاد رکھیں! نعمتوں کی قدردانی کے لیے نعمتوں کے چھن جانے کا انتظار نہ کریں۔ بلکہ نعمتوں کی موجودگی میں ان کی قدردانی کریں۔ جو نعمتوں کی موجودگی میں قدردانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں اور زیادہ عطا فرما دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [ابراہیم:٧]

''اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔''

اس لیے نعمتوں کو بڑھانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا شکر ادا کرے۔ اُٹھتے بیٹھتے، ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرے، اللہ! تیرا شکر، اللہ! تیرا شکر، اللہ! تیرا احسان۔

نعمتوں کی قدردانی کریں:

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں تو دیتا ہے، مگر وہ ان نعمتوں کی قدردانی نہیں کرتے۔ میں ایک بندے کو جانتا ہوں۔ اس کا کاروبار اتنا اچھا ہے کہ

اگر وہ چالیس گھروں کی کفالت کی ذمہ داری لے لے تو وہ ان چالیس گھروں کو پال سکتا ہے۔ اتنا اس کے پاس رزق ہے۔ ایک مرتبہ میری اس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اس سے پوچھ لیا: سنائیں! آپ کا کاروبار کیسا ہے؟ کہنے لگا: جی! بس گزارا ہے...... یہ سن کر میں نے اس کی خوب کلاس لی۔ میں نے اس کو یہی الفاظ کہے: ''تجھے تیری ماں روئے''...... کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ اس کا اس عاجز کے ساتھ بیعت کا تعلق بن گیا ہے، لہٰذا اگر میں اس کو سخت بات بھی کر دوں گا تو یہ سن کر برداشت کر لے گا...... میں نے اس سے کہا: تمہیں تمہاری ماں روئے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اتنا پیسہ دیا کہ اپنے علاوہ چالیس گھروں کی کفالت کر سکتے ہو اور اللہ نے جب تمہیں اتنا دیا ہے اور پھر میں نے پوچھا ہے کہ کاروبار کیسا ہے تو منہ بنا کے کہتے ہو کہ بس گزارا ہے۔ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ میں اپنے اللہ پہ قربان جاؤں، اس نے مجھے میری ضروریات سے بہت زیادہ عطا کیا ہے۔

اللہ کی تعریف کرتے ہوئے زبان چھوٹی ہوجاتی ہے اور انسان اللہ کی تعریف نہیں کر سکتا۔ ہمیں تو دل کھول کے اللہ کی تعریفیں کرنی چاہئیں۔ اللہ پہ میں قربان جاؤں کہ میرے مالک نے تو مجھے میری اوقات سے بڑھ کے دیا ہے۔ میں تو ان نعمتوں کا شکر ہی ادا نہیں کر سکتا۔ اگر میں ساری زندگی سجدے میں پڑا رہوں تو میں اللہ کی نعمتوں کا پھر بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ چونکہ ہم شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ﴾ [الزمر: ٦٧]

''اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا۔''

عجب اور تکبر کا نقصان:

صاحب جنتین کے واقعہ سے ہمیں یہ بھی سبق ملا کہ ہم نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کیا کریں اور اپنے اندر عجب اور تکبر نہ پیدا ہونے دیں۔ عجب اور تکبر انسان کو ہلاک کر دینے والی بیماری ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ.)) [صحیح مسلم، رقم: ۹۱]

''وہ بندہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

دیکھیں! ایک ذرہ کے برابر تکبر کتنا چھوٹا سا ہے، اگر یہ بھی ہوگا تو ایسا بندہ جنت میں نہیں جاسکے گا۔ اگر ہم نے زندگی میں کبھی بڑا بول بولا ہو یا اپنے آپ کو ہم نے پسند کی نظر سے دیکھا ہو تو دعا مانگیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس گناہ کو بھی معاف فرمادے اور اللہ تعالیٰ ہمیں عاجزی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سب نعمتیں اللہ کی طرف سے:

اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دیتا ہے، اگر بندہ ان کو اللہ کی طرف منسوب نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو پھر واپس بھی لے لیتے ہی۔ اس واقعہ سے ہم نے یہ سبق سیکھنا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے، یہ کس کی وجہ سے ہے؟ یہ ہماری وجہ سے نہیں ہے، یہ اللہ کی وجہ سے ہے،

......صحت ہمیں اللہ نے دی ہے،

......ایمان ہمیں اللہ نے دیا ہے،

......عزت ہمیں اللہ نے دی ہے،

......دنیا کا مال ہمیں اللہ نے دیا ہے،

......گھر ہمیں اللہ نے دیا ہے،

......بیوی اللہ نے دی ہے،

......اولاد اللہ نے دی ہے،

جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے، یہ ہمارا اپنا نہیں، بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اس پر ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

فکر آخرت کا درس:

"صاحب جنتین" کے واقعہ میں ہمیں یہ بات سکھائی گئی ہے کہ فقط دنیا کے مال و دولت پر ہی فریفتہ نہ رہو، بلکہ اپنی آخرت کی بھی فکر کرو۔ دنیا میں اگر کوئی غریب ہے، مگر ایمان والا ہے تو وہ اس بندے سے افضل ہے جو دیکھنے میں امیر ہے، مگر ایمان سے خالی ہے۔

دنیا کی حقیقت:

اس دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات۔ یہ تو ڈھلتی چھاؤں کی مانند ہے، یہ گزر جائے گی۔ اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنی آخرت کو بنائے جہاں اس نے ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے۔ جو باقی رہنے والی چیزیں ہیں وہ ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ ہمیں اپنے اعمال کی طرف توجہ دینی چاہیے اور اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مقصد پر نظر:

اس بات کو یوں سمجھیں کہ انسان کی ایک ضرورت ہوتی ہے اور ایک اس کا مقصد ہوتا ہے۔ ضرورت اگر نہ بھی پوری ہو تو کوئی بات نہیں، مقصد ہر حال میں پورا ہونا چاہیے۔ چونکہ دکاندار کا مقصد مال کمانا ہوتا ہے، اس لیے کاروبار کے سیزن میں بعض دکانداروں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کے پاس گاہکوں کے رَش کی وجہ سے کھانا کھانے کی فرصت بھی نہیں ملتی، وہ کھانا قربان کر دیتے ہیں، مگر گاہکوں کو اٹینڈ کرتے ہیں اور مال کماتے ہیں،

تاکہ ان کا مقصد پورا ہو جائے۔

اسی طرح ایک طالب علم کا مقصد امتحان میں اچھے نمبر لے کر کامیابی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جونہی امتحان کے دن قریب آتے ہیں تو وہ اپنا کھانا پینا کم کر دیتا ہے، دوستوں سے ملنا جلنا بالکل بند کر دیتا ہے، اپنی نیند قربان کر کے ساری ساری رات پڑھتا رہتا ہے۔ گویا مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی تمام تر ضرورتیں قربان کر دیتا ہے۔

سمجھدار انسان کون؟

سمجھدار انسان وہی ہوتا ہے جو ضرورتوں کو آگے پیچھے کر لے، مگر مقصد کو ہر حال میں پورا کرے۔ اور جو بندہ اپنے مقصد کو بھول کر ضروریات کے پیچھے لگا رہے، وہ سمجھدار انسان نہیں ہوا کرتا۔

بے مقصد...... بے قیمت:

یاد رکھیں! جب کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیتی ہے تو وہ مالک کی نظر میں بے قیمت ہو جاتی ہے۔ اب اس کی چند مثالیں بھیسُن لیجیے:

بلب کی مثال:

فرض کیجیے! آپ کے گھر میں ایک بلب فیوز ہو گیا۔ آپ بازار سے ایک بلب خرید کر اُسے گھر لے آئے، اور آتے ہی بیوی سے کہہ دیا کہ اس بلب کو ذرا دھیان سے رکھنا، کہیں بچے اس کو توڑ نہ دیں۔ بیوی نے وہ بلب لے کر میز کے اوپر رکھ دیا۔

آپ کسی کام کے لیے کمرے سے باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد کمرے میں آتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کا چھوٹا بیٹا اس بلب کو ڈبے سے نکال کر دیکھ رہا ہے۔ اس پر آپ بیوی سے ناراض ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اس کو ذرا سنبھال

کے رکھنا، آپ نے پھر اسے میز پر رکھ دیا ہے، اگر بچے نے بلب توڑ دیا تو نقصان ہوجائے گا...... ایک بلب کی وجہ سے بچے کو بھی ڈانٹ پڑ رہی ہے اور بیوی کو بھی ڈانٹ پڑ رہی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ بلب اپنے مقصد کو پورا کرتا ہے، روشنی مہیا کرتا ہے......

بیوی نے کہا: اچھا! آپ اس کو لگا کیوں نہیں دیتے؟ اس پر آپ نے پُرانا بلب اُتار کر نیا لگا دیتے ہیں۔ اور جب چیک کرنے کے لیے بٹن دباتے ہیں تو اسی لمحے وہ بلب فیوز ہوجاتا ہے۔ اب آپ خود ہی اسے اُتار کر کوڑے میں پھینک دیتے ہیں۔

کوئی بندہ پوچھے: بھئی! تھوڑی دیر پہلے تو آپ اس بلب کی وجہ سے بیوی اور بچوں کو ڈانٹ رہے تھے اور اب خود ہی اسے کوڑے میں پھینک رہے ہیں، خیر تو ہے؟ آپ کہیں گے: جی ہاں! اس وقت یہ بلب اپنا مقصد کو پورا کر رہا تھا، لیکن اب اس نے فیوز ہونے کے بعد اپنا مقصد پورا کرنا چھوڑ دیا ہے تو اب اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی، اس لیے میں اسے کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک رہا ہوں۔

گلاب کے پودے کی مثال:

آپ نے گھر کے اندر گلاب کے پھول کا پودا لگایا۔ اس پر تین چار خوبصورت پھول لگ گئے۔ آپ بیوی سے کہتے ہیں کہ اس پودے کو پابندی سے پانی بھی لگانا ہے اور اس کے پھول بچوں کو توڑنے مت دینا، پھول توڑنے کے لیے نہیں، بلکہ دیکھنے کے لیے ہوتے ہیں، مہمان آئیں گے اور ان پھولوں کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ اگر کسی دن بیوی پودے کو پانی نہ لگائے تو آپ ناراض ہوتے ہیں اور اگر بچے اس کا پھول توڑ لیں تو غصہ بھی کرتے ہیں کہ آپ نے اس کا خیال کیوں نہیں رکھا؟ وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ پودا اپنے مقصد کو پورا کر رہا ہوتا ہے۔

اللہ کی شان! اس پودے کو کسی وجہ سے بیماری لگ گئی...... ایک بیماری ہوتی ہے روٹ راڈ۔ اس سے پودے کی جڑیں خراب ہو جاتی ہیں اور پورا پودا ہی لکڑی کی طرح خشک ہو جاتا ہے...... چنانچہ اس کے پھول مرجھا گئے اور تھوڑے ہی دنوں میں وہ لکڑی کی طرح خشک ہو کر رہ گیا۔ جب یہ منظر دیکھا تو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے اس پودے کو اُکھاڑا اور باہر پھینک دیا۔

یہ وہی پودا ہی تو تھا جس کے پھول کو چھونے کی بچوں کو بھی اجازت نہیں تھی، اسے پانی نہ لگانے پر بیوی کو ڈانٹ پڑتی تھی، مگر جب اس نے اپنا مقصد پورا کرنا ہی چھوڑ دیا تو اس کی کوئی حیثیت نہ رہی، اور آپ نے اسے کیاری سے باہر اُکھاڑ پھینکا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا کرتی رہتی ہے، مالک کی نظر میں وہ قیمتی ہوا کرتی ہے اور جونہی وہ مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیتی ہے تو اس کا مالک بے قیمت شمار کر کے اسے تلف کر دیا کرتا ہے۔

گائے کی مثال:

آپ نے گھر میں ایک گائے پالی ہوئی ہے۔ آپ اسے چارہ ڈالتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، کبھی باہر تو کبھی کمرے کے اندر باندھتے ہیں اور اس کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں۔ دیکھنے میں وہ جانور ہے اور آپ انسان ہیں، آپ اشرف المخلوقات ہیں، مگر دن رات اس کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ دودھ دیتی ہے، اپنے مقصد کو پورا کرتی ہے۔ فرض کریں! وہ گائے بیمار ہو جاتی ہے اور دودھ دینا بند کر دیتی ہے تو اب آپ اسے گھر میں نہیں رکھتے، بلکہ کسی قصائی کو بلا کر اس کے ہاتھ گائے کو فروخت کر دیتے ہیں۔

اور جو گائے دودھ نہ دیتی ہو، قصائی بھی اس کو پالتا نہیں ہے، بلکہ وہ اس کے گلے پر چھری چلاتا ہے اور پھر اس کا گوشت بنا کر چپلی کباب والوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ جتنے بھی بڑے بڑے جانور ہیں، جب یہ دودھ دینا بند کر دیتے ہیں تو ان سب کو پشاور لے جایا جاتا ہے، وہاں ان کے چپلی کباب بنتے ہیں اور لوگ بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔

وہ گائے جس کی خدمت میں ہم لگے ہوئے تھے، اس کو کھلاتے پلاتے تھے، نہلاتے تھے، حتیٰ کہ اس کا گوبر بھی صاف کرتے تھے، اس لیے کہ یہ پہلے اپنے مقصد کو پورا کرتی تھی۔ اور اب اسی گائے کے گلے پہ چھری کیوں چل رہی ہے؟ اس لیے کہ اب اس نے اپنا مقصد پورا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ مالک کی نظر میں اب اس کی وہ قیمت نہیں رہی، جو پہلے ہوا کرتی تھی۔

بے قیمت چیز کی حیثیت:

اب ایک اور بات سمجھ لیں کہ جب کوئی چیز مالک کی نظر میں بے قیمت ہو جاتی ہے تو پھر اس کے ساتھ جو مرضی ہوتا پھرے، بندے کو کوئی پروا نہیں ہوتی۔

روڈ ایکسیڈنٹ کی مثال:

آپ دیکھتے ہیں! ایک جگہ بس کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں دو بندے فوت ہو جاتے ہیں۔ اگلے دن اخبار میں بڑی خبر چھپتی ہے کہ فلاں جگہ بس کا ایکسیڈنٹ ہوا اور دو آدمی فوت ہو گئے۔ چونکہ آدمی قیمتی ہوتا ہے، اس لیے دو بندوں کا فوت ہو جانا ایک بڑی خبر بن جاتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر کسی جگہ کوئی بندہ زہریلا سپرے کر دے اور ایک ہزار مچھر مر جائیں تو کیا کبھی اخبار میں خبر آئی ہے کہ فلاں جگہ پر ایک ہزار مچھر مر گئے، فلاں جگہ

پچاس ہزار مکھیاں مر گئیں۔ مکھی اور مچھر کے مرنے کی خبر ہم نے کبھی اخبار میں نہیں پڑھی۔ اس لیے کہ انسان کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، وہ لاکھوں بھی مر جائیں تو پروانہیں ہوتی۔

ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، جب تک ہم اپنے مقصد کو پورا کرتے رہیں گے، اللہ کی نظر میں ہماری قیمت ہوگی، ہمیں اگر کوئی پریشانی یا تکلیف ہوگی تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کریں گے، اللہ ہماری حفاظت کریں گے اور جب ہم اپنے مقصد کو پورا کرنا چھوڑ دیں گے تو ہم اللہ کی نظر میں بے قیمت ہو جائیں گے، پھر ہمارے ساتھ جو مرضی ہوتا پھرے، اللہ کو ہماری کوئی پروانہیں ہوگی۔

مسلمانوں کو مار کیوں پڑ رہی ہے؟

آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جب مسلمان اپنے مقصد کو بھول کر زندگی گزار رہا ہے تو اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ ہر جگہ کافر مسلمانوں کو مار رہے ہیں، تنگ کر رہے ہیں، پریشان کر رہے ہیں اور اللہ کی مدد نہیں اُتر رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مقصد زندگی کو بھلایا ہوا ہے۔ اگر ہم مقصد زندگی کو پورا کرتے تو اللہ ہماری مدد کے لیے فرشتوں کو آسمان سے اُتار دیتے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اللہ کی مدد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں صرف تین سو تیرہ (۳۱۳) تھے اور ان کے مقابلے میں ایک ہزار کافر تھے، کفار کے پاس اسلحہ تھا اور صحابہ کرام خالی ہاتھ تھے، مگر وہ مقصد زندگی کو پورا کرنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج دیا اور اپنی مدد سے انہیں فتح عطا فرما دی۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اب بھی فرشتے ہماری مدد کو آسکتے ہیں اگر ہم اپنے مقصد زندگی کو پورا کرنے والے بن جائیں۔

ضرورت اور مقصد کا فرق:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اور ہماری ضرورت کیا ہے؟ تو سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور آخرت کی تیاری کرنا، ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ جبکہ کھانا پینا، کپڑے پہننا، شادی بیاہ کرنا اور اولاد ہونا، دنیا کی زندگی آرام اور سہولت سے گزر جانا، یہ ہماری ضرورت ہے۔

ہمارا بہت بڑا المیہ:

اگر آپ غور کریں تو آج ہم نے ضرورت کو مقصد کا درجہ دے دیا ہے اور مقصد کو ہم نے ذہن سے نکال دیا ہے۔ ہر نوجوان بس یہ چاہتا ہے کہ مجھے ایسی Job (نوکری) مل جائے کہ جس کی وجہ سے مجھے اچھا گھر بھی مل جائے، بہترین گاڑی بھی مل جائے، اچھی جگہ شادی بھی ہو جائے اور میری زندگی سہولت کے ساتھ گزر جائے۔ اسی مقصد کے لیے لگا ہوا ہے اور اس کے حصول میں وہ حلال اور حرام کی بالکل پروا نہیں کرتا۔

چنانچہ اگر ایکسائز کے محکمے میں کسی کو کلرک کی نوکری مل جائے تو لوگ اس کے ماں باپ کو مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں۔ حالانکہ کلرک کی تو بہت چھوٹی سی پوسٹ ہوتی ہے، اس پر مبارک باد کس بات کی؟ مگر وہ جانتے ہیں کہ یہ ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں کلرک لگا ہے، یہ بندہ اتنے پیسے کمائے گا کہ دوسرے محکموں کے بڑے بڑے آفیسر بھی نہیں کما سکیں

دینے کے لیے گئے۔ ہم جب چھوٹے بچے تھے تو اپنے والدین کے ساتھ مل کر ایک گھر میں مبارک باد دینے کے لیے گئے۔ کیونکہ ان کے بیٹے کی کلرک کے طور پر نوکری لگ گئی تھی۔ پھر جب بڑے ہوئے تو ہمیں پتہ چلا کہ واقعی کلرک بادشاہ کیا کچھ کمال دکھا سکتا ہے۔

ایک کلرک کا واقعہ:

ہمارے شہر کے ڈی سی او آفس میں ایک کلرک تھا...... ہم اس وقت پانچویں یا چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے، اس کی باتیں گھر میں بڑے بھائی کرتے تھے اور ہم سنتے تھے۔ وہ باتیں اب بھی ہمیں یاد ہیں...... وہ کلرک ایسا تھا کہ اس کو آٹھ آٹھ مہینے تک اپنی تنخواہ لینی یاد نہیں آتی تھی، اس لیے کہ اس کو ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ڈپٹی کمشنر نے اس کو نکال دیا۔ اس نے ڈپٹی کمشنر سے کہا: جناب! حکومت تو آج کل غریب ہے، تنخواہ نہیں دے رہی، ایک ایک مہینہ، دو دو مہینے لیٹ ہو جاتی ہے، آپ مجھے نوکری پر بحال کر دیں، ڈیپارٹمنٹ کے سب لوگوں کی تنخواہ میں اپنے پاس سے دیا کروں گا۔ ڈپٹی کمشنر نے پوچھا: بھئی! آپ کہاں سے دیں گے؟ کہنے لگا: وہ مجھے پتہ ہے کہ میں کہاں سے دوں گا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جو لوگ زمینوں کا انتقال کروانے آتے تھے وہ ان سے پیسے وصول کرتا تھا اور لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے اس کو کام کرنے کے پیسے دیتے تھے۔

اس کے پاس دو گھر تھے، اس کی دو بیویاں تھیں اور دو گاڑیاں اس کے پاس تھیں، اس نے اپنے بچوں کو بہترین سکول میں داخل کروایا ہوا تھا۔ اس زمانے میں اس کی تنخواہ بارہ ہزار روپیہ تھی اور اس کے ایک ایک بچے کی فیس پچیس ہزار روپیہ تھی اور اس کو اپنی تنخواہ دفتر سے لینی یاد ہی نہیں رہتی تھی، کیونکہ وہ لاکھوں روپے لوگوں سے بٹورتا تھا۔

سب لوگ کہتے تھے کہ کیا عجیب اس کی نوکری ہے۔ حرام کی کمائی کو سب بڑی حسرت سے دیکھتے تھے۔ گھروں میں ماں باپ اس کی مثالیں دے کر اپنے بیٹوں سے کہتے تھے: بیٹا! دیکھو، فلاں نوجوان نے کیسے اپنی زندگی بنائی، گھر بنائے، شادیاں کیں، گاڑیاں خریدیں، اب اس کے پاس سب کچھ ہے، اسے کسی چیز کی کمی نہیں، تم بھی اپنی زندگی ایسے بنانا۔

دیکھیے! یوں بندہ ضرورت پوری کرنے میں حلال اور حرام کا فرق ختم کر بیٹھتا ہے، ضرورتِ زندگی کو انسان مقصدِ زندگی بنالیتا ہے اور جو مقصدِ زندگی ہوتا ہے اس کو بالکل ہی بھلا بیٹھتا ہے۔ اس کو یاد ہی نہیں ہوتا کہ مقصدِ زندگی کیا ہے۔ یہ مادیت کے اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔

روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ:

اس لیے قومیں روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتی ہیں۔ یعنی ہمیں روٹی، کپڑا اور مکان چاہیے۔ بھئی! کیا آپ کو ایمان بھی چاہیے؟ وہ یاد ہی نہیں ہوتا۔ ایمان کا کہیں تذکرہ ہی نہیں ہوتا۔ اور اچھا حاکم وہ سمجھا جاتا ہے جو قوم کے لوگوں کو روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کر دے۔ سہولت کی زندگی گزارنا، آج ہماری زندگی کا مقصد بنا ہوا ہے۔ بھئی! یہ ضرورت ہے، مقصدِ زندگی نہیں ہے، یہیں پہ ہم غلطی کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقصدِ زندگی پر نظر:

نبی علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی تھی اور ان کو سمجھایا تھا کہ دنیا کی ضرورتوں میں اونچ نیچ ہو سکتی ہے، تم اپنے مقصد کو نہ بھولنا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خشک روٹی کھا کے گزارا کر لیتے تھے اور پیوند لگا کے کپڑے پہن لیتے تھے، مگر اپنے مقصد کو نہیں بھولتے

تھے۔ایک ایک چیز میں اپنی آخرت کا خیال رکھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اپنے مقصد پر نظر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں رات کے وقت چراغ جلا کر کوئی کام کر رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے کے لیے آئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اندر بلا لیا اور پوچھا: بھائی علی! کیسے آنا ہوا؟ سرکاری کام ہے یا کوئی ذاتی کام ہے؟ انہوں نے کہا: جی! میں ذاتی کام کے لیے آپ سے ملنے آیا ہوں،کوئی سرکاری کام نہیں ہے۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھونک ماری اور چراغ بجھا دیا۔

گھر میں اندھیرا ہوگیا۔خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حیران تھے کہ اندھیرے میں بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بھائی عمر! مہمان کے آنے پہ چراغ جلایا کرتے ہیں، بجھایا تو نہیں کرتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بھائی علی! آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ مہمان کی آمد پہ چراغ جلاتے ہیں، بجھاتے نہیں ہیں،مگر میں نے چراغ اس لیے بجھا دیا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔

دیکھیں! ان کو آخرت کا اتنا خیال تھا کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی اس طرف دھیان رہتا تھا کہ آخرت خراب نہیں ہونی چاہیے۔یہ اتنا تقویٰ زندگیوں میں کس لیے تھا؟اس لیے کہ وہ آخرت کو مقصد زندگی بنا چکے تھے اور دنیا کی ضرورتیں ان کی نظر میں کم اہم ہوگئی تھیں۔

جس کا کھایئے......اسی کے گیت گایئے!!!

آج کی ابتلاء یہ ہے کہ دنیا کی ضرورتیں اہمیت حاصل کرگئی ہیں۔روٹی کو جتنی اہمیت

آج حاصل ہے، انسان کی پوری تاریخ میں اسے کبھی اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی۔ آج ہم خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کرتے ہیں۔ حق تو یہ تھا کہ ہم اللہ کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر بھی ادا کرتے۔ جیسا کہ مقولہ ہے:

ع جس کا کھائیے ، اس کے گیت گائیے

ہم اللہ کا دیا ہوا کھاتے ہیں اور پھر اسی کے شکوے بھی کرتے ہیں۔

بسیار خوری اور طرح طرح کی بیماریاں:

آج کل بھوکا رہنے کی بیماریاں کم، جبکہ پیٹ بھر کر کھانے کی بیماریاں زیادہ ہیں۔ چنانچہ کولیسٹرول زیادہ مرغن غذائیں کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے، بلڈ پریشر زیادہ نمکین غذائیں کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے، شوگر زیادہ میٹھی چیزیں کھانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہر بندہ اپنی مَن مرضی کا کھانا کھا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنی نعمتیں اتنی زیادہ کر دی ہیں کہ بیوی خاوند سے روزانہ پوچھتی ہے: آج میں کیا پکاؤں؟ یعنی چوائس ہوتا ہے کہ آپ کہیں تو گوشت بھی پک سکتا ہے، آپ کہیں تو پلاؤ بھی پک سکتا ہے، آپ کہیں تو سبزی بھی پک سکتی ہے، جو آپ چاہیں گے میں وہ پکاؤں گی۔ گویا ہم اپنی چوائس کا کھانا کھانے والے لوگ ہیں۔

بلکہ کئی لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دستر خوان پر تین تین چار چار قسم کے کھانے لگے ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک قسم کا سالن اور روٹی بندے کا پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہے، اس سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے، پھر بھی دستر خوان پر کئی کئی سالن رکھے ہوتے ہیں، تا کہ انسان مَن پسند کا کھانا کھائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی ضرورت پوری نہیں کر رہے، بلکہ اپنی خواہشات

پوری کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

''سیون کورڈ میل'':

آج کل دعوتوں میں ''سیون کورڈ میل'' کی عادت بن گئی ہے۔ یہ ''سیون کورڈ میل'' کیا ہوتا ہے؟

......پہلے سُوپ لایا جاتا ہے،

......پھر اس کے بعد کوئی اور ایپی ٹائزر لایا جاتا ہے،

......اس کے بعد کھانا لاتے ہیں،

......کھانے کے بعد چائے ہوتی ہے،

اس طرح کل سات چیزیں بن جاتی ہیں۔

ہم آج ''سیون کورڈ میل'' کے کھانے کھاتے ہیں اور اس کو ہم نے اپنی ضرورت سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ضرورت تو پیٹ بھرنا تھا، پیٹ تو خشک روٹی سے بھی بھر جاتا ہے۔ دیکھنا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم جو کچھ کھا رہے ہیں وہ حلال ہے یا حرام؟ اور یہ بات ہمارے ذہن سے ہی نکل گئی۔ بس ہم نے اچھا کھانا کھانا ہے، جیسا بھی ہو اور جہاں سے بھی ملے۔ یہی آج کے دور کا فتنہ ہے کہ انسان نے ضرورت کو مقصد بنا لیا ہے اور اپنے مقصد کو بھلا دیا ہے۔

رنج وراحت......زندگی کا حصہ:

ہمارے ذہن میں ہر وقت یہ بات رہتی ہے کہ بس ہم خوش رہیں، ہمیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ بھئی! دنیا کی زندگی میں تو پریشانی ہوگی۔ بتائیں بھئی! اگر کوئی بندہ دریا میں چھلانگ لگائے گا تو اس کا جسم گیلا ہوگا یا نہیں ہوگا؟ کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں نے دریا میں

چھلانگ لگائی تو میرا جسم گیلا ہو گیا۔ بھئی! پانی میں چھلانگ لگائیں گے تو جسم گیلا ضرور ہو گا۔ اسی طرح یہ دنیا بھی پریشانیوں کا گھر ہے، ہم جب دنیا میں ہوں گے تو ہمیں پریشانیاں آئیں گی، دائیں سے، بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے۔ ان پریشانیوں کا آنا کوئی بڑی پریشانی کی بات نہیں، یہ معمول کی بات ہے۔

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
رہ گئی بات رنج و راحت کی
یہ فقط وقت کا گزرنا ہے

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ رنج اور راحت ہے، یہ صرف وقت کے گزرنے والی بات ہے۔ چاہے ہم رنج میں ہوں یا پھر راحت میں ہوں، یہ چیز ملحوظ رہے کہ ہم اللہ کو راضی کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے؟ یہ مقصد ہے ہمارا۔ اگر ہم اس مقصد کو بھول بیٹھے تو پھر ہماری زندگی کی ضرورتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

مایوس نہ ہوں:

ہاں! ان پریشانیوں کی وجہ سے ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے اور اللہ کے دَر سے دور نہیں ہونا چاہیے۔ دیکھیں! جو آدمی پریشان ہوتا ہے اس کا دن بھی گزر جاتا ہے اور جو بندہ خوش ہوتا ہے دن اس کا بھی گزر جاتا ہے۔ جس نے پُراٹھے کھا کے اپنا پیٹ بھر لیا اس کا بھی وقت گزر گیا اور جس نے روزہ رکھ کے وقت گزارا، دن اس کا بھی گزر گیا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کس نے شریعت کے مطابق دن گزارا اور کس نے گناہوں میں دن گزارا؟ اور اس طرف ہمارا دھیان ہی نہیں جاتا۔

دنیا کی زندگی کی مثال:

سورۂ کہف کے اس واقعہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی بارش کے پانی کی مانند ہے، یہ ایک دن ختم ہوجائے گی اور روزِ قیامت تمہیں اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا، لہٰذا تم آخرت کی تیاری کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤ۔ یہ سبق ہمیں بار بار پڑھنے اور اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقصد زندگی پر نظر:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں دنیا کی زندگی عارضی تھی۔ وہ ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھتے تھے اور مقصد پر ان کی گہری نظر ہوا کرتی تھی۔ کئی ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے کبھی خشک روٹی کھا کر گزارا کیا تو کبھی بھوک برداشت کر کے وقت پاس کیا، مگر انہوں نے اپنے مقصد کے حصول میں فرق نہیں آنے دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہر وقت نبی علیہ السلام کے پاس حدیث کا علم حاصل کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ مزدوری تو کرتا نہیں تھا کہ میرے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے ہوں، کبھی کھانے کو کچھ مل جاتا تو کھا لیتا، ورنہ فاقہ کر لیتا۔ شدتِ بھوک کی وجہ سے جب میں کھڑا نہ ہوسکتا تو زمین پر لیٹ جاتا تھا، کئی کئی روز کا فاقہ ہوجانے کی وجہ سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر اور حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا ہوا ہوتا تھا، اور لوگ مجنون سمجھ کر پاؤں سے گردن دباتے تھے، حالانکہ جنون نہیں تھا، بلکہ بھوک تھی۔ [صحیح بخاری، رقم: ۷۳۲۴] آپ بتائیں کہ انہوں نے کتنی بھوک برداشت کی ہوگی!!

نبی علیہ السلام اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں نسبت اتحادی:

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مبارک زندگی میں کئی مرتبہ بھوک برداشت کرنا پڑی۔ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام کو بہت بھوک لگی ہوئی تھی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ابوبکر! تم گھر سے باہر کیوں نکلے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! بہت بھوک لگی ہوئی ہے۔ آگے ان کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ پوچھا: عمر! کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا: اے اللہ کے نبی! گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے اور مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے، اس لیے میں باہر نکل پڑا ہوں۔ نبی علیہ السلام کے ایک صحابی تھے جو شہر سے ذرا باہر رہتے تھے، ان کا کھجوروں کا ایک باغ تھا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: چلو، اس کے پاس چلتے ہیں۔ یہ تینوں حضرات ان کے گھر کی طرف چل دیئے۔

جب وہاں پہنچے تو ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ تو کسی کام کے لیے شہر گئے ہوئے ہیں، آپ تینوں حضرات تشریف رکھیں، میرے شوہر ابھی آجاتے ہیں، میں ان کے آنے سے پہلے آپ کے لیے کھانے کی کوئی چیز بنالیتی ہوں۔

یہ تینوں حضرات تشریف فرما تھے کہ صاحبِ خانہ بھی آگئے۔ دیکھ کر خوش ہوئے کہ آج میرے گھر میں کتنے عزتوں والے مہمان تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ تشریف رکھیں، میں ابھی آپ کے لیے درخت سے کھجوریں توڑ کے لاتا ہوں، تاکہ آپ کھاسکیں۔ چنانچہ وہ صحابی کچھ پکی اور کچھ کچی کھجوریں توڑ کے لائے اور نبی علیہ السلام کے سامنے رکھ دیں۔ نبی علیہ السلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے وہ کھجوریں کھائیں تو بھوک کی شدت کچھ کم ہوگئی۔

اتنے میں اس صحابی نے ایک بکرا ذبح کیا، تا کہ مہمانوں کے لیے گوشت بھون کر تیار کیا جائے۔ ان کی بیوی نے سالن بنا دیا اور وہ صحابی بھنا ہوا گوشت نبی علیہ السلام کے سامنے لے کر آئے۔ ان سب نے اس بکری کا گوشت کھایا، کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ جب کھا پی کر سیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! تم سے قیامت کے دن ان نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا، تمہیں اپنے گھروں سے بھوک نکال کر لائی اور پھر تم واپس نہیں لوٹے یہاں تک کہ یہ نعمت تمہیں مل گئی۔''

[صحیح مسلم، رقم: ۵۳۳۴]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول: (۱)

نبی علیہ السلام کم کھانے کے عادی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی پوری زندگی میں Consecutive (لگا تار) تین دن ایسے نہیں آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ اگر ایک دن کھانا کھاتے تو دوسرے دن فاقہ فرماتے اور اگر دو دن کھاتے تو تیسرے دن فاقہ ہو جاتا تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ایک ٹکرا لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: روٹی کی ایک ٹکیہ ہے جو میں نے پکائی تھی، پھر میرے دل نے اس کو کھانا گوارا نہ کیا، حتیٰ کہ میں اس کو آپ کے پاس لے کر آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہر حال یہ پہلا کھانا ہے جو تین دنوں کے بعد تیرے باپ کے منہ میں داخل ہوا ہے۔

[معجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۷۵۰]

آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گزارا کر لیتے تھے، مگر مقصد زندگی سب کو یاد تھا۔ باقی صحابہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی خشک گوشت کھا کر گزارا کیا کرتے تھے۔

روٹی......اس قدر اہم کیوں؟

پوری تاریخ انسانیت میں روٹی کو اتنی اہمیت کبھی حاصل نہیں ہوئی، جتنی اہمیت آج حاصل ہوگئی ہے۔ اور یہ کفار کی چال ہے کہ لوگوں کی نظر میں روٹی کو اتنا اہم بنا دو کہ وہ مقصد کو بھول کر فقط کھانے پینے میں لگ جائیں۔ چنانچہ ہم لگے ہوئے ہیں۔ آج ہم ضرورت کی وجہ سے زیادہ نہیں کھاتے، بلکہ عادتاً زیادہ کھاتے ہیں۔

کھجور کی غذائیت:

ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ کھجور کے اندر اتنی نیوٹریشن (غذائیت) ہوتی ہے کہ اگر کوئی بندہ ایک کھجور کھالے تو بھوک کی وجہ سے تین دن تک اسے موت نہیں آسکتی۔ ہم تو روزانہ بہت کچھ کھاتے ہیں۔ اگر ہم اپنا کھانا آدھا بھی کر دیں تو اس سے کوئی حرج نہیں ہوگا، ہمارا گزارا پھر بھی ہوتا رہے گا، بلکہ ایسا کرنے سے ہماری صحت بہتر ہوجائے گی، وزن کم ہوجائے گا اور ہم اچھی طرح کام کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے:

مگر ایک عادت بن گئی ہے کہ پیٹ بھر کر ہی کھانا ہے۔ اور کھانے کا طریقہ کیا ہے؟ اتنا کھاتے ہیں، اتنا کھاتے ہیں کہ پھر دسترخوان سے اُٹھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا:

ﮯ گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دَم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

یعنی میں نے اتنا زیادہ کھانا کھایا ہے کہ اب میرے ہاتھ بھی نہیں ہل سکتے، کھانا ابھی بھی بچا ہوا ہے، اگر چہ میرے اندر مزید کھانے کی سکت نہیں، لیکن تم یہ پلاؤ کی پلیٹ میرے سامنے پڑی رہنے دو، میں اسے دیکھتا تو رہوں گا۔

کھانے کی نبوی ترتیب:

ایک خطیب صاحب نے جمعہ کے بیان میں حدیث پاک کا مفہوم بیان کیا کہ بندے کو اپنے پیٹ کے تین حصے کرنے چاہئیں: ایک حصے میں کھانا کھائے، ایک حصہ پانی پیے اور تیسرا حصہ اللہ کے ذکر کے لیے اور سانس کے لیے خالی چھوڑ دے۔

[سنن الترمذی، رقم: ۲۳۸۰]

ایک دیہاتی کی سیدھی سادی ترتیب:

ایک دیہاتی نوجوان سامنے بیٹھا بیان سن رہا تھا۔ جب خطیب صاحب فارغ ہوئے تو وہ نوجوان کہنے لگا: مولانا! آپ نے یہی مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک حصہ کھانا کھاؤ، ایک حصہ پانی پیو اور ایک حصہ ذکر کے لیے اور سانس کے لیے خالی چھوڑ دو؟ خطیب صاحب نے کہا: ہاں! میں نے ایسا ہی کہا ہے۔ اس نے کہا: مولانا! ہم تو سیدھے سادے اُصول سے کھانا کھاتے ہیں۔ پوچھا: تمہارا سیدھا سادا اصول کیا ہے؟ اس نے کہا: مولانا! پیٹ میں جتنی جگہ ہوتی ہے اتنی تو ہم روٹی کھا لیتے ہیں اور پانی جو ہے وہ روٹی کے درمیان چھوٹے چھوٹے سوراخوں اور درزوں میں چلا جاتا ہے، رہ گئی بات سانس کی، مرضی ہے آئے، مرضی ہے نہ آئے۔

آج ہم بھی اسی سیدھے سادے اُصول کے تحت کھانا کھاتے ہیں۔ پیٹ بھر کے کھانا کھا لیتے ہیں، جو کچھ تھوڑی بہت جگہ بچ جاتی ہے اس کو پانی بھر دیتا ہے اور پھر ہمارے

لیے اُٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بالآخر پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہیں: آج ہم نے زیادہ کھا لیا ہے۔ بھئی! روٹی اتنی اہم نہیں ہے جتنی اہمیت ہم نے اس کو دے رکھی ہے۔ روٹی کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ انسان کا وقت گزر جائے اور وہ حرام کاموں میں نہ پڑے۔ ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھیں اور ضرورت کو مقصدِ زندگی نہ بنائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقصدِ زندگی پر نظر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وقت کے امیر المومنین تھے۔ وہ چاہتے تو بیت المال سے اپنی تنخواہ زیادہ لے سکتے تھے۔ مگر وہ فرماتے تھے کہ نہیں، مجھے تھوڑی لینی ہے۔ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں شریک تھے۔ سب نے کہا: بھئی! امیر المومنین کی تنخواہ بہت تھوڑی ہے، ان کو کہنا چاہیے کہ وہ ذرا زیادہ لے لیں۔

پھر سوال پیدا ہوا کہ ان کو یہ بات کہے گا کون؟ کیونکہ سب ڈرتے تھے کہ جو بھی کہے گا کہ آپ اپنی تنخواہ بڑھا لیں اسے وہ دُرّے لگائیں گے۔ ایک نے کہا: میں تو نہیں کہہ سکتا، دوسرے نے کہا: میں بھی نہیں کہہ سکتا، تیسرے نے کہا: میں بھی نہیں کہہ سکتا...... ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے پاس اگر کوئی ہماری تنخواہ بڑھنے کی خبر لائے تو ہمارا دل چاہتا ہے کہ اس بندے کو انعام دیں...... جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ ان کی تنخواہ میں اضافے کی بات ان سے کوئی کہنے کی ہمت ہی نہیں رکھتا تھا۔ سب سے کہا کہ جب ہم خود بات کر نہیں سکتے تو کسی ایسے بندے کے ذمہ لگاتے ہیں جو اُن سے بات کر سکتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ امیر المومنین کی بیٹی سیدہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) اُمت کی ماں بھی ہیں، اور ان کا امیر المومنین کے ہاں بڑا مقام ہے، ہم ان کی خدمت میں حاضر ہو کر

کہتے ہیں کہ وہ اپنے والد کو یہ مشورہ دیں۔ وہ اگر بات کریں گی تو حضرت عمران سے ناراض نہیں ہوں گے اور سزا بھی نہیں دیں گے۔

چنانچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُمّ المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جی! حضرت عمر کی تنخواہ تھوڑی ہے، آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ اپنی تنخواہ میں خود ہی تھوڑا سا اضافہ کرلیں، مگر کچھ بڑھانی ضروری ہے۔

ایک موقع پر اُمّ المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد سے کہہ دیا: ابا جان! صحابہ کرام کا یہ مشورہ ہے کہ آپ بیت المال سے اپنا روزینہ بڑھالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: بتا! تجھے یہ بات کس نے کی ہے؟ انہوں نے کہا: جی! میں نام نہیں بتاؤں گی، وہ لوگ آپ سے بہت ڈرتے ہیں۔ کہنے لگے: اگر تُو مجھے ان کے نام بتاتی تو میں ان کو اتنے دُرّے لگاتا کہ ان لوگوں کو تکلیف پہنچتی، وہ ہوتے کون ہیں مجھے یہ مشورہ دینے والے کہ میں اپنی تنخواہ بڑھالوں؟

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: حفصہ! تم نے نبی علیہ السلام کے ساتھ زندگی گزاری ہے، ان کی بیوی رہی ہو، بتاؤ! نبی علیہ السلام کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے کہا: نبی علیہ السلام کی زندگی بہت سادہ تھی، بس پیوند لگا کپڑا پہن لیتے تھے۔ ایک جوڑا گیرو رنگ کا تھا، وہ ذرا نیا اور اچھا تھا، نبی علیہ السلام اس کو اس دن پہنتے تھے جب باہر سے کوئی وفد آیا کرتا تھا، ورنہ تو عام طور پر پیوند لگا لباس پہنا کرتے تھے۔ جب تک کوئی کپڑا پھٹ نہیں جاتا تھا، تب تک اس کو بدلتے نہیں تھے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا بتاؤ! اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے کہا: کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک تکیہ تھا جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے نیچے رکھا کرتے

تھے...... وہ تکیہ کتنا سخت ہوگا...... اور ایک کمبل تھا، نبی علیہ السلام سردیوں میں آدھا نیچے بچھا لیتے تھے اور آدھا اوپر اوڑھ لیتے تھے۔ جب گرمیاں آتی تھیں تو اس کا چار کونہ کر کے نیچے بچھا لیا کرتے تھے، اس لیے کہ گرمیوں میں اوپر لینے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اسی میں نبی علیہ السلام نے زندگی گزاری۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا یہ بتاؤ کہ نبی علیہ السلام کا کھانا پینا کیسا تھا؟ وہ کہنے لگیں: کبھی ملتا تھا تو کھا لیتے تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، ورنہ بھوکے رہتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام کی نبوت کی زندگی میں، یعنی جب سے نبوت کا دعویٰ فرمایا، پوری زندگی میں تین دن ایسے نہیں گزرے کہ تینوں دن نبی علیہ السلام نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو دوسرے دن فاقہ آگیا اور اگر دو دن کھایا تو تیسرے دن فاقہ آگیا۔ تین دن ایسے متواتر نہیں گزرے جن میں اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہو۔ ایک دن فاقہ ہوتا تھا اور ایک دن کھانا ہوتا تھا اور نبی علیہ السلام اس پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

پھر فرمانے لگیں کہ ایک مرتبہ میں نے روٹیاں بنائیں، ڈبے میں گھی ختم ہوگیا تھا، البتہ اس میں گھی کی کچھ تلچھٹ باقی بچ گئی تھی، میں نے وہ تلچھٹ روٹی پر لگا کر اس کو چپڑ دیا، جس سے وہ پُراٹھا بن گیا، نبی علیہ السلام خود بھی اس کو کھا رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھانے کے لیے دے رہے تھے، جیسے کوئی بڑی نعمت ہاتھ آگئی ہو۔

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: حفصہ! جب نبی علیہ السلام کا لباس ایسا تھا، کھانا ایسا تھا اور بستر ایسا تھا تو گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زندگی گزارنے کا ایک طریقہ کار متعین کر دیا، اگر ہم اس پر چلیں گے تو کامیاب ہوں گے اور اگر اس سے ہٹیں گے تو ناکام ہوں گے۔

حفصہ! میرے سے پہلے دو حضرات تھے، نبی ﷺ اپنی منزل کی طرف چلے اور انہوں نے اپنے مقصد کو پورا کر لیا اور اپنی منزل کو پہنچ گئے، پھر ابو بکر نے زندگی کا معاملہ شروع کیا، وہ بھی اپنی منزل کی طرف چلے اور بالآخر انہوں نے بھی اپنی منزل کو پالیا، حفصہ! اب میں منزل کی طرف جا رہا ہوں، میں نے اگر اپنے مقصد کو پورا نہ کیا تو منزل پہ نہیں پہنچ سکوں گا اور مجھے آخرت میں ان کا ساتھ نصیب نہیں ہو سکے گا۔ میں دنیا کا مال پیسہ نہیں بڑھانا چاہتا، میں جس حال میں زندگی گزار رہا ہوں، ایک عام غریب مسلمان والی زندگی، میں اسی حال میں زندگی گزارنا پسند کروں گا۔

[اشہر المشاہیر، بحوالہ فضائل اعمال]

دیکھیے! حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرورتوں کو پورا کرنے میں کس قدر محتاط تھے!! آج تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری ضرورتوں سے بہت زیادہ وسائل دے دیئے ہیں۔ اگر ہم ساری زندگی سجدے میں پڑے رہیں تب بھی اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

شاہانہ زندگی:

بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن مجید کی ایک آیت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا﴾ [المائدۃ:۲۰]

’’کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا۔‘‘

یہ جو ’’مُلُوكًا‘‘ کا لفظ ہے، اس کے ذیل میں مفسرین نے لکھا ہے کہ جس بندے کے پاس تین چیزیں ہوں:

......اپنا گھر ہو،

......اپنی بیوی ہو،

......اور اپنا خادم ہو،

وہ بندہ بادشاہ کی سی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اس کو "مَلِكٌ" کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ گھر کا بادشاہ ہے اور "مُلُوْكًا" میں شامل ہے۔ [تفسیر ابن کثیر/الدر المنثور]

اللہ نے ہمیں اپنے اپنے گھر بھی دیئے ہیں، اکثر حضرات شادی شدہ بھی ہیں، اور گھروں میں نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم واقعی شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم اللہ کے شکوے کریں تو آپ بتائیں کہ یہ کتنی بڑی ناشکری کی بات ہے!؟

کل اور آج کے فقیر میں فرق:

بچپن میں ہم دیکھتے تھے کہ فقیر آتا تھا اور ایک روپیہ مانگتا تھا۔ اس کو جب ایک روپیہ مل جاتا تھا تو وہ اس کی روٹی خرید کر کھا لیتا تھا۔ اس لیے کہ وہ بھوکا ہوتا تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ فقیر پانچ روپے مانگتا تھا۔ جب اس سے پوچھتے تھے کہ پانچ روپے کیوں مانگتے ہو؟ روٹی تو ایک روپے کی آتی ہے۔ وہ کہتا تھا کہ روٹی تو میں نے کھائی ہوئی ہے، اب میں نے سگریٹ پینی ہے، اس لیے پانچ روپے مانگ رہا ہوں۔

آج ایسا زمانہ آچکا ہے کہ فقیر، نہ تو ایک روپیہ مانگتا ہے اور نہ ہی پانچ روپے مانگتا ہے، بلکہ وہ پچاس روپے کا سوال کرتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ بھئی! آپ نے روٹی کھائی ہے؟ وہ کہے گا: جی! روٹی تو میں نے کھائی ہوئی ہے۔ پوچھا جائے: بھئی! آپ نے سگریٹ پینی ہے؟ وہ کہے گا: جی! سگریٹ تو میں نے پی ہوئی ہے۔ پھر آپ کو پچاس روپے کیوں چاہئیں؟ وہ کہے گا: جی! میرے فون کے اندر بیلنس ختم ہو گیا ہے، میں نے

لوڈ کروایا ہے۔ آج کا قصہ یہ ہے کہ اپنے Beloved (محبوب) سے بات کرنے کے لیے، گویا اس کو کسی کی ضرورت نہیں ہے۔

امت پر اللہ کی بے شمار نعمتیں:

اللہ نے اس امت کو اتنا عطا کیا ہے کہ امت کے غریب لوگ بھی دن میں تین یا دو وقت کا کھانا ضرور کھا لیتے ہیں۔ آج کل ایک گھر شاذونادر نظر آتا ہے کہ جس میں صبح، شام آگ نہ جلے اور کھانا نہ پکے لیکن اس کے باوجود ہم شکوے کرتے رہتے ہیں کہ ہم غریب ہیں اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔

بھئی! آپ روزی کو ضرورت کے درجے میں رکھیں، مقصد کے درجے میں نہ لے جائیں، آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مقصد کو بھول جانا اور ضرورت کو مقصد بنا لینا، یہ بہت بڑا دھوکا ہے۔ یہ دھوکا ہے یہ فریب ہے اور آج ہم اس فریب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

حلال وحرام کا خیال:

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ میں نوجوانوں کو کام چور اور نکما بننے کی ترغیب نہیں دے رہا کہ وہ کچھ بھی نہ کمائیں اور بھوکے زندگی گزاریں۔ کام چور، سست اور نکما بندہ تو کسی کو بھی اچھا نہیں لگتا۔ نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ خوب محنت کریں، جاب کریں، بزنس کریں، کھیتی باڑی کریں، ان کے ذمے جو کام بھی ہے اس میں محنت کریں، اس لیے کہ رزقِ حلال کے لیے کوشش کرنا فرض کے بعد فرض ہے۔ اس فریضے کو پورا کرنے کے لیے محنت کرنی ہے، مگر محنت کرتے ہوئے حلال اور حرام کا خیال رکھنا ہے۔

جو حلال ملے اس پر قناعت کرنی ہے اور جو حرام ہوگا اس سے ہم نے انکار کرنا ہے۔
اگر ہمیں حلال اور حرام کی تمیز آگئی تو ہماری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر یہ تمیز ختم

ہوگئی تو ہم اپنی زندگی میں ناکام ہوجائیں گے۔

دوستی کا حیران کن معیار:

الحمدللہ! میں نے اپنی جوانی سے لے کر اب تک کی زندگی میں ان لوگوں کو دوست بنایا جو فرسٹ ڈویژن حاصل کرنے والے تھے۔ اور کبھی سیکنڈ اور تھرڈ ڈویژن والے بندوں کو دوست نہیں بنایا۔ اس لیے کہ یہ نالائق شمار ہوتے ہیں، میں ایسے لوگوں کو دوست نہیں بناتا۔

مجھے میرے بڑے بھائی نے یہ بات سمجھائی تھی کہ تم زندگی بھر اس بات کا خیال رکھنا کہ اگر نالائق لڑکوں سے دوستی لگاؤ گے تو خود بھی نالائق بن جاؤ گے اور اگر لائق لڑکوں سے دوستی کرو گے تو خود بھی لائق بنو گے۔ چنانچہ میں نے پوری زندگی کسی نالائق لڑکے سے دوستی نہیں لگائی۔

ایک خوش کن خبر کا پُرمسرت اظہار:

مجھے فرسٹ آنے والے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔ مدرسے میں فرسٹ آئیں یا صوبائی اور ملکی سطح پہ پوزیشن لیں۔ کل حضرت شیخ الحدیث صاحب ایک بچے کو میرے پاس لائے، ہمارے ادارے کے اس طالب علم نے ملکی سطح پہ وفاق المدارس کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن حاصل کی ہے۔ مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں نے مٹھائی منگوائی اور اپنے ہاتھ سے اس کے منہ میں ڈالی۔ میں نے کہا کہ تم نے ہمارے ادارے کا نام روشن کیا، میں تمہیں اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلاتا ہوں، تم ایک اچھے بچے ہو اور میں تمہارے لیے دعائیں کرتا ہوں۔

نماز نہ پڑھنے کے طرح طرح کے بہانے:

ہمیں چاہیے کہ اپنے مقصد کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔ مقصد کو بھول جانا اور فقط ضرورتوں میں دن رات لگے رہنا زندگی کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ آج دفتر والے کتنے لوگ ہیں جو پانچ نمازیں نہیں پڑھتے، کتنے کاروباری لوگ ہیں جو پانچ نمازیں نہیں پڑھتے۔ آپ کسی سے سہ روزہ لگانے کے لیے کہہ کے دیکھیں، پھر کیا جواب ملے گا؟ وہ کہے گا: جی! مجھے فرصت ہی نہیں، میں کہاں سے وقت لاؤں۔ آپ اس سے پوچھیں: بھئی! آپ کس کام میں لگے ہوئے ہیں؟ جواب ملتا ہے: جی! میں دکان میں لگا ہوا ہوں، میں جاب میں لگا ہوا ہوں، میں زراعت میں لگا ہوا ہوں۔

اچھا! ایک طرف تو اس بندے کے لیے تین دن نکالنا مشکل ہیں، جبکہ دوسری طرف یہی بندہ دعائیں مانگ رہا ہوتا ہے: اے اللہ! ہماری ایک دکان ہے، بیٹے کے لیے دوسری دکان بھی دے دے۔ آپ اس سے کہیں: بھئی! آپ کے پاس تو سہ روزہ لگانے کا بھی وقت نہیں ہے، دوسری دکان چلانے کا وقت کہاں سے لائیں گے؟ وہ کہے گا: آپ فکر نہ کریں، دکان چلانے کے لیے میں وقت نکال لوں گا۔

بھئی! جیسے آپ دکان چلانے کے لیے وقت نکال سکتے ہیں اسی طرح سہ روزہ کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، دین سیکھنے کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، ایمان تازہ کرنے کے لیے بھی وقت نکال سکتے ہیں، معمولات کے لیے بھی آپ وقت نکال سکتے ہیں۔

ترجیحات کا تعین:

یہ سب بہانے ہیں۔ دراصل Priorities (ترجیحات) کا فرق ہوتا ہے۔ انسان جس کام کو ترجیح دے دیتا ہے اس کے لیے وہ وقت بھی نکال لیتا ہے۔ آج کل 15 منٹ

کسی سے فون پہ بات کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، لیکن 15 منٹ مراقبہ کرنا مسئلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ دل میں Priority (ترجیح) نہیں ہوتی۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی Priorities (ترجیحات) متعین کریں، ضرورت کو ضرورت کے درجے میں لائیں اور مقصد کو مقصد کے درجے میں لائیں۔ اگر ہم نے ایسا کرلیا تو ہم دجال کے فتنے سے بچ جائیں گے۔

ایک صحابی کا نصیحت آموز واقعہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں مقصد کی کیا اہمیت تھی اور ان کی زندگیوں میں ضرورت کی کیا اہمیت تھی؟ اس مضمون سے متعلق ایک واقعہ ہے جو میں نے مولانا ظفر احمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا، خود کتاب میں نہیں پڑھا۔ چونکہ انہوں نے سنایا تھا، اس لیے مجھے یقین ہے کہ یہ مستند واقعہ ہوگا۔

چونکہ کافی عرصہ پہلے کا سنا ہوا ہے، اس لیے بعینہ وہی الفاظ تو میں بیان نہیں کرسکتا، میں اسے اپنے الفاظ میں سناؤں گا، یعنی روایت بالمعنی ہوگی، لیکن مفہوم وہی ہوگا جو انہوں نے بیان کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے:

انصار میں سے ایک نوجوان تھا، جس کا کھجوروں کا باغ تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بوڑھے میاں بھی تھے جن کا باغ اس کے باغ کے ساتھ تھا۔ اس نوجوان نے ارادہ کیا کہ میں اپنے باغ کے گرد باؤنڈری لائن بنالوں، تاکہ یہ الگ ہوجائے۔ ایک کھجور باؤنڈری لائن کے بالکل سامنے آجاتی تھی، یہ دوسرے بندے کی تھی۔ انہوں نے اس بوڑھے میاں سے کہا:

''أَعْطِنِيَ النَّخلَةَ أَوْ بِعْنِيَ إِيَّاهَا''

’’یہ کھجور (کا درخت) مجھے (مفت میں) دے دو یا پھر مجھے بیچ دو۔‘‘

مگر بوڑھے میاں نے انکار کر دیا۔

وہ نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا یہ تھوڑا سا پرابلم ہے، آپ اسے حل کروا دیں۔ نبی علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو میرے پاس لے کے آؤ۔ وہ دونوں نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت نبی علیہ السلام صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے۔ جب وہ آئے تو نبی علیہ السلام نے اس بوڑھے میاں سے فرمایا:

’’أَعْطِهِ النَّخْلَةَ‘‘

’’یہ کھجور اس کو دے دو۔

بوڑھے میاں نے کہا: ’’جی نہیں۔‘‘

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بوڑھے میاں نے پہلے نبی علیہ السلام سے پوچھا: اے اللہ کے نبی! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرا حکم نہیں، مشورہ دے رہا ہوں...... اور جہاں مشورہ کا معاملہ ہوتا ہے تو وہاں بندے کو اختیار ہوتا ہے...... چنانچہ جب نبی علیہ السلام نے یہ مشورہ دیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نہیں دیتا۔

نبی علیہ السلام نے تین مرتبہ یہی کہا اور اس بوڑھے میاں نے ناں کر دی۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا:

’’أَعْطِهِ النَّخْلَةَ وَ لَكَ بِهَا نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ‘‘

’’یہ کھجور اس کو دے دو، اس کے بدلے آپ کو جنت میں کھجور ملنے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔‘‘

یہ سن کر وہ بوڑھے صحابیؓ پوچھنے لگے: اے اللہ کے نبی! جنت تو ملے گی نا؟ فرمایا: ہاں! جنت تو ملے گی۔ اس پر وہ کہنے لگے: ایک کھجور کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے میں نہیں دیتا۔

ویسے بھی بوڑھوں کی اپنی ایک طبیعت ہوتی ہے، وہ جہاں پڑے ہوتے ہیں، اور جس حال میں ہوتے ہیں، اسی میں خوش ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ کوئی ہمیں ڈسٹرب نہ کرے۔ چنانچہ اگر آپ کسی بوڑھے بندے سے کہیں کہ آپ کے سر کے نیچے تکیہ نہیں ہے آپ تکیہ لے لیں تو وہ کہے گا: مجھے نہ چھیڑو۔ آپ کہیں: جی! آپ کے نیچے ہم چادر بچھا دیتے ہیں، وہ کہے گا: مجھے تنگ نہ کرو۔ پھر اگر بیوی کہہ دے: نہیں نہیں! آپ سخت جگہ پر لیٹے ہوئے ہیں، ہم نیچے ایک گدا بچھا دیتے ہیں، وہ کہے گا: تم کمرے سے باہر نکل جاؤ، مجھ سے بات نہ کرو، مجھے تنگ نہ کرو۔ بوڑھے بندوں کی طبیعت ہی ایسی ہوتی ہے، وہ اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔

چنانچہ وہ بوڑھے صحابی بھی جواب دے کر چلے گئے کہ مجھے جنت میں مزید درختوں کی ضرورت نہیں، میں یہ درخت نہیں بیچنا چاہتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حیران تھے کہ اتنی بڑی قیمت (کہ جنت کی کھجور ملے گی، گویا جنت میں جانے کا پرمٹ مل گیا۔ کھجور تو تبھی ملے گی نا) اور یہ اللہ کا بندہ مسلسل انکار کرتا جا رہا ہے)۔ اس بات کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہرے پر ایک دہشت سی آ گئی (حیرانی چھا گئی کہ اتنی بڑی آفر اور یہ بڑے میاں کہتے ہیں کہ مجھے قبول نہیں)، Pin drop silence (مکمل سناٹا) چھا گیا۔

ایک صحابی ابوالدحداح رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اس خاموشی کو توڑا، وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ!

''إِنْ أَنَا اشْتَرَيْتُ النَّخْلَةَ وَ وَهَبْتُهَا الْغُلَامَ، أَلِيَ النَّخْلَةُ فِي الْجَنَّةِ؟''

''یارسول اللہ! اگر میں یہ کھجور خرید کر اس نوجوان کو دے دوں تو کیا میرے ساتھ بھی جنت میں کھجور ملنے کا وعدہ ہے؟''

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''ہاں! تمہارے لیے بھی وہی وعدہ ہے۔''

چنانچہ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ اس بوڑھے میاں کے پاس جا کر بیٹھ گئے...... وہ چونکہ بزنس مین تھے اور سمجھتے تھے کہ بزنس کیسے ڈیل کی جاتی ہے...... اور بوڑھے صحابی سے پوچھا: آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا: میں ٹھیک ہوں۔ پھر پوچھا: تمہاری کھجوریں کیسی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے ان کھجوروں کا پھل بڑا اچھا لگتا ہے اس لیے میں ان کھجوروں سے الگ نہیں ہونا چاہتا۔ ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ اسی طرح کی کھجوروں کا ایک ایسا باغ بھی ہے جس میں چھ سو درخت ہیں اور وہ قبا میں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے سنا تو ہے۔ ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اس باغ کا مالک مَیں ہوں...... اس پر بڑے میاں ذرا متوجہ ہوئے...... اس وقت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اچھا! کیا آپ میرے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتے ہیں؟ بڑے میاں نے پوچھا: کیا ڈیل؟ ابوالدحداح رضی اللہ عنہ کہنے لگے: وہ چھ سو درختوں کا باغ لے لو اور یہ ایک کھجور مجھے دے دو۔ بڑے میاں کی تو حیرت کی انتہا نہ رہی، بوڑھے میاں نے فوراً اس پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کھجور کو چھ سو کھجوروں والے باغ کے بدلے میں خرید لیا۔ بڑے میاں نے یہ ڈیل قبول کر لی اور سودا ہو گیا۔

حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! آپ نے کھجور کے جس درخت کو خریدنے کا حکم فرمایا تھا، وہ میں نے خرید لیا ہے، اب وہ میری ملکیت میں ہے اور میں اسے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔

جب نبی علیہ السلام کو وہ درخت مل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نوجوان صحابی کو بلایا اور اس سے فرمایا: بھئی! وہ درخت مل گیا ہے، اب تم اپنی دیوار سیدھی کر لو۔ وہ نوجوان بھی خوش

ہو گیا اور اللہ کے حبیب ﷺ بھی خوش ہو گئے۔

ابو دحداح رضی اللہ عنہ نے جب یہ سودا کر لیا تو وہ سیدھے اپنے باغ کی طرف گئے (جو چھ سو کھجوروں کا باغ تھا) اور اس کے کنارے پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی: "اے اُمّ دحداح!" بیوی نے کہا: خیر تو ہے، آپ نے کبھی اتنی اونچی آواز سے مجھے دور سے نہیں پکارا، بات کرنے کے لیے اندر کیوں نہیں آجاتے؟ حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

"أُخْرُجِيْ وَ أَبْنَاءَكِ فَقَدْ بِعْتُ الْبُسْتَانَ"

"تم بھی باغ سے باہر آجاؤ اور اپنے بچوں کو بھی لے آؤ، میں نے اس باغ کا سودا کر دیا ہے۔"

بیوی نے پوچھا: آپ نے باغ کا سودا کس سے کیا ہے؟ کہنے لگے:

"لِلّٰهِ بِنَخْلَةٍ فِيْ الْجَنَّةِ"

"میں نے اللہ کے ساتھ جنت کی ایک کھجور کے بدلے میں اس کا سودا کر لیا ہے۔"

بیوی کہنے لگی:

"رَبِحَ بَيْعُكَ وَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْمَا اشْتَرَيْتَ." [کن من اہل الجنۃ، لامیر بن محمد الدوری: ۱/۹]

"اللہ تعالیٰ آپ کی اس بیع کو نفع مند بنائے اور آپ کی خرید کردہ چیز میں برکت عطا فرمائے، (آپ نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا اچھا سودا کیا ہے)۔"

یہ وہ ایمان تھا جو نبی علیہ السلام نے صحابہ کا بنایا تھا۔ ان کی زندگی میں جنت کا مل جانا مقصد تھا، آخرت کا سنور جانا مقصد تھا اور اس کے لیے وہ اپنی دنیا کی ضرورتوں کو قربان کر لیا کرتے تھے۔

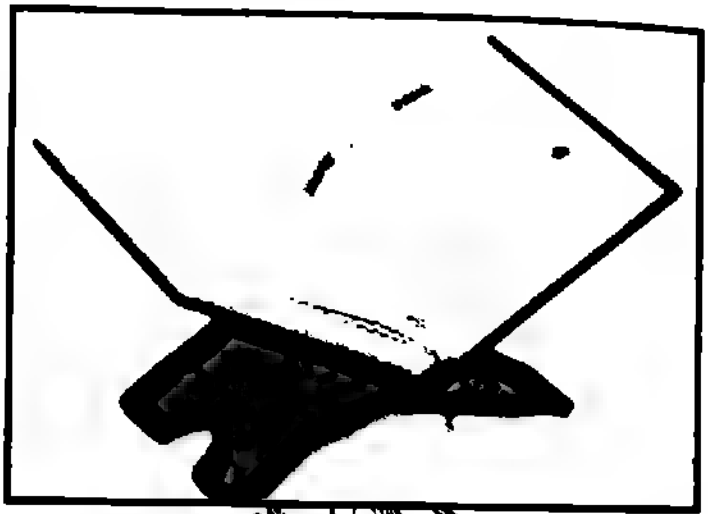
ہمیں چاہیے کہ اس قصہ سے حاصل ہونے والے سبق کو سیکھیں اور یہ بات اپنے

ذہن میں بٹھائیں کہ ہم نے ضرورت کو ضرورت کے درجے میں رکھ کر اپنے مقصد (آخرت) کی تیاری شروع کرنی ہے اور مال کماتے وقت حلال اور حرام کا فرق مدنظر رکھنا ہے۔

پکا عہد: (۱)

چنانچہ جو نوکری پیشہ لوگ ہیں وہ عہد کریں کہ آج کے بعد ہم صحیح وقت پر ڈیوٹی دیں گے اور رشوت کا پیسہ بالکل قبول نہیں کریں گے، جو دکاندار ہیں وہ ملاوٹ کرنے اور جھوٹ بولنے سے توبہ کریں، پورا تولنے کا عہد کریں، اسی طرح اجتماعی مال میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس سے توبہ کریں اور ارادہ کریں کہ ہم آج کے بعد فقط حلال کمائیں گے اور حلال ہی کھائیں گے، چاہے آدھی روٹی ملے، چند لقمے ملیں یا ہمیں فاقے کے ساتھ وقت گزارنا پڑے۔ ہم فاقہ تو برداشت کرلیں گے، لیکن حرام کے مال کو ہاتھ کبھی نہیں لگائیں گے۔ کیوں جی! یہ وعدہ کرتے ہیں؟ آج ہاتھ کھڑے کر کے دکھائیے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وسعت والا رزقِ حلال نصیب فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

اس قصہ میں انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت کی فراوانی عطا کرتا ہے اور اس کی کی زندگی عیش و آرام کے ساتھ گزر رہی ہوتی ہے تو ایسے وقت میں وہ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور پھر ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ آپ ان نعمتوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی بجائے اس پروردگار کی طرف منسوب کریں جس نے یہ نعمتیں دی ہیں، اس کا شکر ادا کریں، تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندوں میں سے بن سکیں۔



تفسیر

چھٹا رکوع

(آیات 45 تا 49)

رکوع نمبر 6:

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

دنیا کی فنائیت کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ وہ ایسی ہے جیسے بارش سے زمین کی سیرابی ہوجاتی ہے، سبزہ اُگ آتا ہے، پھر ریزہ ریزہ ہوکے ہواؤں میں بکھر جاتا ہے۔
[آیت:۴۵]

مال واولاد تو ظاہری ٹھاٹھ باٹھ ہے، جبکہ اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں۔
[آیت:۴۶]

قیامت کے احوال میں سے اَرض وجبال کی کیفیت بیان کی گئی ہیں۔[آیت:۴۷]

موقفِ حساب میں حاضری کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔[آیت:۴۸]

کیفیت حساب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ مجرم لوگ کس قدر بے بس و بے سہارا ہوں گے اور اپنے کیے دھرے پر افسوس کر رہے ہوں گے۔[آیت:۴۹]

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴿۴۵﴾﴾

اور ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کردو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو اس سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا، پھر وہ ایسا ریزہ ریزہ ہوا کہ اسے ہوائیں اُڑا لے جاتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے۔

فانی دنیا کی زندگی کی مثال: ①

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی زندگی کی۔ جیسے پانی اُتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ۔ پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اُڑتا ہوا

یعنی دنیوی زندگی کی فانی رونق اور اس کی زوال پذیری کی کیفیت بیان کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی کی وجہ سے گھاس پھونس اور مختلف قسم کی سبزیاں برآمد ہوئیں۔ اس سرسبز پیداوار کو دیکھ کر لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ چند دن تو یہ پیداوار ہری بھری رہی پھر سوکھ گئی کسانوں نے کھیتی کو کاٹ کر دانہ نکال لیا بھوسہ ہی بھوسہ رہ گیا اور دوسری سبزیاں بھی سوکھ کر رہ گئیں اب ان پر آدمی چلے پھرے، مویشیوں نے ان کو روندا، سب چورا چورا ہو کر خس و خاشاک بن کر رہ گئیں اب ہوائیں آتی ہیں اس بھوسے کو اور سبزیوں کے ذرات کو اڑاتی پھرتی ہیں جو حال ان سبزیوں اور کھیتوں کا ہوا وہی حال دنیا کا ہے چند دن کی چہل پہل ہے ہر شخص کی موت پر ختم ہو جاتی ہے اور قیامت کے دن تو ساری دنیا ختم ہو ہی جائے گی۔ یہ زمین ہی وہ نہ رہے گی جو اب ہے نہ مخلوق میں زمین کا کوئی مالک ہو گا نہ وہ ہری بھری ہو گی نہ اس میں پیداوار

ہوگی، اس عارضی ذراسی چہل پہل پر بھروسہ کرنا اور اس میں دل لگانا اور خالق مجدہ کو بھول جانا اور آخرت کے لیے فکرمند نہ ہونا یہ انسان کی ناسمجھی ہے۔

فوائد السلوک: ۱)

یہ آیت مبارکہ بتارہی ہے کہ جس کو دنیا میں کوئی نعمت ملی ہے وہ اس نعمت کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔ اگر اللہ کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنی طرف منسوب کرے گا تو پھر یاد رکھے کہ جو پروردگار نعمتیں دینا جانتا ہے وہ پروردگار نعمتیں واپس لینا بھی جانتا ہے۔ اللہ نے اس بندے کو باغ دیا تھا، یہ تکبر کرنے لگ گیا، اللہ نے آگ لگا کر اس کے باغ کو جلا دیا اور راکھ کو ہوا نے اُڑا دیا۔ اس کے پلے کچھ بھی نہ بچا۔ اب اس کا کوئی مددگار بھی نہیں اور وہ اللہ سے بدلہ بھی نہیں لے سکتا۔ کیونکہ اللہ تو اپنے کام میں غالب ہے۔

دنیاوی زندگی کی مثال بارش کی مانند: ۱)

قرآن مجید میں تین مقامات پر دنیاوی زندگی کو بارش کی مانند قرار دیا گیا ہے:

❶ ......سورۂ کہف کی مندرجہ بالا آیت: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ [آیت:۴۵] (اور ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی یہ مثال بھی بیان کردو کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا)۔

❷ ......سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ [آیت:۲۴] (دنیوی زندگی کی مثال تو کچھ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا)۔

❸ ...... سورۃ الحدید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ

وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ﴾[آیت:۲۰] (خوب سمجھ لو کہ اس دنیا والی زندگی کی حقیقت بس یہ ہے کہ وہ نام ہے کھیل کود کا، ظاہری سجاوٹ کا، تمہارے ایک دوسرے پر فخر جتانے کا، اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرنے کا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش جس سے اُگنے والی چیزیں کسانوں کو بہت اچھی لگتی ہیں)۔

دنیا میٹھی ہے، ہری بھری ہے:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَإِنَّ اللهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ.''

[صحیح مسلم، رقم:۲۷۴۲]

''دنیا میٹھی ہے، ہری بھری ہے اور بلاشبہ اللہ نے اس میں تمہیں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ سو وہ دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو، لہٰذا دنیا (میں دل لگانے) سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو۔ بنی اسرائیل میں جو سب سے پہلا فتنہ ظاہر ہوا وہ عورتوں ہی کا فتنہ تھا۔''

یہ دنیا دارِ فانی ہے:

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اس عارضی زندگی کا نقشہ اپنے اشعار میں کچھ اس طرح کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں:

؎ خوش است وعمر دریغا کہ جاودانی نیست
بس اعتماد بریں پنج روز فانی نیست

''عمر بہت اچھی چیز ہے لیکن افسوس کہ یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ ان پانچ فانی ایام پر

نہ دنیں کرنا چاہیے۔"

دل اے رفیق بریں کارواں سرائے بسند
کہ خانہ ساختن آئین کاروانی نیست

"اے دوست! اس فانی سرائے میں مستقل ٹھکانا پکڑنا عقلمندی کی بات نہیں ہے، کیونکہ کاروانوں والے گھر نہیں بنایا کرتے۔"

جہاں برآب نہاوست وزندگی برباد
غلام ہمت آنم کہ دل بروںہ نہاد

"خدا نے جہان کی بنیاد پر رکھی ہے جبکہ زندگی کی بنیاد ہوا پر ہے، میں تو اس شخص کی ہمت کا غلام ہوں جس نے ان پر دل نہیں رکھا۔"

کس را بقائے دائم وعہد مقیم
جاوید پادشاہی ودائم بقائے تست تو

"کسی کے لیے بقائے دائم اور عہد مقیم نہیں ہے، اے پروردگار! ہمیشہ رہنے والی پادشاہی اور دائم عہد صرف تیری ذات ہی کا ہے۔"

قدرتِ خداوندی کا بیان: (۱)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے، اس کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ [القمر: ۴۲] (ہم نے ان کو ایسی پکڑ میں لیا جیسی ایک زبردست قدرت والے

کی پکڑ ہوتی ہے)۔

اللہ زمین کو پانی سے محروم کرنے پر قادر ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰي ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ﴿۱۸﴾﴾ [المؤمنون:۱۸] (اور ہم نے آسمان سے ٹھیک اندازے کے مطابق پانی اُتارا، پھر اسے زمین میں ٹھہرا دیا، اور یقین رکھو، ہم اسے غائب کر دینے پر بھی قادر ہیں)...... دوسری آیت میں ارشاد ہے ﴿وَاِنَّا عَلٰٓي اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ﴿۹۵﴾﴾ [المؤمنون:۹۵] (اور یقین جانو کہ ہم جس چیز کی انہیں دھمکی دے رہے ہیں، اسے تمہاری آنکھوں کے سامنے لانے پر پوری طرح قادر ہیں)۔

اللہ لوگوں کی مثل پیدا کرنے پر قادر ہے: ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ [بنی اسرائیل:۹۹] (بھلا کیا انہیں اتنی سی بات نہیں سوجھی کہ وہ اللہ جس نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی پھر سے پیدا کر دے)؟

اللہ تمام جانداروں کو ایک جگہ جمع کرنے پر قادر ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۭ وَهُوَ عَلٰي جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾﴾ [الشوریٰ:۲۹] (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور وہ جاندار جو اس نے ان دونوں میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے)۔

...اللہ مُردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے ﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰٓي اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾﴾ [الاحقاف:۳۳] (کیا ان کو یہ سمجھائی نہیں دیا کہ وہ اللہ جس نے سارے

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کو پیدا کرنے سے اس کو ذرا بھی تھکن نہیں ہوئی، وہ یقیناً اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے؟ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بے شک ہر چیز کی پوری قدرت رکھنے والا ہے)۔

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝﴾

مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں، اور جو نیکیاں پائیدار رہنے والی ہیں، وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں، اور امید وابستہ کرنے کے لیے بھی بہتر۔

حیاتِ دنیا کی رونق کا بیان: (۱)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں

یعنی وہ مال و اولاد جس پر عیینہ بن حصین اور اس جیسے دوسرے دولت مندوں کو فخر ہے محض دنیوی رونق کی چیزیں ہیں آدمی ان پر فخر کرتا ہے پھر یہ چیزیں عنقریب فنا ہو جاتی ہیں یہ زادِ آخرت نہیں ہیں، لیکن وہ اعمال صالحہ جن کا اچھا نتیجہ دائمی اور غیر فانی ہے وہ اللہ کے نزدیک اس دنیوی مال و اولاد سے ہزاروں درجہ بہتر ہیں اور سب سے بڑی تمنا کے قابل چیز ہے۔ دنیوی چیزوں کی امید و تمنا فانی کی تمنا ہے اور اعمالِ صالحہ کے ثواب کی تمنا باقی کی تمنا اور باقی فانی سے بدرجہا افضل ہے۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف، آیت:۴۶]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ حَرْثُ الدُّنْيَا وَالْأَعْمَالُ الصَّالِحَةُ حَرْثُ الْآخِرَةِ وَقَدْ يَجْمَعُهُمَا اللّٰهُ لِأَقْوَامٍ'' (مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کے لیے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے)۔

[تفسیر مظہری، ایضاً]

''مال'' کو ''مال'' کہنے کی وجہ:

❶ ''مال'' کو ''مال'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پہلے سے زائل ہو جاتا ہے۔ گویا بڑی بے وفا چیز ہے۔

✿...... ''مال'' کو اس لیے ''مال'' کہا جاتا ہے کہ لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

فوائد السلوک:

❷ ......اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیائے مذموم سے منع فرمایا ہے اور آخرت کی ترغیب دی ہے، مگر عنوان دونوں جگہ ایسا عجیب ہے کہ جس سے دنیا و آخرت دونوں کی اصلی حقیقت تھوڑے سے لفظوں میں ظاہر فرما دی۔ واقعی خدا تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے پہلے دنیا کا بے حقیقت ہونا ایک مثال سے ظاہر فرمایا ہے۔

✿......حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے یہاں ایک نکتہ بیان فرمایا: اور وہ یہ کہ آرائش اور زینت کی چیزیں اکثر فضول اور زائد اور بے ضرورت ہوا کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ''مال'' اور ''بنون'' کا بے حقیقت و بے ضرورت ہونا لفظ زینت سے ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ سب زینت ہی زینت ہیں اور کچھ نہیں، پس مطلب یہ ہے کہ جو مال و اولاد تم کو مطلوب ہے، جس میں تم منہمک ہو رہے ہو، وہ بے ضرورت اور زائد چیزیں ہیں۔ کیونکہ مال سے مقصود ضرورت پورا کرنا ہے، جس سے انسانی جان سلامت رہتی ہے۔ تو مال اصل مقصود

کے لیے واسطہ در واسطہ ہے۔ پھر ایسے واسطہ کو مطلوب بنا لینا حماقت ہی نہیں کہ رات دن اسی میں منہمک ہے۔ اور جان کا باقی رہنا جو مطلوب ہے، وہ بھی بے حقیقت ہے کیونکہ اس کی بقاء چندروزہ ہے، جو قابلِ اعتبار نہیں۔ غرض مال خود مطلوب بنانے کے قابل ہرگز نہیں ہے۔

..... اور اولاد تو اس سے بھی کم درجے کی چیز ہے کیونکہ وہ تو جان کی سلامتی کے لیے بھی نہیں، صرف نسل کی بقاء کے لیے مطلوب ہے اور بقاءِ نسل کے لیے ضروری نہیں کہ آپ ہی کی اولاد ہو۔ اگر میری اولاد نہ ہوئی اور آپ کے ہاں دو ہو گئیں تو اس سے بھی بقاءِ نسل ہو سکتی ہے۔ آپ کو کیوں فکر ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو انسان کی آبادی دنیا میں مطلوب ہے اس وقت تک وہ اس کی تدبیریں کریں گے۔ آپ اس میں رائے دینے والے کون ہیں کہ خواہ مخواہ آپ کی نوع باقی ہی رہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ آپ ہی کی اولاد ہو۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

''بنات'' کو زینت کیوں نہیں کہا؟

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک بات قابلِ تنبیہ ہے۔ وہ یہ کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ''بنون'' کو زینت حیاۃ الدنیا بتلایا ہے، ''بنات'' کو بیان نہیں فرمایا۔

1. ... اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ''بنات'' کو خود تم نے بھی بے حقیقت سمجھ رکھا ہے، کیونکہ لوگوں کو لڑکوں سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور لڑکیوں کو تو عموماً وبال سمجھتے ہیں تو تمہارے نزدیک وہ کیا خاک زینتِ دنیا ہوں گی؟

2. دوسرا نکتہ ''بنات'' کے ذکر نہ کرنے میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلا دیا کہ

''بنات'' زینتِ دنیا نہیں ہیں، بلکہ محض ''زینتِ خانہ'' ہیں۔ اگر وہ بھی زینت دنیا ہوتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی بیان فرماتے۔ پس صرف ''بنون'' کو زینتِ دنیا فرمانا اور ''بنات'' کو ذکر نہ فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ لڑکیاں دنیا کی بھی زینت نہیں ہیں کیونکہ عرفاً زینتِ دنیا وہ چیز سمجھی جاتی ہے جو منظر عام پر زینت ہے۔ اور وہ (بنات) ایسی زینت نہیں کہ تم ان کو ساتھ لیے لیے پھرو اور سب دیکھیں کہ ان کی اتنی لڑکیاں ہیں اور ایسی آراستہ و پیراستہ ہیں، بلکہ وہ محض گھر کی زینت ہیں۔

...... یہاں سے پردہ کی دلیل کی طرف اشارہ نکل آیا۔ دوسرے لغت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ عورتوں کو پردہ کرایا جائے۔ کیونکہ اردو میں ''عورت'' کو ''عورت'' کہتے ہیں، جس کے لغوی معنی ہیں چھپانے کی چیز۔ اب یہ کہنا کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ، ایسا ہے جیسے یوں کہا جائے کہ کھانے کی چیز کو نہ کھاؤ، پہننے کی چیز کو نہ پہنو۔ اور اس کا لغو ہونا ظاہر ہے، اسی طرح یہ قول لغو ہے کہ عورتوں کو پردہ نہ کراؤ۔ ان کو عورت کہنا خود اس کی بات دلیل ہے کہ وہ پردہ میں رہنے کی چیزیں ہیں۔

ایک ترقی یافتہ شخص کہتے تھے کہ عورتیں پردہ کی وجہ سے علمی ترقی سے رُکی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا: جی ہاں! اسی واسطے تو ان چھوٹی قوموں کی عورتیں جو پردہ نہیں کرتیں، بہت تعلیم یافتہ ہوگئی ہیں۔ یہ جواب سن کر وہ خاموش ہی تو رہ گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ ہونے میں پردہ یا بے پردگی کا کوئی دخل نہیں، بلکہ اس میں بڑا دخل توجہ کو ہے۔ اگر کسی قوم کی عورتوں کی تعلیم پر توجہ ہو تو وہ پردہ میں بھی تعلیم دے سکتے ہیں ورنہ بے پردگی میں بھی کچھ نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر غور کیا جائے تو پردہ میں تعلیم زیادہ ہوسکتی ہے کیونکہ تعلیم کے لیے یکسوئی کی ضرورت ہے اور وہ گوشہ

تنہائی میں زیادہ حاصل ہوتی ہے، اسی واسطے مرد بھی مطالعہ کے لیے گوشۂ تنہائی تلاش کیا کرتے ہیں جیسا کہ طلبہ کو اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ پس عورتوں کا پردہ میں رہنا تو علوم کے لیے معین ہے نہ کہ مانع۔ نہ معلوم لوگوں کی عقلیں کیا ہوئیں جو پردہ کو تعلیم کے منافی سمجھتے ہیں!؟

...... ہاں! علومِ تجارت اور علومِ تجارت کے لیے سیر وسیاحت کی البتہ ضرورت ہے، مگر چونکہ عورتیں ناقص العقل اور کم حوصلہ ہیں، ان کے پاس سیر وسیاحت سے تجربہ میں حقیقی (اخلاقی) ترقی نہ ہوگی، بلکہ آزادی اور شرارت بڑھے گی، اسی لیے شریعت نے عورتوں کے ہاتھ میں طلاق نہیں دی کیونکہ یہ ایسی کم حوصلہ ہیں کہ ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ مرد تو برسوں میں کسی بہت ہی بڑی بات پر طلاق کا قصد کرتا ہے اور وہ بھی ہزاروں میں سے ایک، ورنہ زیادہ مرد تو ایسے ہی ہیں جو عورتوں کی بدتمیزیوں پر صبر کرتے ہیں اور اگر عورتوں کے ہاتھ میں طلاق ہوتی تو یہ تو ہر مہینہ شوہر کو طلاق دے کر نئی شادی کر لیا کرتیں (جیسا کہ آج کل یورپ میں ہو رہا ہے)۔ بس عورتوں کے لیے یہی سیر وسیاحت کافی ہے کہ اپنے گھر میں چل پھر لیا کریں، جن تجربوں کی ان کو ضرورت ہے، وہ گھر میں رہ کر ہی ان کو حاصل ہو سکتے ہیں، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ نظرِ حقیقت سے دیکھیے تو مردوں کو بھی اس کی ضرورت نہیں۔ اگر سیر وتماشا چاہتے ہو تو وہ بھی آپ کے اندر موجود ہے، دل کی آنکھوں سے دیکھ لو تو تمہیں اپنے ہی اندر تماشا نظر آئے گا اور دنیا کے پھول پھلواریوں سے استغناء ہو جائے گا۔

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن درا
تو زغنچہ کم ندمیدہ در دل کشا بچمن درا

''تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو۔''

چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت ست
خلوت گزیدہ رابہ تماشا چہ حاجت ست

''جب محبوب کے دربار میں ہو تو جنگل کی کیا ضرورت ہے؟ خلوت نشین کو تماشہ کی کیا حاجت؟''

یعنی غیر اللہ کے تعلق کو توڑنے والوں کو اس طرف التفات نہیں کرنا چاہیے کہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں جارہیں، بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

بے پردگی کا انجام:

حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بے پردگی کے بہت بُرے نتائج سامنے آرہے ہیں اور یہ کم عقل اور بدفہم لوگ اس وقت سمجھیں گے جب بات ہاتھوں سے نکل جائے گی۔ اس وقت تو دماغ کو چڑھ رہی ہے، بدحواس ہورہے ہیں، ابھی تو ان کو کچھ خبر نہیں، مگر یہ نشہ بہت جلد ہی اُتر جانے والا ہے۔ یورپ کا تو اُتر گیا ہے، اگرچہ کچھ دیر بعد ہی اُترا ہے، مگر ان کا بہت جلد اُتر جائے گا۔ اس لیے کہ ان کا ہر کام جوش کے ماتحت ہوتا ہے وہ چاہے دین کا کام ہو یا دنیا کا۔ اور جوش کی عمر ہمیشہ کم ہوتی ہے۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

اعمالِ صالحہ کا دربارِ الٰہی میں مرتبہ:

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝٤٦

اور باقی رہنے والی نیکیاں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر ہے توقع

''باقیات صالحات'' کی مراد:

''باقیات صالحات'' کے بارے میں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں:

❶ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر۔

❷ لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر، الحمد للہ اور لا قوۃ الا باللہ۔

❸ پانچوں نمازیں۔

❹ پاکیزہ کلام۔

❺ نیک عمل مراد ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے آخری قول کو ترجیح دی ہے۔[1]

اعمال صالحہ کا انعام:

قرآنِ مجید میں 100 سے زیادہ مقامات پر اعمالِ صالحہ کے 28 مختلف انعامات بیان کیے گئے ہیں، جن میں سے چند ایک یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

جنت۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ [البقرۃ: ۸۲] (اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں تو وہ جنت کے باسی ہیں)۔

.....اجر وثواب۔ 13 مقامات پہ فرمایا ہے کہ نیک اعمال والے کے لیے اجر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ [آل عمران: ۵۷] (البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو اللہ

[1] قال الطبریؒ رحمۃ اللہ: و أولی الأقوال فی ذٰلك بالصّواب کالذی رُوی عن ابن أبی طلحۃ عن ابن عبّاس قال: ھنّ جمیع أعمال الخیر. [تفسیر الطبری تحت ھٰذہ الآیۃ]

ان کا پورا پورا ثواب دے گا)۔

...... مغفرت۔ قرآن عظیم الشان نے 6 مقامات پر مغفرت کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝﴾[المائدة:۹] (جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ آخرت میں ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا)۔

...... فضل۔ قرآن نے 4 مقامات پر فضل کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾[الشوریٰ:۲۶] (اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، وہ ان کی دعا سنتا ہے اور انہیں اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے)۔

...... فوز کا بیان۔ 3 مقامات پر کامیابی کا اعلان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ [الجاثیہ:۳۰] (چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو تو ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی کھلی ہوئی کامیابی ہے)۔

[اشاریہ مضامین قرآن:۲/۱۹۷]

''باقیات صالحات'' حدیث کی روشنی میں: (۱)

...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِنْ عَجِزْتُمْ عَنِ اللَّيلِ أَن تُكَابِدُوهُ وَ عَنِ العَدُوِّ أَن تُجَاهِدُوهُ فَلَا تَعجِزُوا عَن قَولِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ فَإِنَّهُنَّ البَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ.'' [تفسیر درمنثور تحت آیۃ سورۃ الکھف،۴۶]

''اگر تم راتوں کو اُٹھ کر محنت کرنے سے اور دشمن سے جہاد کرنے سے عاجز ہو تو (یہ

کلمات) کہنے سے عاجز نہ بنو: ''سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر'' کیونکہ یہ الباقیات الصالحات ہیں۔''

...... عیاض بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ان کے بیٹے کی وفات ہوگئی، جس کا نام ''یحییٰ'' تھا، جب اُسے قبر میں اُتارا گیا تو ان کو ایک آدمی نے کہا:

''وَاللّٰهِ إِنْ كَانَ لَسَيِّدَ الْجَيْشِ فَأَحْتَسِبُهُ''

''اللہ کی قسم! اگر وہ لشکر کا سردار ہوتا تو میں اسے روک لیتا۔''

اس پر عیاض بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''وَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَحْتَسِبَهُ؟ وَكَانَ أَمْسِ مِنْ زِينَةِ الدُّنْيَا وَهُوَ الْيَوْمَ مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ.'' [تفسیر در منثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

''مجھے اس کے روکنے سے کیا چیز مانع ہے؟ کل یہ دنیا کی زینت میں سے تھا اور آج باقی رہنے والی نیکیوں میں سے ہے۔''

...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''باقیات صالحات'' سے مراد ہے ''سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر'' ہیں۔

[تفسیر در منثور تحت آیہ سورۃ الکہف، ۴۶]

...... نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اِسْتَكْثِرُوا مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ'' (باقی رہنے والی نیکیوں کی کثرت کیا کرو)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟'' (وہ باقی رہنے والی نیکیاں کون سی ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلتَّكْبِيرُ وَالتَّهْلِيلُ وَالتَّسْبِيحُ وَالتَّحْمِيدُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ'' (تکبیر کہنا، لا الٰہ الا اللہ کہنا، سبحان اللہ، الحمد للہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنا)۔

[مستدرک للحاکم، رقم: ۱۸۸۹]

حدیث پاک میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خُذُوا جُنَّتَكُمْ" (اپنی اپنی ڈھال پکڑو)۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! "أَمِنْ عَدُوٍّ قَدْ حَضَرَ؟" (کیا دشمن کے خلاف جو حاضر ہو چکا ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"بَلْ جُنَّتَكُمْ مِنَ النَّارِ، قُولُوا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ فَإِنَّهُنَّ يَأْتِينَ يَومَ القِيَامَةِ مُقَدِّماتٍ مُعَقِّبَاتٍ مُحَسِّنَاتٍ وَهُنَّ البَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ." [تفسیر درمنثور تحت آیۃ سورۃ الکہف، ۴۶]

"نہیں، بلکہ دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لیے اپنی ڈھال پکڑو۔ تم سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہو۔ کیونکہ یہ کلمات قیامت کے دن آئیں گے مقدمات (آگے سے آنے والے) معقبات (پیچھے سے آنے والے) اور محسنات (نیکیاں اور خوبیاں بن کر) اور یہ باقیات صالحات ہیں۔"

......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک خشک درخت کے پاس سے گزرے، اس کی ٹہنیوں میں سے ایک ٹہنی کو پکڑ کر حرکت دی تو اس کے سارے پتے گر گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ قَائِلًا يَقُولُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، لَتَتَنَاثَرُ الذُّنُوبُ عَنْ قَائِلِهَا كَمَا يَتَنَاثَرُ الوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ. قَالَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ: هُنَّ البَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ." [تفسیر درمنثور تحت آیۃ سورۃ الکہف، ۴۶]

"اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، جب کوئی کہنے والا سبحان اللہ، الحمد للہ لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کہتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت سے پتے جھڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کو 'باقیات صالحات' قرار دیا ہے۔"

فوائد السلوک:

شیخ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''هِيَ الأَعْمَالُ الخَالِصَةُ وَالنِّيَاتُ الصَّادِقَةُ''
(باقیات صالحات، اللہ کے لیے کیے ہوئے اعمال اور کھری نیتیں ہیں)۔
[تفسیر السلمی تحت ہذہ الآیۃ]

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ هُوَ التَّوْحِيدُ''
(باقیات صالحات سے مراد ''توحید'' ہے)۔[تفسیر السلمی تحت ہذہ الآیۃ]

فانی چیز کی فنائیت پر کیا غم؟

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''باقیات'' کے ساتھ ''صالحات'' کے جمع لانے میں ہر عمل کی وقعت کا اظہار ہے اور جب اعمالِ آخرت باقی رہنے والے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ''مال وبنون'' کو زینت فرمایا گیا ہے تو اس لفظ سے اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کی چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ اور جب دنیا کے اموال واولاد فانی ہیں تو اگر وہ آپ سے پہلے اور آپ کے سامنے ہی فنا ہو جائیں تو غم نہ کرو، کیونکہ وہ تو فنا ہونے والے تھے ہی۔

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ]

احوالِ قیامت کا بیان

﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴿٤٧﴾﴾

اور (اس دن کا دھیان رکھو) جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے۔ اور تم زمین کو دیکھو گے کہ وہ کھلی پڑی ہے، اور ہم ان سب کو گھیر کر اکٹھا کر دیں گے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کا حال:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ

اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے فانی ہونے کا بیان فرمایا اور آخر میں فرمایا کہ نیک اعمال ہی دنیا کی واحد چیز ہے جو باقی رہنے والے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پہ بندوں کو نوازا جائے گا۔ کب نوازا جائے گا؟ یہاں سے اس دن کے احوال کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن پہاڑوں کی تباہی کا منظر قرآن مجید میں کھینچا ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ صورِ اسرافیل کے ساتھ ہی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿جَعَلَهُ دَكًّا﴾ [الاعراف: ۱۴۳] (اس کو ریزہ ریزہ کر دیا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا﴾ [الطور: ۱۰] (اور پہاڑ ہولناک طریقے سے چل پڑیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ [النبا: ۲۰] (اور پہاڑوں کو چلایا جائے گا تو وہ ریت کے سراب کی شکل اختیار کر لیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا﴾ [المزمل: ۱۴] (اور سارے

گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ [القارعہ:٥] (اور پہاڑ ریت کے بکھرے ہوئے تودے بن کر رہ جائیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا﴾ [طٰہٰ:١٠٥ تا ١٠٧] (اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا؟ جواب میں کہہ دو کہ میرا پروردگار ان کو دھول کی طرح اُڑا دے گا۔ اور زمین کو ایسا ہموار چٹیل میدان بنا کر چھوڑے گا کہ اس میں تمہیں نہ کوئی بَل نظر آئے گا، نہ کوئی اُبھار)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا﴾ [الواقعہ:٥،٦] (اور پہاڑوں کو پیس کر چورا کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ بکھرا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ [المرسلات:١٠] (اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً﴾ [الحاقہ:١٤] (اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا)۔

قرآن میں پہاڑوں کے تذکرے سے 19 مقاصد:

قرآن مجید میں پہاڑوں کا تذکرہ 19 مختلف مقاصد کے لیے کیا گیا ہے۔ وہ 19 مقاصد ذیل میں دیے جاتے ہیں:

❶ ...... حضرت نوح علیہ السلام کی سلامتی اور مشرکین کی بربادی بیان کرنے کے لیے۔ اللہ

تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾[ہود:۴۲] (اور وہ کشتی پہاڑوں جیسی موجوں کے درمیان چلی جاتی تھی)۔

② ......قومِ ثمود کی فنِ تعمیر میں مہارت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴾[الحجر:۸۲] (اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر بے خوف وخطر مکان بنایا کرتے تھے)۔

③ ......حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدارِ الٰہی سے مشرف ہونے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾[الاعراف:۱۴۳] (پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کردیا)۔

④ ......جبلِ ابراہیم کا تذکرہ کیا گیا ہے جس سے قدرتِ خداوندی اور حیات بعد الممات کا اظہار ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ [البقرۃ:۲۶۰] (پھر ان کو ذبح کر کے ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو)۔

⑤ ......جبلِ بنی اسرائیل کے تذکرے سے مقصد شریعتِ موسوی کو قبول کرنے کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ﴾ [الاعراف:۱۷۱] (اور یاد کرو جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر اس طرح اُٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سائبان ہو)۔

⑥ ......گزشتہ اقوام کے مکر وفریب کی قوت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾[ابراہیم:۴۶] (چاہے ان کی چالیں ایسی کیوں نہ ہوں جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں)۔

⑦ ......حصولِ شہد بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ﴾[النحل:۶۸] (اور

تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اُٹھاتے ہیں ان میں اپنے گھر بنا)۔

⑧ پہاڑوں میں پناہ گاہ بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا﴾ [النحل:۸۱] (اور پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں بنائیں)۔

⑨ متکبرین کے تکبر کو توڑنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾﴾ [الاسراء:۳۷] (اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو)۔

⑩ قیامت کی سختی کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾﴾ [التکویر:۳] (اور جب پہاڑوں کو چلایا جائے گا)۔

⑪ پہاڑوں کے حال اور سختی کے بارے میں تفتیش کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ [طٰہٰ:۱۰۵] (اور لوگ تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا بنے گا)؟

⑫ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾﴾ [ص:۱۸] (ہم نے پہاڑوں کو اس کام پر لگا دیا تھا کہ وہ شام کے وقت اور سورج کے نکلتے وقت ان کے ساتھ تسبیح کیا کریں)۔

⑬ پہاڑوں کا دیگر مخلوقات کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں عاجزی بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ

وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ [الحج:١٨] (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے آگے وہ سب سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں۔ نیز سورج اور چاند، اور ستارے اور پہاڑ، اور درخت اور جانور، اور بہت سے انسان بھی)۔

⓮...... بادل کے پہاڑوں کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ﴾ [النور:٤٣] (اور آسمان میں بادلوں کی شکل میں جو پہاڑ کے پہاڑ ہوتے ہیں، اللہ ان سے اولے برساتا ہے)۔

⓯...... روزِ قیامت پہاڑوں کی حالت کو حیرت و دہشت بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ﴾ [النمل:٨٨] (تم آج پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ یہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں، حالانکہ اس وقت وہ اس طرح پھر رہے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں)۔

⓰...... پہاڑوں پر امانت پیش کرنے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ [الاحزاب:٧٢] (ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی)۔

⓱...... روزِ قیامت پہاڑوں کا دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جانے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ [القارعۃ:٥] (اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے)۔

⓲...... زمین کو ہلنے جلنے سے محفوظ رکھنے کو بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا﴾ [النازعات:٣٢] (اور پہاڑوں کو گاڑ دیا ہے)۔

⓳...... توحید پر دلائل بیان کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِلَى

الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ [الغاشیۃ: ۱۹] (اور پہاڑوں کو کہ انہیں کس طرح گاڑا گیا)؟
[تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۳۶۲ تا ۳۶۴]

پہاڑوں کے پانچ قرآنی احوال:

قرآن مجید میں پہاڑوں کے پانچ حالات بیان کیے گئے ہیں:

① ...... ریزہ ریزہ ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ [الاعراف: ۱۴۳] (اس کو ریزہ ریزہ کر دیا)۔

② ...... پھٹ جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ﴾ [البقرۃ: ۷۴] (اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے)۔

③ ...... ڈر جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا﴾ [الاحزاب: ۷۲] (اور اس سے ڈر گئے)۔

④ ...... جھک جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ [الحشر: ۲۱] (اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔

⑤ ...... مرعوب ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ [الحشر: ۲۱] (اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارا ہوتا تو تم اسے دیکھتے کہ وہ اللہ کے رعب سے جھکا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے)۔
[بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۳۶۴، ۳۶۵]

فوائد السلوک:

روزِ محشر پہاڑوں کے احوال بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ

پر یہ بات نقش ہو جائے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہو گا تو ہم جیسے کمزوروں کا کیا حال ہو گا؟ اور یوں اللہ سے بھٹکے ہوئے بندے اللہ کے قریب ہونے کی کوشش شروع کریں گے، اس کی طرف رجوع کریں گے اور اپنے رب ہی کو راضی کرنے کوشش کریں گے۔

قیامت کے دن زمین کا حال: ۱)

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً

اور تُو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی

روزِ قیامت زمین چٹیل میدان کھلی ہوئی صاف نظر آئے گی، نہ اس پر کوئی عمارت ہوگی، نہ پہاڑ اور نہ ہی کوئی درخت۔ قرآن مجید نے قیامت کے دن زمین کے مختلف حالات بیان کیے ہیں:

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ﴾ [ابراہیم:۴۸] (اس دن جب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جائے گی)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا﴾ [الکہف:۸] (اور یہ بھی یقین رکھو کہ روئے زمین پر جو کچھ ہے ایک دن ہم اسے ایک سپاٹ میدان بنا دیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [الزمر:۶۷] (پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا﴾ [الزمر:۶۹] (اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اُٹھے گی)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا﴾ [الواقعہ:۴] (جب زمین ایک بھونچال سے جھنجوڑ دی جائے گی)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ [الحاقہ:١٥] (اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھا کر ایک ہی ضرب میں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ [المزمل:١٤] (اس دن جب زمین اور پہاڑ لرز اُٹھیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝﴾ [الانشقاق:٣تا٥] (اور جب زمین کو کھینچ دیا جائے گا اور اس کے اندر جو کچھ ہے وہ اُسے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی اور وہ اپنے پروردگار کا حکم سن کر مان لے گی اور اس پر لازم ہے کہ یہی کرے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ [الفجر:٢١] (ہرگز ایسا نہیں چاہیے۔ جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزی ریزہ کر دیا جائے گا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝﴾ [الزلزال:١تا٥] (جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجوڑ دی جائے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے؟ اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتا دے گی۔ کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے یہی حکم دیا ہوگا)۔

قیامت کے دن لوگوں کا حال: (۱)

وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝

اور گھیر بلائیں ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو

یعنی ان میں سے کسی کو قبر سے اُٹھائے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ قیامت کے دن کو "یوم

الحشر'' بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ اسے ''یوم البعث'' اور ''یوم النشور'' کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

حشر کی کہانی، قرآن کی زبانی:

قرآن عظیم الشان نے 100 سے زائد آیات میں روزِ قیامت انسانوں کو بارگاہِ الٰہی میں جمع کرنے کا اعلان کیا ہے، چند آیات پیشِ خدمت ہیں:

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾[البقرة:۲۰۳] (اور تم سب تقویٰ اختیار کرو اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جا کر جمع کیا جائے گا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾[الانعام:۲۲] (اس دن کو یاد رکھو جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ [الانعام:۷۲] (اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے رہو، اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾[الانفال:۲۴] (اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے۔ اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا﴾[ابراہیم:۲۱] (اور یہ سب لوگ اللہ کے آگے پیش ہوں گے)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ [طٰہٰ:۱۲۴] (اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ [النمل:۸۳] (اور اس دن کو نہ بھولو جب ہم ہر اُمت میں سے ان لوگوں کی پوری فوج کو گھیر لائیں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے، پھر ان کی جماعت بندی کی جائے گی)۔

.....ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ﴾ [فصلت:۱۹] (اور اس دن کا دھیان رکھو جب اللہ کے دشمنوں کو جمع کر کے آگ کی طرف لے جایا جائے گا، چنانچہ انہیں ٹولیوں میں بانٹ دیا جائے گا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ﴾ [ق:۴۴] (اس دن جب زمین پھٹ کر ان کو اس طرح باہر کر دے گی کہ وہ جلدی جلدی نکل رہے ہوں گے۔ اس طرح سب کو جمع کر لینا ہمارے لیے بہت آسان ہے)۔

قرآن میں لفظ ''حشر'' کا 2 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''حشر'' 2 معانی میں استعمال ہوا ہے:

❶ ......اکٹھا کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ [التکویر:۵]

❷ ...... ہانکنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا﴾ [الاسراء:۹۷]

''حشر'' کے استعمال کے قرآنی مقامات:

قرآن میں ''حشر'' کا لفظ مندرجہ ذیل مقامات میں استعمال ہوا ہے:

...... حضرت داود علیہ السلام کے پاس پرندے جمع ہوتے تھے، جب وہ زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾﴾ [ص:١٩]

...... جنات وغیرہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جمع کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٧﴾﴾ [النمل:١٧]

...... فرعون کے لیے جادوگر جمع کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾﴾ [الشعراء:٥٣]

...... روزِ محشر مخلوق کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جمع ہونے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ [الانعام:٢٢]

...... ظالموں کو جمع کرنا، دوزخ میں ڈالنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾﴾ [الصافات:٢٢]

...... متقین کو جمع کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾﴾ [مریم:٨٥]

[بصائر ذوی التمییز:٢/٤٦٨،٤٦٩]

﴿وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾﴾

اور سب کو تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جائے گا۔ آخر تم ہمارے پاس اسی طرح آ گئے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس کے برعکس تمہارا دعویٰ یہ تھا کہ ہم تمہارے لیے (یہ) مقرر وقت کبھی نہیں لائیں گے۔

دربارِ الٰہی میں پیشی کا بیان:

وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا

اور سامنے آئیں تیرے رب کے صف باندھ کر

قیامت کے دن انسان صفیں بنائیں گے اور ایک ایک کر کے اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔ ﴿جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ﴾ ایک ایک کر کے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اور اللہ کے سامنے اپنے کیے کا حساب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آخرت کے بارے میں یہ چند آیات درمیان میں بیان فرمادیں تاکہ دنیا سمجھے کہ صرف دنیا ہی کی زندگی تک بات نہیں ہے، بلکہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے اور ہمیں آخرت میں اپنے اعمال کا حساب اللہ کے سامنے دینا ہے۔

جیسے بادشاہ کے سامنے اس کی فوج لائی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے سامنے سب لوگوں کو صف بند شکل میں لایا جائے گا۔ لیکن بادشاہ کی پیشی معائنہ اور شناخت کے لیے ہوتی ہے اور اللہ کی پیشی حکم جاری کرنے کے لیے ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی پکار:

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آواز دیں گے:

''يَا عِبَادِيْ! أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ وَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ وَأَسْرَعُ

الحَاسِبِيْنَ، أُحْضُرُوْا حُجَّتَكُمْ وَ يَسِّرُوْا جَوَابًا فَإِنَّكُمْ مَسْؤُوْلُوْنَ مُحَاسَبُوْنَ، يَا مَلَائِكَتِيْ! أَقِيْمُوْا عِبَادِيْ صُفُوْفًا عَلٰى أَطْرَافِ أَنَامِلِ أَقْدَامِهِمْ لِلْحِسَابِ.''

[تفسیر درمنثور تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف، ۴۸]

''اے میرے بندو! میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں سب رحم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں اور تمام حکم کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ حکم کرنے والا ہوں اور حساب کرنے والوں میں سے سب سے جلدی حساب کرنے والا ہوں، اپنی حجتوں کو پیش کرو اور جواب کو آسان کرو، کیونکہ تم سے باز پُرس ہوگی اور محاسبہ ہوگا۔ اے میرے ملائکہ! میرے بندوں کو قدموں کے پوروں کے اطراف پر حساب کے لیے صفوں میں سیدھا کھڑا کر دو۔''

منکرینِ قیامت سے پہلا خطاب:

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ

آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ﴿كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح آسانی سے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح اب تمہاری تخلیق فرمادی۔ تم سمجھتے تھے کہ ہم دوبارہ پیدا نہ ہوں گے اور دوبارہ پیدا ہونے کو ناممکن سمجھتے تھے، حالانکہ جس نے پہلی بار پیدا کیا وہ دوسری بار بآسانی پیدا فرما سکتا ہے۔

پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال و دولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج ہم نے تم کو قبروں سے نادار اُٹھایا ہے۔

برہنہ بدن، برہنہ پا پیشی:

......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّكُم مَحْشُورُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا، ثُمَّ قَرَأَ: كما بَدأْنا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعيدُهٗ وَعْدًا علينا إِنَّا كُنَّا فاعلين، وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسَى يَوْمَ القِيَامَةِ إِبْرَاهِيمُ.))
[صحیح بخاری، رقم:۳۳۴۹]

''لوگو! تم کو قبروں سے اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن، برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لے جایا جائے گا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔''

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے:

''تُحْشَرُونَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا''

''قیامت کے دن تم کو برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون اُٹھایا جائے گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''يَا رَسُولَ اللهِ! الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ؟''

''یارسول اللہ! مرد بھی ہوں گے عورتیں بھی۔ کیا ایک دوسرے کو دیکھے گا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اَلْأَمْرُ أَشَدُّ مِنْ أَنْ يُهِمَّهُمْ ذَاكِ'' [صحیح بخاری، رقم:۶۵۲۷]

''اس وقت کا معاملہ بہت سخت ہوگا، یعنی کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا۔''

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ القِيَامَةِ عُرَاةً حُفَاةً''

''قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا برہنہ بدن اُٹھایا جائے گا۔''

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''يَا رَسُولَ اللهِ! وَا سَوْأَتَاهُ يَنْظُرُ بَعْضُنَا إِلَى بَعْضٍ''

''یارسول اللہ! یہ تو بڑی خرابی ہوگی کہ ہم میں سے بعض بعض کو (برہنہ) دیکھیں گے۔''
آپ ﷺ نے فرمایا:

''شُغِلَ النَّاسُ''
''لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے۔''
حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

''مَا شَغَلَهُمْ؟''
''وہ کس شغل میں ہوں گے؟''
آپ ﷺ نے فرمایا:

''نَشْرُ الصُّحُفِ فِيهَا مَثَاقِيلُ الذَّرِّ وَمَثَاقِيلُ الْخَرْدَلِ.''
[المعجم الاوسط للطبرانی، رقم:۷۸۴۳]

''اعمالنامے کھول کر سامنے لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چیونٹی کے برابر اور رائی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا۔''

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو حدیث میں آیا ہے کہ مردے اپنی قبروں میں کفن پہنے ہوئے باہم ملاقات کرتے ہیں اور احادیثِ مذکورہ میں برہنہ اُٹھائے جانے کی صراحت ہے۔ دونوں میں کھلا ہوا تعارض ہے، لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں، اس لیے کہ احادیثِ مذکورہ میں قیامت کے دن برہنہ اُٹھایا جانا مذکور ہے جبکہ اس حدیث کے اندر عالم برزخ میں کفن پوش ہونے کی حالت میں باہم ملاقات کا تذکرہ ہے۔ ہاں احادیثِ مذکورہ بالا کا تعارض مندرجہ ذیل احادیث سے

ضرور ہوتا ہے:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا: ''إنَّ المَيّتَ يُبعثُ فِي ثِيَابه الَّتِي يَمُوتُ فِيهَا'' [سنن ابی داؤد، رقم: ۳۱۱۴] (جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اُٹھایا جائے گا)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا: ''أَحسِنُوا أَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ فَإِنَّهُمْ يُحْشَرُوْنَ فِيهَا'' [ابن ابی الدنیا بحوالہ تفسیر مظہری] (اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی کفن کے کپڑوں میں ان کو اُٹھایا جائے گا)۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے کہا ہے کہ بعض کو برہنہ اُٹھایا جائے گا اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ تاویل اچھی ہے۔ رہی آیتِ مذکورہ بالا تو یہ صرف کفار کے لیے ہے کیونکہ آگے جملہ میں کفار ہی کو خطاب کیا گیا ہے۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف، ۴۸]

قرآن میں لفظ ''الخلق'' کا 8 طرح استعمال: (۱)

قرآن میں ''الخلق'' کا لفظ 8 چیزوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

❶ دینِ حق کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [الروم: ۳۰]

❷ بمعنی جھوٹ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا﴾ [العنکبوت: ۱۷]

❸ تصویر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ﴾ [المائدہ: ۱۱۰]

④ ......تقدیر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ [الفرقان: ٣]

⑤ ......قوتِ گویائی دینے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [فصلت: ٢١]

⑥ ......بنانے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ [الروم: ٢١]

⑦ ......قیامت میں مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا﴾ [الصافات: ١١]

⑧ ......پیدا کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ [الزمر: ٥]

[بصائر ذوی التمییز: ٢/ ٥٦٩، ٥٧٠]

منکرینِ قیامت سے دوسرا خطاب:

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾

نہیں، تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لیے کوئی وعدہ

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے نائبین کی تعلیم اور تبلیغ سے جو تمہیں وقوعِ قیامت کا کچھ دھیان آجاتا تھا تو تم اسے یوں کہہ کر دفع کر دیتے تھے کہ ابھی نہ دوبارہ اُٹھنا ہے اور نہ حساب کتاب کا موقع آنا ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

''زعم'' اصل میں ایسی بات نقل کرنے کو کہتے ہیں جس میں جھوٹ کا احتمال ہو۔ اسی

لیے قرآن پاک میں یہ لفظ ہمیشہ اس موقع پر آیا ہے جہاں کہنے والے کی مذمت مقصود ہے۔ [بصائر ذوی التمیز: ۳/۱۲۹]

﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ﴾

اور (اعمال کی) کتاب سامنے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کرلیا ہو۔ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا۔

نامۂ اعمال کی پیشی کا بیان: (۱)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ

اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ

جب دربارِ خداوندی میں حاضری ہو جائے گی اور وہاں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی تو اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کیے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا۔ یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعہ بھی اور انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے بھی قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی، اعمال نامے پیش ہوں گے، ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا

اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا، نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا۔

اعمال ناموں کو اُڑانے والی ہوا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلْکُتُبُ کُلُّھَا تَحْتَ الْعَرْشِ فَاِذَا کَانَ الْمَوْقِفُ بَعَثَ اللّٰہُ رِیْحًا فَتَطِیْرُھَا بِالْاَیْمَانِ وَ الشَّمَائِلِ، اَوَّلُ خَطٍّ فِیْھَا: اِقْرَاْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا.''

''تمام اعمالنامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں۔ جب میدانِ قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمالناموں کو اُڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اوّل اعمالنامہ میں یہ تحریر ہوگی۔ ''اِقْرَاْ کِتَابَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا'' ''

قرآن اور نامۂ اعمال:

قرآن عظیم الشان نے روزِ قیامت انسانوں کے اعمال ناموں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے:

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝﴾ [الاسراء: ۱۳، ۱۴] (اور ہر شخص کے عمل کا انجام ہم نے اس کے اپنے گلے سے چمٹا دیا ہے۔ اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ ایک تحریر کی شکل میں نکال کر اس کے سامنے کر دیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ کہا جائے گا کہ لو پڑھ لو اپنا اعمال نامہ!

آج تم خود اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہو)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾﴾ [الکہف:۴۹] (اور اعمال کی کتاب سامنے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ تم مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے خوف زدہ ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہائے ہماری بربادی! یہ کیسی کتاب ہے جس نے ہمارا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہیں چھوڑا جس کا پورا احاطہ نہ کرلیا ہو۔ اور وہ اپنا سارا کیا دھرا اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ اور تمہارا پروردگار کسی پر کوئی ظلم نہیں کرے گا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾﴾ [الحاقۃ:۱۹،۲۰] (پھر جس کسی کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ لوگو! لو یہ میرا اعمال نامہ پڑھو۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾﴾ [الحاقۃ:۲۵،۲۶] (رہا وہ شخص جس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا کہ اے کاش! مجھے میرا اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ اور مجھے خبر بھی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے)؟

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۭ ﴿٧﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ۭ﴾ [المطففین:۷ تا ۹] (ہرگز ایسا نہیں چاہیے! یقین جانو کہ بدکار لوگوں کا اعمال نامہ سجین میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین میں رکھا ہوا اعمال نامہ کیا چیز ہے؟

وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ﴾ [المطففین:١٨] (خبردار! نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝﴾ [الانشقاق:٧ تا ١٢] (پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے تو آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس خوشی مناتا ہوا واپس آئے گا۔ لیکن وہ شخص جس کو اس کا اعمال نامہ اس کی پشت کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا)۔

قیامت میں مجرمین کے خوف کا منظر: ①

فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ

پھر تُو دیکھے گناہگاروں کو، ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے

جب دربارِ خداوندی میں حاضری ہوجائے گی اور وہاں حساب ہوگا اور پیشی ہوگی...... اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حجت قائم کیے بغیر بھی سزا دینے کا اختیار ہے لیکن...... وہ حجت قائم کر کے سزا دے گا، یہ حجت اعمال ناموں کے ذریعے، انسانوں کے اعضاء کی گواہی سے قائم ہوگی اور بعض دوسری چیزیں بھی گواہی دیں گی، اعمال نامے پیش ہوں گے، ہر شخص کا اعمال نامہ کھلا ہوگا جو اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ اچھے لوگوں کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں اور برے لوگوں کے اعمال نامے پشت کے پیچھے سے بائیں

ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اپنے اپنے اعمال نامے دیکھیں گے ان میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوگا، نافرمان اسے دیکھ کر ڈریں گے اور یوں کہیں گے کہ کاش! یہ اعمال نامہ ہمارے سامنے نہ آتا۔

قرآن میں لفظ ''مجرم'' اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال:

① ......بمعنی شرک تو مجرم بمعنی مشرک۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ⑪﴾ [المعارج: ۱۱]

② ......بمعنی قدریہ گمراہ فرقے کا عقیدہ تو مجرم بمعنی قدری فرقے کا عقیدہ رکھنے والا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝۴۷﴾ [القمر: ۴۷]

③ ......جرم بمعنی لواطت تو مجرم بمعنی لواطت کا مرتکب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۸۴﴾ [الاعراف: ۸۴]

④ ......دشمنی پر آمادہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ [المائدۃ: ۸]

⑤ ......بمعنی گناہ، لغزش۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ [ہود: ۳۵]

[بصائر ذوی التمییز: ۲/ ۳۵۵، ۳۵۶ بتغیر]

آیات کو جھٹلانے والے مجرم جنت سے محروم:

آیات کو جھٹلانے والے مجرم جنت سے محروم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰﴾

[الاعراف: ۴۰، ۴۱] (لوگو! یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور تکبر کے ساتھ ان سے منہ موڑا ہے، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اور اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے کیے کا بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

مجرم کی سزا:

قرآن مجید نے ''مجرم'' کے لیے سزائیں بیان فرمائی ہیں:

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝﴾ [ابراہیم: ۴۹ تا ۵۲] (اور اس دن تم مجرموں کو اس حالت میں دیکھو گے کہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ ان کے قمیص تارکول کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہو گی۔ تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ دے۔ یقیناً اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ یہ تمام لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ انہیں اس کے ذریعے خبردار کیا جائے، اور تاکہ وہ جان لیں کہ معبودِ برحق بس ایک ہی ہے، اور تاکہ سمجھ رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیں)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝﴾ [الکہف: ۵۳] (اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝﴾ [مریم: ۸۶] (اور

مجرموں کو پیاسے جانوروں کی ہنکا کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰي ۝﴾ [طٰہٰ: ۷۴] (حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس مجرم بن کر آئے گا، اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ [الزخرف: ۷۴ تا ۷۶] (البتہ جو لوگ مجرم تھے وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان کے لیے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا، اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝﴾ [القمر: ۴۷، ۴۸] (حقیقت یہ ہے کہ یہ مجرم لوگ بڑی گمراہی اور بے عقلی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس دن ان کو منہ کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا۔ اس دن انہیں ہوش آئے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو دوزخ کے چھونے کا مزہ)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝﴾ [الرحمٰن: ۴۱، ۴۴] (مجرم لوگوں کو ان کی علامتوں سے پہچان لیا جائے گا، پھر انہیں سر کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔ اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ یہ ہے وہ جہنم جسے یہ مجرم لوگ جھٹلاتے تھے۔ یہ اسی کے اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے)۔

مجرموں کے عمل خاک کی طرح اُڑیں گے:

روزِ قیامت مجرموں کے عمل خاک کی طرح اُڑتے پھر رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓىِٕكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ وَ یَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا۝۲۲ وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝۲۳﴾ [الفرقان: ۲۲، ۲۳] (جس دن ان کو فرشتے نظر آ گئے، اس دن ان مجرموں کے لیے کوئی خوشی کا موقع نہیں ہوگا، بلکہ یہ کہتے پھریں گے کہ خدایا! ہمیں ایسی پناہ دے کہ یہ ہم سے دور ہو جائیں۔ اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد و غبار کی طرح بے قیمت بنا دیں گے)۔

مجرموں کی نا اُمیدی:

قرآن عظیم الشان میں اللہ تعالیٰ نے مجرموں کی نا اُمیدی کو کھول کھول کے بیان فرمایا ہے:

...... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ۝۱۲﴾ [الروم: ۱۲] (اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز مجرم لوگ نا اُمید ہو جائیں گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۝۱۲﴾ [السجدۃ: ۱۲] (اور کاش! تم وہ منظر دیکھو جب یہ مجرم لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوں گے، کہہ رہے ہوں گے کہ ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس لیے ہمیں دنیا میں دوبارہ بھیج دیجیے، تاکہ ہم نیک عمل کریں۔ ہمیں اچھی طرح یقین آ چکا ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴿۲۲﴾ [السجدۃ:۲۲] (اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اپنے پروردگار کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ موڑ لیا۔ ہم یقیناً ایسے مجرموں سے بدلہ لے کر رہیں گے)۔

مجرموں سے خطابِ خداوندی:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرموں سے قہر بھرا خطاب فرمائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴿۵۹﴾ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴿۶۰﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴿۶۱﴾ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ﴿۶۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴿۶۳﴾﴾ [یٰسین:۵۹ تا ۶۳] (اور کافروں سے کہا جائے گا کہ اے مجرمو! آج تم مومنوں سے الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو گمراہ کر ڈالا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ یہ ہے وہ جہنم جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا)۔

مجرمین کی حسرت و حیرت کا بیان:

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا

اور کہتے ہیں: ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ، نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آ گئی

یعنی ذرّہ ذرّہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمالنامہ میں مندرج پائیں گے۔

قرآن میں لفظ ''ویل'' کا 12 قسم کے لوگوں کیلئے استعمال:

قرآن میں لفظ ''ویل'' 12 قسم کے لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے:

❶ ...... یہودیوں کے لیے، کیونکہ وہ تحریف کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ [البقرۃ:٧٩]

❷ ...... یہود کے لیے کیونکہ خاتم الانبیاء ﷺ کی صفات تورات میں تبدیل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ [البقرۃ:٧٩]

❸ ...... ابوجہل کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾﴾ [القیامۃ:٣٤]

❹ ...... عقبہ بن ابی معیط کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾﴾ [الفرقان:٢٨]

❺ ...... ظالموں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾﴾ [الزخرف:٦٥]

❻ ...... کفار اور مشرکین کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٧﴾﴾ [مریم:٣٧]

❼ ...... جھوٹے لوگوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ﴿٧﴾﴾ [الجاثیۃ:٧]

❽ ...... رسولوں کو جھٹلانے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾﴾ [الطور:١١]

⑨ ...... گنہگاروں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [الزمر:٢٢]

⑩ ...... عیب جو اور عیب گو شخص لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١﴾ [الھمزہ:١]

⑪ ...... نماز میں غفلت کرنے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝٤ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝٥﴾ [الماعون:٤،٥]

⑫ ...... ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١﴾ [المطففين:١]

[بصائر ذوی التمییز: ٥/ ٢٩٠، ٢٩١]

قرآن میں بیان کردہ مختلف گناہ:

قرآن عظیم الشان میں مختلف گناہ بیان کیے گئے ہیں، ذیل میں ان کو درج کیا جا رہا ہے:

① ...... شرک۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝٤٨﴾ [النساء:٤٨] (اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے)۔

② ...... یتیم کا مال ہڑپ کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠﴾ [النساء:١٠] (یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا)۔

③ ...... سود کھانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ

الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ۝﴾ [البقرۃ:۲۷۵،۲۷۶] (جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو، یہ اس لیے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ سودی معاملات سے باز آگیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا، وہ اسی کا ہے۔ اور اس کی باطنی کیفیت کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو)۔

④ ...... زنا کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا۝﴾ [الاسراء:۳۲] (اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، وہ یقینی طور پر بڑی بے حیائی اور بے راہ روی ہے)۔

⑤ ...... چوری۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ [المائدہ:۳۸] (اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو)۔

⑥ ...... شراب پینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾ [المائدہ:۹۱] (شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے)۔

7 ...... جھوٹی گواہی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾ [الفرقان:۷۲] (اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے، اور وہ جب گزرتے ہیں بے ہودہ چیزوں کے پاس سے، گزر جاتے ہیں شریفانہ)۔

8 ...... والدین کی نافرمانی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾ [الاسراء:۲۳] (اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو)۔

9 ...... قتل کرنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ [النساء:۹۳] (اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے)۔

10 ...... پاکدامن عورت پر تہمت لگانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ [النور:۲۳] (یاد رکھو کہ جو لوگ پاک دامن بھولی بھالی مسلمان عورتوں پر

تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار پڑ چکی ہے اور ان کو اس دن زبردست عذاب ہوگا)۔

گناہِ کبیرہ کی تعریف:

گناہِ کبیرہ کی تعریف کے بارے میں متعدد اقوال ہیں:

...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''اَلْأَدَبُ الْمُفْرَد'' میں ذکر کی ہے، اس میں نو (9) چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

1 ...... شرک باللہ، کسی کو اللہ کا شریک بنانا۔

2 ...... ناحق کسی کو قتل کرنا۔

3 ...... پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا۔

4 ...... زنا کرنا۔

5 ...... میدانِ جنگ سے بھاگنا۔

6 ...... جادو، یعنی کسی کو ناحق تکلیف پہنچانے کے لیے جادو کرنا۔ مثلاً کسی کو بیمار یا ہلاک کرنا یا میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا۔

7 ...... یتیم کا مال کھانا۔

8 ...... مسلمان والدین کی نافرمانی کرنا۔

9 ...... حرم میں گناہ کے کام کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ''آکِلُ الرِّبٰوا'' کا اضافہ کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ''چوری'' اور ''شراب نوشی'' کا ان نو مذکورہ چیزوں پر اضافہ کیا ہے۔

......بعض حضرات نے کہا ہے جس گناہ کا فساد مذکورہ گناہوں کے فساد کے مثل ہو یا اس سے

زائد ہو، وہ کبیرہ ہے۔ مثل اور برابر کی مثال جیسے شراب کے علاوہ کسی مسکر چیز کا استعمال۔
زائد کی مثال جیسے مال چھیننے کے ساتھ ساتھ راستہ روکنا، یہ سرقہ سے زائد چیز ہے۔
.....اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے کہ جس سے شارع نے خاص طور پر ڈرایا ہو، شارع کا اطلاق اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ہوتا ہے۔ تو جس خصوصیت سے وعید آئی ہو، وہ کبیرہ ہے۔ جیسے ''کُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ'' وغیرہ۔ خصوصیت کی قید لگا کر وعید عام سے احتراز کیا ہے، کیونکہ وعید عام ہر معصیت کو شامل ہے۔
.....اور بعض کا کہنا ہے کہ ہر وہ معصیت کہ جس پر بندہ نے اصرار کیا ہو، یعنی معمولی سمجھ کر اس پر جمار ہے تو وہ کبیرہ ہے اور ہر وہ گناہ کہ جس سے بندہ نے استغفار کر لیا ہو، وہ صغیر ہے۔
.....صاحبِ کفایہ نے کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ صغیرہ و کبیرہ دونوں اضافی چیزیں ہیں، جن کی بذاتِ خود کوئی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ہر گناہ جس کا اس سے بڑے گناہ کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو وہ صغیرہ ہے اور اگر اس سے چھوٹے گناہ سے موازنہ کیا جائے تو وہ کبیرہ ہے۔ مثلاً کسی کی آنکھ پھوڑ دینا، قتل ناحق کے مقابلہ میں صغیرہ ہے اور تھپڑ مار دینے کے مقابلہ میں کبیرہ ہے۔

قرآن میں لفظ ''کبیر'' اور اس سے متعلقہ الفاظ کا استعمال:

قرآن میں لفظ ''کبیر'' اور اس سے متعلقہ الفاظ 12 مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہیں:

1 ..... بمعنی بھاری چیز۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَي الْخٰشِعِيْنَ ﴾ [البقرۃ:۴۵]

2 ..... کثرت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ

صَغِيرًا اَوْ كَبِيرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ﴾ [البقرۃ:۲۸۲]

③......بمعنی بڑا گناہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ [النساء:۳۱]

④......زیادہ منور کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ [الانعام:۷۸]

⑤......فضل وعلم اور ذہانت کے اعتبار سے بڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ [طٰہٰ:۷۱]

⑥......جسمانی طور پر بڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ [الانبیاء:۶۳]

⑦......بڑی عمر والا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا﴾ [یوسف:۷۸]

⑧......حد سے تجاوز کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ⑨﴾ [الملک:۹]

⑨......بمعنی شدید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲﴾ [الفرقان:۱۹]

⑩......جنت کی کامیابی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ⑪﴾ [البروج:۱۱]

⑪......ثواب کی زیادتی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪﴾ [ہود:۱۱]

جلال وعظمت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ﴾ [الرعد:۹]

[بصائر ذوی التمییز: ۴/۳۲۷، ۳۲۸]

چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرو:

حضرت سعد بن جنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوکر واپس لوٹے تو ہم نے ایک ویران بے آب وگیاہ مقام پر پڑاؤ ڈالا، جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَجمِعُوا، مَن وَّجَدَ عُوْدًا فَلْيَأْتِ بِهٖ وَمَن وَّجَدَ عَظْمًا أَوْ شَيْئًا فَلْيَأْتِ بِهٖ''

''جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے۔''

تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے تھوڑا تھوڑا لاکر ڈھیر کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَتَرَوْنَ هٰذَا؟ فَكَذٰلِكَ تَجْتَمِعُ الذُّنُوبُ عَلَى الرَّجُلِ مِنْكُمْ كَمَا جَمَعْتُمْ هٰذَا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَجُلٌ فَلَا يُذْنِبُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً فَإِنَّهَا مُحْصَاةٌ عَلَيْهِ.''

[المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۵۴۸۵]

''تم اس کو دیکھ رہے ہو؟ جس طرح تم نے تھوڑا تھوڑا جمع کرکے یہ ڈھیر کردیا، اسی طرح آدمی پر چھوٹے چھوٹے گناہوں کا اجتماع ہوجاتا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے، اور سمجھ رکھے کہ ہر گناہ شمار کرکے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔''

......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''إِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الْأَعْمَالِ فَإِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا'' [صحیح ابن حبان، رقم:۵۵۶۶] (جن گناہوں کو

حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنے والا بھی قیامت کے دن ہوگا)۔

حضرت انس نے فرمایا: ''إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا، هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعَرِ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوبِقَاتِ'' [صحیح بخاری، رقم: ۶۴۹۲] (تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے)۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا آیت کے متعلق فرماتے ہیں: ''سُئِلُوْا حَتّٰى التَّبَسُّمِ، فَقِيْلَ: فِيْمَ تَبَسَّمْتَ يَوْمَ كَذَا وَ كَذَا؟!'' [تفسیر در منثور تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف، ۴۹] (لوگوں سے مسکراہٹ کے بارے میں پوچھا جائے گا، چنانچہ کہا جائے گا کہ فلاں فلاں دن کیوں مسکرایا تھا)؟

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام کبائر تین چیزوں میں منحصر ہیں:

① ......خواہشات کی پیروی کرنا۔

② ......دنیا کی محبت۔

③ ......غیر اللہ کی طرف نگاہ اُٹھانا۔

کیونکہ انہی سے شرک، نفاق، ریا کاری اور دیگر بُرائیوں کا راستہ کھلتا ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: ''قَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا'' (ہائے خرابی! کیسا ہے یہ کاغذ، نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آ گئی)۔ اس

آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے گناہ سب قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی گناہ محو نہ ہوگا، لیکن دیگر آیات سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹے گناہ دنیا میں محو ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ '' [النساء:۳۱] (اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے)۔

جواب 1: پہلی آیت کفار کے بارے میں ہے اور ''فَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ''اس پر دال ہے کہ مجرمین سے مراد کفار ہیں، جبکہ دوسری آیت میں مومنین کا ذکر ہے، کیونکہ کبائر سے اجتناب کا صغیرہ گناہوں کے لیے کفارہ ہونا، کافر کے حق میں نہیں ہوسکتا۔ یعنی اس انعام کا مستحق کافر کیسے ہوسکتا ہے۔

جواب 2: علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ جن صغائر کی معافی کا وعدہ بشرطِ اجتناب کبائر ہوا ہے، ان کو صاحبِ اعمال پہلے دیکھ لے گا پھر اللہ معاف کر دیں گے۔
[تطبیق الآیات، صفحہ ۲۸۵]

حاضریٔ اعمال کا بیان:

وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا

اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے

ہر شخص کا ضمیر اس بات پر شاہد ہوگا کہ نامۂ اعمال میں درج شدہ تمام اعمال اسی کے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ کا مفلس کون؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَتَدۡرُونَ مَا الۡمُفۡلِسُ؟''

''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

''الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ''

''ہم میں مفلس وہ آدمی ہے کہ جس کے پاس مال اسباب نہ ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطَى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ.))

[صحیح مسلم، رقم:۲۵۸۱]

''قیامت کے دن میری اُمت کا مفلس وہ آدمی ہوگا کہ جو نماز، روزے اور زکوۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا، لیکن اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

بدی کی جزا بقدرِ اعمال:

قرآن عظیم الشان میں متعدد مقامات پہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ہر کسی کو اس کی نیکی یا بدی کے برابر ہی بدلہ دیا جائے گا:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الاعراف:۱۴۷] (اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، ان کے اعمال غارت ہو گئے ہیں۔ انہیں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود ان اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے)۔

.....ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ [یونس:۵۲] (پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو، تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، صرف اس بدی کا بدلہ دیا جارہا ہے جو تم کماتے رہے ہو)۔

....ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ [النمل:۹۰] (اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگوں کو منہ کے بل آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ تمہیں کسی اور بات کی نہیں، انہی اعمال کی سزا دی جائے گی جو تم کیا کرتے تھے)۔

.....ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [القصص:۸۴] (جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر چیز ملے گی، اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کیے ہیں، ان کو کسی اور چیز کی نہیں، ان کے کیے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ

تَعۡمَلُوۡنَ﴿۵۴﴾ [یٰسین:۵۴] (چنانچہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۳۹﴾﴾ [الصافات:۳۹] (اور تمہیں کسی اور بات کا نہیں، خود تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدۡعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۲۸﴾﴾ [الجاثیہ:۲۸] (اور تم ہر گروہ کو دیکھو گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے۔ ہر گروہ اس کے اعمال نامے کی طرف بلایا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ﴿۱۶﴾﴾ [الطور:۱۶] (داخل ہو جاؤ اس میں، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تمہارے لیے برابر ہے۔ تمہیں انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾﴾ [النجم:۳۹] (اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا بدلہ لینے کا حق نہیں پہنچتا)۔

فوائد السلوک: ①

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہوں گے۔ جب ظاہر الفاظ ''وَوَجَدُوۡا مَا عَمِلُوۡا حَاضِرًا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے۔ ان اعمال کے اثر قیامت کے روز شکلیں بن کر اہل محشر کو نظر آئیں گی۔ مثلاً جو چوری کر چکا ہے تو وہاں نظر آئے گا کہ چوری کر رہا ہے، زنا کر چکا ہے تو وہاں نظر آئے گا کہ زنا کر رہا ہے، غرض جو آثار اعمال کے اس کے بدن میں

جمع ہیں سب وہاں اعمال بن کر نظر آئیں گے۔

اس کی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کردی ہے۔ جس طرح بائیسکوپ کے اندر گزشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ بن جائے گا اور اس کے ہاتھ پیر گراموفون کی طرح (جو کچھ اس نے کیا ہے) بولیں گے۔ چنانچہ ایک زانی کی حکایت ہے کہ زنا کر کے غسل کر رہا تھا، غسل کا پانی نالی سے بہہ رہا تھا، ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا، اس پانی کو دیکھ کر کہا: اس میں زنا بہہ رہا ہے۔ پوچھا: حضرت! آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: کوئی زانی غسل کر رہا ہے، مجھے پانی کے ہر ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے۔

اہل کشف کو اعمال کی صورتیں نظر آجاتی ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے، فرشتوں کو تو اعمالِ ماضیہ کا نامۂ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے، جبکہ اہل کشف کے لیے یہ شخص اپنا آپ نامۂ اعمال ہے۔ اسی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

؎ غِذَائُكَ فِيْكَ وَمَا تَبْصُرُ
دَوَائُكَ مِنْكَ وَمَا تَشْعُرُ

’’تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں۔ تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔‘‘

وَ أَنْتَ الكِتَابُ المُبِينُ الَّذِي
بِأَحْرُفِهٖ يَظْهَرُ المُضْمَرُ

''تم وہ کھلی کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے۔''

وَ تَزْعَمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ
وَ فِيكَ تُطْوَى العَالَمُ الأَكْبَرُ

''تم اپنے آپ کو چھوٹا جسم سمجھتے ہو، حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے۔''

[اشرف التفاسیر تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف، ۴۹]

حشر میں ظلم نہ ہونے کا بیان:

﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾

اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر

یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتا یا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اس بات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾[البقرۃ:۲۷۲] (اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾[البقرۃ:۲۸۱] (اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [آل عمران:۲۵] (اور ہر ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ [النساء:۷۷] (کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لیے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾ [الانفال:۶۰] (اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی جائے گی)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [ہود:۱۱۱] (اور یقین رکھو کہ سب لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ تمہارا پروردگار ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا۔ یقیناً وہ ان کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ [النحل:۱۱۱] (یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب ہر شخص اپنے دفاع کی باتیں کرتا ہوا آئے گا اور ہر ہر شخص کو اس کے سارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ [بنی اسرائیل:۷۱] (اس دن کو یاد رکھو جب

ہم تمام انسانوں کو ان کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جنہیں ان کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھیں گے اور ان پر ریشہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۝۶۰﴾ [مریم:۶۰] (البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے، اور نیک عمل کیے تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا)۔

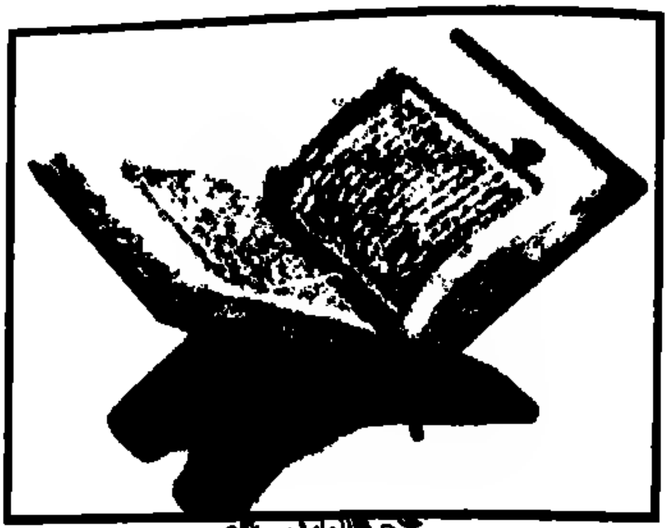
ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَالۡيَوۡمَ لَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـئًا وَّلَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۵۴﴾ [یٰسین:۵۴] (چنانچہ اس دن کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور تمہیں کسی اور چیز کا نہیں، بلکہ انہی کاموں کا بدلہ ملے گا جو تم کیا کرتے تھے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَـقِّ وَلِتُجۡزٰى كُلُّ نَفۡسٍۢ بِمَا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۝۲۲﴾ [الجاثیہ:۲۲] (اللہ نے سارے آسمانوں اور زمین کو برحق مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس لیے کیا ہے کہ ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دیا جائے اور دیتے وقت ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمۡ اَعۡمَالَهُمۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ ۝۱۹﴾ [الاحقاف:۱۹] (اور ہر ایک گروہ کے اپنے اعمال کی وجہ سے مختلف درجے ہیں، اور اس لیے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا)۔

......حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا'' [صحیح مسلم، رقم:۲۵۷۷] (اے

میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)۔



تفسیر

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

......ابلیس کے سجدہ سے انکار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[آیت:۵۰]

......شیطان کی دشمنی کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۵۰]

......شیطان کی دوستی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔[آیت:۵۰]

......اللہ تعالیٰ نے اپنی بے نیازی کو بیان فرمایا ہے۔[آیت:۵۱]

......روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کا مجرموں سے خطاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[آیت:۵۲]

...... بتایا گیا ہے کہ مجرمین کس قدر بے یارومددگار رہوں گے۔[آیت:۵۳]

......مزید یہ بتایا گیا ہے کہ مجرمین کو قیامت کے دن آتشِ دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔[آیت:۵۳]

ربط:

دولت مند مشرک اپنے مال ودولت اور کثرتِ اولاد کی بناء پر اپنے مومن اور نادار بھائی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور اس طرح غرور وتکبر کا مرتکب ہوتا تھا، مومن آدمی نے اسے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے، وہ اگر چاہے تو تیرے باغ، مال اور اولاد کو ضائع

کردے۔ لہٰذا اس عارضی مال واولاد پر تکبر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ تو بڑی ہی نادانی کی بات ہے۔

اسی تکبر ہی کے ضمن میں اب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا ذکر کیا ہے کہ اس نے بھی تکبر کی بنا پر ہی سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا اور بالآخر ذلیل وخوار اور ہمیشہ کے لیے مردود ٹھہرا۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝٥٠﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، وہ جنات میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ کیا پھر بھی تم میرے بجائے اسے اور اس کی ذرّیت کو اپنا رکھوالا بناتے ہو۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں؟ (اللہ تعالیٰ کا) کتنا بُرا متبادل ہے جو ظالموں کو ملا ہے۔

قصہ آدم وابلیس: ①

وَإِذْ قُلْنَا

اور جب کہا ہم نے

اس سے پہلے مجرمین کے حال احوال بیان ہوگئے کہ قیامت کے دن وہ کیسے پریشان حال ہوں گے، حسرت وافسوس کریں گے۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر جرم کے جراثیم شیطان ابلیس ڈالتا ہے جو انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

قصۂ آدم وابلیس کے تکرار کی حکمت:

قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے کا حکم، ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔

اس جگہ بھی خاص مقصد کے لیے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ (مالِ دنیا اور شرافتِ نسب اور عزتِ قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیاتِ مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لیے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہواءِ نفس اور اغواءِ ابلیسی ہے۔ اس لیے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی اور اس کی فنا پذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمالِ صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا، پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغواء سے بچنے کی درپردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدۂ ملائکہ اور انکارِ ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

قرآن مجید میں لفظ ''قول'' کا 7 طرح استعمال:

قرآن مجید میں لفظ ''قول'' 7 طرح سے استعمال ہوا ہے:

① ..... بولنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ [البقرۃ: ۲۰۴]

② حکم کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ [البقرۃ:۵۹]

③ قول (بات) کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ [البقرۃ:۳۰]

④ ..... قرآن مجید کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾﴾ [المؤمنون:۶۸]

⑤ ..... عذاب کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾﴾ [النمل:۸۵]

⑥ ..... وضاحت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾﴾ [الاحزاب:۴]

⑦ ..... تکوین کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾﴾ [فصلت:۱۱]

[وجوہ القرآن، صفحہ ۳۴۲، ۳۴۳]

مامورینِ سجدہ کا بیان: (۱)

لِلْمَلٰٓئِكَةِ

فرشتوں کو

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں سات جگہ اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام مسجودِ ملائکہ تھے، سب فرشتوں نے انہیں بحکمِ الٰہی سجدہ کیا۔ چنانچہ:

..... اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ

اِبْلِیْسَ﴾ [البقرۃ:۳۴] (اور اس وقت کا تذکرہ سنو! جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ [الاعراف:۱۱] (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾ [الحجر:۳۰] (چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ [الاسراء:۶۱] (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا، لیکن ابلیس نے نہیں کیا)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ [الکھف:۵۰] (اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۭ اَبٰى ۝﴾ [طٰہٰ:۱۱۶] (یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، البتہ ابلیس تھا جس نے انکار کیا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾ [ص:۷۳] (پھر ہوا یہ کہ سارے کے سارے فرشتوں نے تو سجدہ کیا)۔

70 ہزار فرشتوں کا روزانہ طواف:

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں شب معراج میں ساتویں آسمان پر پہنچا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کر کے فارغ ہوا تو میرے سامنے "بیت معمور" ظاہر کیا گیا۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

"هٰذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ." [صحیح بخاری، رقم: ۳۲۰۷]

"یہ بیت معمور ہے جس میں ہر روز 70 ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں جب وہ (نماز پڑھ کر) نکل جاتے ہیں تو فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے وہ قیامت تک واپس نہیں آتے، یعنی قیامت تک دوبارہ ان کی باری نہیں آئے گی۔"

فرشتوں کی ڈیوٹیاں

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو کئی کاموں پر لگا رکھا ہے اور فرشتے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ مثلاً:

کافروں کو جہنم میں داخل کرنا:

اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے کفار کو جہنم میں داخل کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾﴾ [الحاقہ: ۳۰ تا ۳۲] (پکڑو اسے اور اس کے گلے میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر اسے ایسی زنجیر میں پرو دو جس کی پیمائش 70 ہاتھ

کے برابر ہو)۔

ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنا:

بعض فرشتے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھنے کی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [الانفال:۱۲] (وہ وقت یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مومنوں کے قدم جماؤ)۔

اَرواح قبض کرنا:

بعض فرشتے انسانوں کی اَرواح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝﴾ [النازعات:۱،۲] (قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی روح سختی سے کھینچتے ہیں۔ اور جو مومنوں کی روح کی گرہ نرمی سے کھول دیتے ہیں)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [الانعام:۹۳] (اور اگر تم وہ وقت دیکھو تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی جانیں نکالو)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ [السجدۃ:۱۱] (کہہ دو کہ تمہیں موت کا وہ فرشتہ پورا پورا وصول کرلے گا جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، پھر تمہیں واپس تمہارے پروردگار کے پاس لے جایا جائے گا)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

وَاَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾﴾ [محمد:٢٧] (پھر اس وقت ان کا کیا حال بنے گا جب فرشتے ان کی روح اس طرح قبض کریں گے کہ ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے جاتے ہوں گے)؟

دوزخ پر نگرانی:

بعض فرشتوں کو اللہ نے دوزخ کی نگرانی پر لگایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٦﴾﴾ [التحریم:٦] (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اس پر سخت کڑے مزاج کے فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے کسی حکم میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿٧٧﴾﴾ [الزخرف:٧٤ تا ٧٦] (البتہ جو لوگ مجرم تھے وہ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ عذاب ان کے لیے ہلکا نہیں پڑنے دیا جائے گا اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود ہی ظالم لوگ تھے۔ اور وہ دوزخ کے فرشتے سے پکار کر کہیں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ وہ کہے گا کہ تمہیں اسی حال میں رہنا ہے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً﴾ [المدثر:٣٠، ٣١] (اس پر 19 (انیس) کارندے مقرر ہوں گے۔ اور ہم نے دوزخ کے یہ کارندے کوئی اور نہیں، فرشتے مقرر کیے ہیں)۔

انسان کی حفاظت:

بعض فرشتے انسان کی حفاظت کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ [الانعام:٦١] (وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے اور تمہارے لیے نگہبان فرشتے بھیجتا ہے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [الرعد:١١] (ہر شخص کے آگے اور پیچھے وہ نگراں فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے باری باری اس کی حفاظت کرتے ہیں)۔

عرش کا اُٹھائے رکھنا:

بعض فرشتے عرشِ الٰہی کو مستقل طور پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ [غافر:٧] (وہ فرشتے جو عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے گرد موجود ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو لوگ ایمان لے آئیں ہیں ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں)۔

اہل جنت کی خاطر مدارت کرنا:

اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو اہل جنت کی خاطر مدارت کرنے پر لگایا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾﴾ [الرعد:٢٣، ٢٤] (ہمیشہ رہنے کے لیے وہ باغات جن میں وہ خود بھی

داخل ہوں گے اوران کے باپ دادوں، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی، اوران کے استقبال کے لیے فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تم نے دنیا میں جو صبر سے کام لیا تھا، اس کی بدولت اب تم پر سلامتی ہی سلامتی نازل ہوگی اور تمہارے اصلی وطن میں یہ تمہارا بہترین انجام ہے)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾﴾ [النحل: ۳۲] (یہ وہ لوگ ہیں جن کی روحیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوتے ہیں وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر! جو عمل تم کرتے رہے ہو، اس کے صلے میں جنت میں داخل ہو جاؤ)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾ [الزمر: ۷۳] (یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے جبکہ اس کے دروازے ان کے لیے پہلے سے کھولے جا چکے ہوں گے تو وہ عجیب عالم ہوگا۔ اور اس کے محافظ ان سے کہیں گے کہ سلام ہو آپ پر، خوب رہے آپ لوگ! اب اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے آجائیے)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ [فصلت: ۳۰] (دوسری طرف جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان پر بے شک فرشتے یہ کہتے ہوئے اُتریں گے کہ نہ کوئی خوف دل میں لاؤ، نہ کسی بات کا غم کرو اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا)۔

اعمال لکھنا: ⑨

فرشتوں میں سے بعض انسانوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری

تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝﴾ [الانفطار:١٠ تا ١٢] (حالانکہ تم پر کچھ نگراں فرشتے مقرر ہیں۔ وہ معزز لکھنے والے۔ جو تمہارے سارے کاموں کو جانتے ہیں)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝﴾ [یونس:٢١] (یقیناً ہمارے فرشتے تمہاری ساری چالبازیوں کو لکھ رہے ہیں)۔

وحی لانا:

بعض کے ذمے انبیاء ﷺ تک وحی لانے کی ڈیوٹی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝﴾ [النحل:٢] (وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اس زندگی بخشنے والی وحی کے ساتھ اُتارتا ہے کہ لوگوں کو آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو، کسی اور سے نہیں)۔

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾ [الحج:٧٥] (اللہ فرشتوں میں سے بھی اپنا پیغام پہنچانے والے منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔ یقیناً اللہ ہر بات سنتا، ہر چیز دیکھتا ہے)۔

مومنین کی امداد:

اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے مومنین کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝﴾ [آل عمران:١٢٤، ١٢٥] (جب بدر کی جنگ میں تم

مومنوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہو گی)۔

فرشتوں کا کھانا پینا:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْمَلَائِکَۃُ طَعَامُہَا وَ شَرَابُہَا، ذِکْرُ الحَقِّ وَالتَّسْبِیْحُ وَالتَّہْلِیْلُ'' (فرشتوں کا کھانا پینا اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی تسبیح اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنا ہے)۔

فرشتوں کا کلام اور ان کی شکلیں:

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لَیسَ فِي خَلْقِ اللّٰہِ أَلَذُّ حَدِیثًا مِنَ المَلَائِکَۃِ، أَحْسَنُ الخَلِیقَۃِ صُوَرًا، وَ أَلَذُّھُمْ کَلَامًا.''

''اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے لذیذ کلام فرشتوں کی ہے اور ان کی شکل و صورت بھی بہت خوبصورت ہوتی ہے۔''

حکمِ خداوندی کا بیان:

اُسْجُدُوْا

سجدہ کرو

سجدہ مقامِ قرب ہے۔ اور یہ بہت بڑی عبادت ہے، اس سے بندہ اللہ تعالیٰ کے

قریب ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں بندہ ساری دنیا سے منہ موڑ کے اپنی پیشانی پروردگار کے سامنے رگڑتا ہے، اس وقت یہ شاہ نہیں رہتا، بلکہ گدا بن جاتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

سجدہ شیطانی چال کے لیے ڈھال:

انسان ابلیس کی چال سے کسی حالت میں نہیں بچتا، سوائے حالتِ سجدہ کے۔ چنانچہ جب بندہ سجدہ ریز ہو جاتا ہے تو شیطان کو اپنی نافرمانی یاد آجاتی ہے، غمگین ہو جاتا ہے اور حالتِ سجدہ میں بندے سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز میں دو سجدوں کا فلسفہ:

......نماز کی ہر رکعت میں دو سجدوں کا فلسفہ یہ ہے کہ پہلا سجدہ حکم کی بجا آوری ہے، کیونکہ شیطان نے انکار کیا تھا۔ اور دوسرا سجدہ حکم کی بجا آوری پر بطورِ شکر ہوتا ہے۔

......بعض حضرات فرماتے ہیں کہ پہلا سجدہ سجدۂ شکر ہے۔ اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی۔ اور دوسرا سجدۂ عجز و خوف ہے۔

لفظ ''سجدہ'' کی تحقیق:

''سجدہ'' کے اصل معنی ''عاجزی'' کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کرنے کو ''سجود'' کہا جاتا ہے اور یہ انسان حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے، کیونکہ سجود کی دو قسمیں ہیں:

❶ سجود اختیاری: جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور اسی سے وہ ثواب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ [النجم:۶۲] (اب بھی جھک جاؤ اللہ کے سامنے اور اس کی بندگی کرلو)۔

❷ سجودِ تسخیری: جو انسان حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ [الرحمٰن:۶] (اور بیلیں اور درخت سب اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں)۔

قرآن میں لفظ ''سجدہ'' کا 8 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''سجدہ'' 8 معانی میں استعمال ہوا ہے:

❶ ...... سجدۂ شکر کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ [البقرۃ:۳۴]

❷ ...... بمعنی نماز۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [الرعد:۱۵]

❸ ...... ساجد بمعنی انبیاء علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ [الشعراء:۲۱۹]

❹ ...... خضوع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا﴾ [الفرقان:۶۰]

❺ ...... تواضع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ [یوسف:۱۰۰]

❻ ...... بمعنی رکوع۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ [البقرۃ:۵۸]

⑦ سجدۂ صلوٰۃ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ [العلق:۱۹]

⑧ مسخر کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ﴾ [الرحمٰن:٦] دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿سُجَّدًا لِلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ﴾ [النحل:۴۸]

[بصائر ذوی التمییز: ۱۸۹/۳، ۱۹۰ بزیادۃ]

مسجود کا بیان:

لِاٰدَمَ
آدم کو

آدم علیہ السلام کے پانچ نام:

① ...... آدم۔

② ...... خلیفہ۔

③ ...... بشر۔

④ ...... انسان۔

⑤ ...... ابوالبشر۔

''آدم'' کہنے کی وجہ:

اس کے بارے میں کچھ اقوال پیش خدمت ہیں:

پہلا قول: یہ ''أَدِيْمُ الْأَرْض'' (روئے زمین) سے مشتق ہے اور ان کا نام ''آدم'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ ان کے جسم کو بھی ''أَدِيْمُ الْأَرْض'' (روئے زمین) کی مٹی سے پیدا

کیا گیا ہے۔

دوسرا قول: یہ ''أُدْمَةٌ'' سے مشتق ہے جس کے معنی ''گندمی رنگ'' کے ہیں۔ چونکہ آدم علیہ السلام بھی گندمی رنگ کے تھے اس لیے انہیں اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، چنانچہ ''رَجُلٌ آدَمُ'' کے معنی ''گندمی رنگ مرد'' کے ہیں۔

تیسرا قول: وہ مختلف عناصر اور متفرق قویٰ کے امتزاج سے پیدا کیے گئے تھے، جیسا کہ آیت: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ﴾[الانسان:۲] (ہم نے انسان کو ایک ملے جلے نطفے سے اس طرح پیدا کیا کہ اسے آزمائیں) سے معلوم ہوتا ہے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ آدم، ''اِدَامٌ'' سے مشتق ہے اور ''اِدَامٌ'' (سالن وغیرہ ہر چیز کو کہتے ہیں جس سے طعام کو لذیذ اور خوشگوار محسوس ہو) اور آدم علیہ السلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی روح ڈال کر اسے پاکیزہ بنا دیا تھا جیسا کہ آیت: ﴿وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ﴾[الحجر:۲۹] (اور اس میں اپنی روح پھونک دوں) میں مذکور ہے اور پھر اسے عقل و فہم اور فکر عطا کر کے دوسری مخلوق پر فضیلت بھی دی ہے، جیسے فرمایا: ﴿وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ۝﴾ [الاسراء:۷۰] (اور ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی ہے)۔ اس بناء پر ان کا نام ''آدم'' رکھا گیا ہے اور حدیث میں ہے: ''اُنْظُرْ إِلَیْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَن یُّؤْدَمَ بَیْنَکُمَا'' [جامع ترمذی، رقم:۱۰۸۷] (تُو اپنی منگیتر کو ایک نظر دیکھ لے، اس سے تمہارے درمیان اُلفت اور خوشگواری پیدا ہو جانے کا زیادہ امکان ہے)۔

[مفردات القرآن تحت لفظ آدم]

جنت سے خارجہ:

روایات میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا:

''کَیْفَ وَجَدْتَّ نَفْسَكَ عِنْدَ الزَّلَّةِ؟''

''لغزش کے وقت آپ نے اپنے نفس کو کیسے پایا؟''

انہوں نے فرمایا:

''کَرَجُلٍ اِنْکَسَرَتْ أَعْضَاؤُهٗ فَلَمْ یَبْقَ مَفْصِلٌ مَعَ مَفْصِلٍ''

''اس شخص کی طرح جس کے سارے اعضاء اس طرح توڑ دیئے گئے ہوں کہ ایک جوڑ دوسرے جوڑ کے ساتھ نہ رہے۔''

پھر ان سے پوچھا گیا:

''کَیْفَ وَجَدْتَ نَفْسَكَ عِنْدَ الْخُرُوجِ مِنَ الْجَنَّةِ؟''

''آپ نے جنت سے نکلتے وقت کیا محسوس کیا؟''

انہوں نے فرمایا:

''اَلْمَوْتُ أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ ذٰلِكَ.'' [بصائر ذوی التمییز :٦/١٧٢]

''موت، مجھ پر اس نکلنے سے زیادہ آسان ہے۔''

حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مکالمہ:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا:

''أَنتَ الَّذِي أَشْقَيْتَ النَّاسَ وَأَخْرَجْتَهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ؟''

''کیا تم وہی آدم ہو جنہوں نے سب لوگوں کو محنت میں ڈالا اور جنت سے باہر نکلوایا؟''

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا:

''أَنْتَ مُوسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهٖ وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ التَّوْرَاةَ''

"کیا تم وہی موسیٰ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عطا فرمائی اپنے لیے خاص کیا اور پھر تم پر تورات نازل فرمائی؟"

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: جی ہاں!

آدم علیہ السلام نے کہا:

"فَوَجَدْتَهَا كُتِبَ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي؟"

"تم نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ یہ غلطی میری پیدائش سے قبل لکھ دی گئی تھی؟"

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں!

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى." [صحیح بخاری، رقم: ۳۷۳۶]

"آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔"

آدم علیہ السلام کا مادۂ تخلیق:

شیخ ابو اسحاق زجاج فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے مادہ کے بارے میں آیات مختلف ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا: ﴿خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ﴾ [آل عمران: ۵۹] (اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪﴾ [الصافات: ۱۱] (لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ㉖﴾ [الحجر: ۲۶] (سڑے ہوئے گارے کی مٹی سے پیدا کیا)۔

......ایک اور جگہ فرمایا: ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ⑭﴾ [الرحمٰن: ۱۴] (ٹھیکرے کی طرح

کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا)۔

سب کا لب لباب ایک ہے اور وہ ''مٹی'' ہے۔ چنانچہ آپ کو ''مٹی'' سے پیدا کیا گیا، جو گارا بن گیا، پھر وہ گارا ''حَمَاٍ مَّسْنُوْن'' میں تبدیل ہوگیا، پھر وہ ''صَلْصَالٍ كَالْفَخَّار'' کی شکل اختیار کر گیا۔

آگ پر مٹی کی فضیلت اور اس کی پانچ وجوہات:

امام ثعالبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب شیطان نے کہا: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ تو حکماء فرماتے ہیں کہ شیطان نے ''آگ'' کو ''مٹی'' پر فضیلت دینے میں غلطی کا شکار ہوا۔ اس لیے کہ ''مٹی'' مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ''آگ'' پر فضیلت رکھتی ہے:

① ...... مٹی کے اندر کئی ساری چیزیں ہوتی ہیں، جیسے سکون، وقار، بردباری، صبر وغیرہ۔ اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ اور تواضع کا سبب تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور نبوت کا تاج سر پہ سجا دیا...... جبکہ آگ کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے اندر ہلکا پن ہوتا ہے، اس لیے اوپر اُٹھتی جاتی ہے اور اس کے اندر طیش ہے، تیزی ہے، بلندی ہے اور اضطراب ہے اور یہی چیز ابلیس کے تکبر کا سبب بنی۔ چنانچہ لعنت و بربادی اس کا مقدر بنی۔

② ...... جنت کے بارے میں یہ بات تو منقول ہے کہ اس کی مٹی مشک کی ہے، لیکن وہاں آگ بھی ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

③ ...... عذاب دینے کے لیے آگ کا استعمال ہوتا ہے، نہ کہ مٹی کا۔

④ ...... مٹی کو آگ کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ آگ کو مٹی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اسے جلنے کے لیے زمین پر جگہ چاہیے۔

⑤ ...... مٹی سے ساری چیزیں وجود میں آتی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ، جبکہ آگ سے

چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔

6...... مٹی میں طاقت زیادہ ہے بہ نسبت آگ کے۔ کیونکہ مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے، لیکن آگ مٹی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، بلکہ آگ کے لگنے سے تو وہ اور زیادہ قیمتی ہو جاتی ہے۔

[بصائر ذوی التمیز: ۶/ ۱۷۲۲]

قرآن کی روشنی میں آدم علیہ السلام کے 12 اعزازات:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے کئی سارے اعزازات بیان فرمائے ہیں:

1...... نیابتِ الٰہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [البقرۃ:۳۰] (اور اس وقت کا تذکرہ سنو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں)۔

2...... تخلیقِ الٰہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾﴾ [الحجر:۲۸،۲۹] (اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ لہٰذا جب میں اس کو پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا)۔

3...... تعلیمِ الٰہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ [البقرۃ:۳۱] (اور آدم کو اللہ نے سارے نام سکھا دیئے)۔

4...... امتحانِ الٰہی میں کامیابی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ

بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ﴾ [البقرۃ:۳۳] (چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتادیئے تو اللہ نے فرشتوں سے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں)؟

5 ...... مسجودِ ملائکہ ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝﴾ [الحجر:۳۰] (چنانچہ سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)۔

6 ...... خطابِ الٰہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ﴾ [البقرۃ:۳۳] (اللہ نے کہا: آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ [البقرۃ:۳۵] (اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہو گے)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝﴾ [طٰہٰ:۱۱۷] (چنانچہ ہم نے کہا کہ اے آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکلوادے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ)۔

7 ...... اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝﴾ [الاعراف:۲۲ تا ۲۵] (چنانچہ جب دونوں نے اس

درخت کا مزہ چکھا تو ان دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔ اور ان کے پروردگار نے انہیں آواز دی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟ دونوں بول اُٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گزرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اللہ نے آدم، ان کی بیوی اور ابلیس سے فرمایا: اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا طے کر دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ اسی زمین میں تم جیو گے اور اسی میں تمہیں موت آئے گی اور اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا)۔

8 ...... صفی اللہ (انتخابِ الٰہی) ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران:۳۳] (اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی)۔

...... ایک اور جگہ فرمایا: ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ [طٰہٰ:۱۲۲] (پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی)۔

9 ...... عہدِ الٰہی کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ [طٰہٰ:۱۱۵] (اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر ان سے بھول ہو گئی اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا)۔

10 ...... جنت میں رہائش کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ

اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں ﴿وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ [البقرۃ:۳۵] (اور ہم نے کہا: آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو)۔

⓫ ......قبولیتِ توبہ کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾ [طٰہٰ:۱۲۲] (پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا، چنانچہ ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت عطا فرمائی)۔

⓬ ......ابو البشر ہونے کا اعزاز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ [الاعراف:۲۷] (اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا)۔

آدم علیہ السلام کی عمر، تعدادِ حج اور تدفین:

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے:

......آپ ہزار سال تک زندہ رہے۔

......آپ نے بلادِ ہند سے پیدل 60 حج کیے۔

......آپ کی وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

......اور تدفین جبل ابی قبیس میں ہوئی۔

[بصائر ذوی التمییز: ۶/ ۱۷۴۴]

فرشتوں کا حکم بجالانے کا بیان:

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

تو سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس

چنانچہ جب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو سب نے بلا چوں وچرا اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے اپنی عقلوں کو بالائے طاق رکھا اور فوراً حکم بجالائے، لیکن ابلیس کی ازلی بدبختی تھی کہ اس نے عقل کو بنیاد بنا کر سجدے سے انکار کیا اور کہا: ﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾﴾ [ص:٧٦] (میں اس [آدم] سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے پیدا کیا ہے)۔ چنانچہ اسی انکار کی وجہ سے اُسے "عزازیل" اور "طاؤس الملائکہ" جیسے اعزازات سے گرا کر "ابلیس" اور "شیطان" جیسے رُسوا کن ناموں سے موسوم کیا گیا۔

ے تاریخ کی گھڑیوں نے وہ وقت بھی دیکھا ہے
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

شیطان کے 70 قرآنی نام:

قرآن مجید میں شیطان کو 70 مختلف ناموں سے متعارف کروایا گیا ہے:

❶ ...... الشَّيطَان (رحمتِ الٰہی سے دور ہونے والا، غصے سے جل اُٹھنے والا): جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [الحشر:١٦]

❷ ...... وَسوَاس و خَنَّاس (وسوسہ ڈالنے والا اور چھپنے والا) ﴿مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾﴾ [الناس:٤]

❸ ...... مُوَسْوِسٌ (وسوسہ ڈالنے والا) ﴿الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ﴿٥﴾﴾ [الناس:٥]

❹ ...... رَجِيمٌ (مردود) ﴿فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾﴾ [الحجر:٣٤]

❺ ...... عَدُوٌّ (دشمن) ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر:٦]

❻ ...... الغَرُورُ (دھوکے باز) ﴿وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٥﴾﴾ [فاطر:٥]

⑦ ......فاتنٌ (فتنے میں ڈالنے والا): ﴿لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ [الاعراف:۲۷]

⑧ ......مُضِلٌّ (گمراہ کرنے والا): ﴿وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ﴾ [النساء:۶۰]

⑨ ......مُزَيِّنٌ (مزین کرنے والا): ﴿فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ﴾ [النحل:۶۳]

⑩ ......کَیَّاد (چالباز): ﴿اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا﴾ [النساء:۷۶]

⑪ ......خادِعٌ (دھوکے باز): ﴿وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ [النساء:۱۴۲]

⑫ ......کاذِبٌ کَفَّار (جھوٹا، ناشکرا): ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝﴾ [الزمر:۳]

⑬ ......خَتَّارٌ وکَفُورٌ (متکبر، ناشکرا): ﴿وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝﴾ [لقمان:۳۲]

⑭ ......هَامِزٌ (برے خیالات ڈالنے والا): ﴿اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝﴾ [المومنون:۹۷]

⑮ ......حَاضِرٌ (پاس آنے والا): ﴿وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝﴾ [المومنون:۹۸]

⑯ ......مُغْو (گمراہ کرنے والا): ﴿لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ [ص:۸۲]

⑰ ......غَاوِی (شریر): ﴿لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ [القصص:۱۸]

⑱ ......جِنٌّ (جن): ﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ [الکہف:۵۰]

⑲ ......آبِی ومُسْتَكبِرٌ (انکار کرنے والا، متکبر): ﴿اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ﴾ [البقرۃ:۳۴]

⑳ ......مُزِلٌّ (پھسلانے والا): ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ﴾ [البقرۃ:۳۶]

㉑ ......لَعِينٌ (رحمتِ الٰہی سے دور): ﴿وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ﴾ [الحجر:۳۵]

㉒ ......مُنْظَرٌ (مہلت دیا ہوا): ﴿فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝﴾ [الحجر:۳۷]

㉓ ......مُمَنِّي (تمنا دلانے والا): ﴿وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ﴾ [النساء:۱۱۹]

24 آمِرٌ (حکم دینے والا): ﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ﴾ [النساء:۱۱۹]

25 ولیُّ الکافر (کافروں کا دوست): ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ﴾ [البقرة:۲۵۷]

26 واعِدٌ بالفقر (غربت سے ڈرانے والا): ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ [البقرة:۲۶۸]

27 مرِیْدٌ (سرکش): ﴿وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ﴾ [الحج:۳]

28 مارِدٌ (نافرمان): ﴿مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ﴾ [الصافات:۷]

29 مَقْذُوفٌ مَدْحُورٌ (دور پھینکا ہوا، ہٹایا ہوا): ﴿وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا﴾ [الصافات:۸،۹]

30 ...... خاطِفٌ (اُچکنے والا): ﴿اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ﴾ [الصافات:۱۰]

31 ...... مَرْجُومٌ (پتھر مارا ہوا): ﴿وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ [الملک:۵]

32 ...... دَاعِی (پکارنے والا): ﴿اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ﴾ [فاطر:۶]

33 ...... باطِلٌ (باطل): ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ﴾ [العنکبوت:۵۲]

34 ...... نازِعٌ (اُتارنے والا): ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا﴾ [الاعراف:۲۷]

35 ...... نازِغٌ (شرارت کرنے والا): ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ [الاعراف:۲۰۰]

36 ...... مَاسٌّ وَ طَائِفٌ (بُرے خیال کے ساتھ چھونے والا): ﴿اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ﴾ [الاعراف:۲۰۱]

37 ...... مُتَخَبِّطٌ (حواس باختہ کرنے والا): ﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [البقرة:۲۷۵]

38 ...... مُخلِفٌ (وعدہ خلافی کرنے والا): ﴿وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ﴾ [ابراہیم:۲۲]

39 ...... مُتفَحِّشٌ (بے حیائی کا حکم کرنے والا): ﴿وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ [البقرۃ:۲۶۸]

40 ......کافِرٌ (انکار کرنے والا): ﴿وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [البقرۃ:۳۴]

41 ......مَذْءُومٌ (ذلیل): ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا﴾ [الاعراف:۱۸]

42 ......خَذُولٌ (بے یار و مددگار چھوڑنے والا): ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ [الفرقان:۲۹]

43 ......مَلُومٌ (ملامت کیا جانے والا): ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ﴾ [ابراہیم:۲۲]

44 ......سَفِيهٌ (بے وقوف، جاہل): ﴿يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا﴾ [الجن:۴]

45 ......أَسفَل (گھٹیا): ﴿لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ﴾ [فصلت:۲۹]

46 ......بِئْسَ القَرِين (بُرا دوست): ﴿فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ [الزخرف:۳۸]

47 ......بَدَلٌ للظّالمین (اللہ تعالیٰ کے بدلے بُرا متبادل): ﴿بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ [الکہف:۵۰]

48 ......بَرِيءٌ (بیزار): ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ﴾ [الحشر:۱۶]

49 ......رَائِی (دیکھنے والا): ﴿اِنِّيْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ﴾ [الانفال:۴۸]

50 ......رِجزٌ (گندہ): ﴿وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ﴾ [الانفال:۱۱]

51 ......خَالِدٌ فِی النّارِ (ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا): ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ [البقرۃ:۱۶۲]

52 ......عفرِيتٌ (قوی ہیکل): ﴿قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ [النمل:۳۹]

53 ......فاسِقٌ (حکمِ الٰہی سے نکل جانے والا): ﴿فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ﴾ [الکہف:۵۰]

54 ......مُستَحوِذٌ (مسلط ہونے والا): ﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ﴾ [المجادلۃ:۱۹]

55 ...... مُسْتَرِقٌ (چوری چھپے سننے والا): ﴿اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾ [الحجر:١٨]

56 ...... مُنسِی (بھلانے والا): ﴿فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ﴾ [یوسف:٤٢]

57 ...... مُسَوِّلٌ و مُمْلِي (پٹی پڑھانے والا اور دور دراز کی امیدیں دلانے والا): ﴿سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۝﴾ [محمد:٢٥]

58 ...... مُدَلِّي (دھوکا دینے والا): ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾ [الاعراف:٢٢]

59 ...... مُقْسِمٌ (قسم اُٹھانے والا): ﴿وَقَاسَمَهُمَآ﴾ [الاعراف:٢١]

60 ...... مُلْقِي (شبہ ڈالنے والا): ﴿اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ﴾ [الحج:٥٢]

61 ...... مُبْدِی (ظاہر کرنے والا): ﴿لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا﴾ [الاعراف:٢٠]

62 ...... مُبِينٌ (کھلا دُھلا): ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ [البقرۃ:١٦٨]

63 ...... مُحْتَنِكٌ (لگام ڈال کر قابو میں کرنے والا): ﴿لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ﴾ [الاسراء:٦٢]

64 ...... مُشارِكٌ (شریک ہونے والا): ﴿وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ﴾ [الاسراء:٦٤]

65 ...... مُسْتَفِزٌّ (قدم اُکھاڑ دینے والا): ﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ﴾ [الاسراء:٦٤]

66 ...... جَالِبُ الشَّرِّ (شر کو کھینچنے والا): ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ﴾ [الاسراء:٦٤]

67 ...... نَارِيٌّ (آگ سے پیدا کیا ہوا): ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ﴾ [الاعراف:٢٠]

68 ...... خَارِجٌ (نکلنے والا): ﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا﴾ [الحجر:٣٤]

69 ...... مُخْرِجٌ (نکالنے والا): ﴿اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ﴾ [الاعراف:٢٧]

70 ...... خَبِيثٌ (خراب): ﴿وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا﴾ [الاعراف:٥٨]

[بصائر ذوی التمییز :٦/١٢٩٨، ١٢٩٩]

ابلیس، جن تھا یا فرشتہ؟

كَانَ مِنَ الْجِنِّ

وہ جن کی قسم سے تھا

سجدے کے حکم سے پتہ چل رہا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کے ساتھ سجدہ کرنے پر مامور تھا۔اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ابلیس نے جو نافرمانی کی اس کا سبب یہ تھا کہ وہ جنات میں سے تھا، ملائکہ میں سے نہ تھا۔

[دیکھیے تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ابلیس فرشتوں میں سے نہ تھا کیونکہ وہ جنات کی اصل (باپ) ہے جیسے آدم علیہ السلام انسان کی اصل (باپ) ہیں۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابلیس جن ہے، جیسے اس آیتِ مبارکہ میں گزر گیا ہے۔اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾﴾ [الاعراف:١٢] (تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اس کو مٹی سے پیدا کیا)۔

[تفسیر درمنثور وابن کثیر تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

''ابلیس'' کو ''ابلیس'' کیوں کہتے ہیں؟

''إبْلِيس''، ''إبْلَاس'' یا ''بَلَسٌ'' سے بنا ہوا لفظ ہے، یہ مایوسی کا معنی دیتا ہے، اس میں ''ذلیل'' اور ''مغموم'' ہونے کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے، دوسری جگہ کافروں کے لیے ''مُبْلِسُونَ'' کا لفظ بھی آتا ہے یعنی جب ان سے کچھ بن نہیں پڑے گا تو غمگین ہو کر خاموش ہو جائیں گے۔تاہم اس کے زیادہ تر معنیٰ ''رحمت سے دوری'' کے آتے ہیں۔ چونکہ ابلیس اللہ کی رحمت سے دور اور مایوس ہو چکا ہے، اس لیے اس کو یہ نام دیا گیا ہے۔

[تفسیر معالم العرفان تحت ہذہ الآیۃ]

حضرت بایزید بسطامی ﷫ کا فرمان:

حضرت بایزید بسطامی ﷫ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنا ایک کتا اور دنیا کو مردار بنا دیا ہے۔ اور ابلیس سے خطاب فرمایا:

"كُلُّ مَنْ مَالَ إِلَى الْجِيفَةِ سَلَّطْتُكَ عَلَيْهِ." [موسوعۃ الکسنزان: 91/1]

"جو بھی مردار دنیا کی طرف مائل ہوگا، میں تجھے اس پر مسلط کردوں گا۔"

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی ﷫ کا فرمان:

جیسے اللہ تعالیٰ کے 99 اسمائے حسنیٰ ہیں، اسی طرح شیطان کے 99 مظاہر ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنا داؤ چلا لیتا ہے۔ ان میں سے 7 ہم ذکر کرتے ہیں:

1. ...... دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے۔
2. ...... طبیعت، شہوات اور لذات۔
3. ...... نیک اعمال۔ جن کے ذریعے یہ صالحین کے دلوں میں عجب کی بیماری پیدا کرتا ہے۔
4. ...... اعمال میں حرص۔ چنانچہ ایک بندہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے تو یہ اس کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ آپ حج پہ کیوں نہیں جاتے اور جاتے ہوئے آپ راستے میں تلاوت کرتے جائیں، اس طرح دوہرے اجر کے مستحق بن جائیں گے۔ جب وہ چل پڑتا ہے تو پھر دل میں خیال ڈالتا ہے کہ آپ ابھی مسافر ہیں اور آپ پر تلاوت ابھی لازم بھی نہیں ہے، جب وہاں پہنچ جاؤ تو پھر تلاوت کرنا۔ اور یوں اسے تلاوت سے محروم کردیتا ہے۔
5. ...... علم۔ بعض اوقات یہ علم کے ذریعے علماء کو گمراہ کردیتا ہے۔
6. ...... عادتیں اور راحتیں۔ چنانچہ اس کے ذریعے مریدین صادقین کو خراب کردیتا

ہے، غلط عادتوں میں پھنسا دیتا ہے اور راحتوں کا دلدادہ بنا دیتا ہے۔

(۷) معارفِ الٰہیہ۔ چنانچہ ان میں شیطان صدیقین، اولیاء اور عارفین پر اپنا داؤ چلانے کی کوشش کرتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ لوگ بچ جاتے ہیں اور مقربین پر اس بیچارے کا بس ہی نہیں چلتا۔

شیطان کے آلاتِ گمراہی:

حضرت شیخ عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے آلاتِ گمراہی بہت سارے ہیں:

غفلت..... شہوت..... ریاست..... جہالت..... اشعار..... اَمثال..... شراب..... لہو لعب کے آلات..... اور عورت، جو حقیقی معنوں میں شیطان کا جال ہے۔

[موسوعۃ الکسنزان:۱/۹۲]

فسقِ ابلیس کا بیان:

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ

سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے

چنانچہ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ میرے حکم سے بغاوت کر گیا۔

لفظ ''فسق'' کی تحقیق:

''فسق'' کے معنی کسی شخص کے دائرۂ شریعت سے نکل جانے کے ہیں۔ یہ ''فَسَقَ الرُّطَبُ'' کے محاورہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی نیم پختہ کھجور کے اپنے چھلکے سے باہر نکل آنے کے ہیں۔ شرعاً ''فسق'' کا مفہوم ''کفر'' سے اعم ہے کیونکہ ''فسق'' کا لفظ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اگرچہ عرف میں بڑے گناہوں

کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے اور عام طور پر ''فاسق'' کا لفظ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو احکامِ شریعت کا التزام اور اقرار کرنے کے بعد تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے۔

[دیکھیے: مفردات القرآن للامام الراغب تحت مادۃ: فسق]

فاسق کون؟

......امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْفَاسِقُ: هُوَ الخَارِجُ عَنِ الطَّاعَةِ'' (فاسق وہ ہوتا ہے جو اطاعت کے دائرے سے نکل جائے)۔

......بعض صوفیاء کا نکتہ نظر ہے: ''هُوَ الَّذِيْ أَلْقَى جِلْبَابَ الحَيَاءِ'' (فاسق وہ ہوتا ہے جو حیا کی چادر اُتار چکا ہو)۔

[موسوعۃ الکسنزان تحت کلمۃ فاسق]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ﴾ (جبکہ ہم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے کہ وہ جنات میں سے تھا) [الکہف: ۵۰] یہ آیت تو دلالت کر رہی ہے ابلیس کے جنات کی نسل سے ہونے پر۔ اور دوسری آیت ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ (اور یاد کرو اس وقت کو کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا) [البقرۃ: ۳۴] سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا۔ بظاہر دونوں آیات میں تعارض واقع ہوا؟

جواب: اس میں دو قول ہیں:

① ...... پہلا قول یہ ہے کہ آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس حقیقۃً جنات میں

سے تھا، اس لیے کہ ابلیس کی ذریت و اولاد موجود ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ﴾ (کیا تم مجھے چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟) [الکہف:۵۰] اور ملائکہ کی ذریت و اولاد نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابلیس جن تھا۔

2 ...... دوسری دلیل یہ ہے کہ ابلیس دنیا کا سب سے بڑا کافر اور سب سے بڑا فاسق ہے، جبکہ فرشتے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝﴾ (وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ان کو جو حکم دیا جاتا ہے کرگزرتے ہیں)۔ [التحریم:٦]

ایک اور جگہ ارشادِ گرامی ہے: ﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝﴾ (اور جو فرشتے اللہ کے پاس ہیں، وہ نہ اس کی عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، نہ تھکتے ہیں۔ وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور سست نہیں پڑتے)۔ [الانبیاء:۱۹، ۲۰] تو ابلیس اس پاکیزہ مخلوق میں سے کیسے ہوسکتا ہے کہ سجدے کا حکم دیا جائے اور انکار کرے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ فرشتوں کے قبیل سے نہیں تھا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۳، ۲۴۴]

شیطانوں کی دوستی سے بچنے کا بیان:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ

سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوا؟

استفہامِ انکاری ہے، یعنی تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے کھلے ہوئے دشمنوں کو میری

بجائے اپنا دوست قرار دو اور میری اطاعت کی جگہ ان کی اطاعت کرو۔

[تفسیر مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

ابلیس کی بیگم صاحبہ!!!

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا، ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا: کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ﴾ اور اولاد بغیر بیوی کے ہو نہیں سکتی، کیونکہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ﴾ (اللہ کے اولاد کہاں سے ہو سکتی ہے جبکہ اس کی بیوی نہیں ہے)۔ یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا: ہاں! ابلیس کی بیوی ہے۔

[مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

اولادِ شیطان کے نام:

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں:

لاقیس، ولہان، ہفاف، مرہ، زلنبور، اعور، مطوس، پثور، داسم۔

......ولہان: وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

......مرہ: اسی کے نام سے ابلیس کی کنیت ''ابومرہ'' مشہور ہے۔

......زلنبور: بازاروں میں جھوٹی قسمیں اُٹھواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔

......اعور: بدکاری پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔

......مطوس: جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔

پر آمادہ کرتا ہے۔

......یثور: مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔

......داسم: وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں داخل ہوتے وقت کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو یہ شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے، جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے اور بغیر بسم اللہ پڑھے کھانے لگتا ہے تو "داسم" بھی اس کے کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جاکر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے بے جگہ رکھا ہوا لوٹا نظر آیا، میں نے کہا: اس کو یہاں سے اُٹھاؤ، پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا، لیکن پھر مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا: یہ داسم ہے، داسم ہے۔

[مظہری تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

میاں بیوی میں جھگڑا کروانے والا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو اطراف عالم میں روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آکر کہتا ہے: میں نے یہ یہ کام کیے، ابلیس کہتا ہے: تُو نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے: میں نے میاں بیوی میں علیحدگی کرادی۔ ابلیس کہتا ہے: تُو نے اچھا کام کیا، پھر اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا کہ پھر ابلیس اس کو چمٹا لیتا ہے۔

[صحیح مسلم، رقم: ۲۸۱۳]

متکبر سے توبہ کی اُمید نہیں:

رب کی نافرمانی سے غضب میں آگیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہوگیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے نا اُمید نہ ہونا چاہیے۔

[تفسیر ابن کثیر تحت ہذہ الآیۃ]

فوائد السلوک:

......حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''خَاطَبَكَ الحَقُّ تَعَالٰى أَحْسَنَ خِطَابٍ وَّ دَعَاكَ إِلٰى نَفْسِهٖ بِأَلْطَفِ دُعَاءٍ'' اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بہترین خطاب فرمایا ہے اور تجھے اپنی طرف بڑی محبت کے ساتھ دعوت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ﴾ (کیا پھر بھی تم میرے بجائے اسے اور اس کی ذریت کو اپنا رکھوالا بناتے ہو)۔

شیطان دوستی سے بچنے کے سبب کا بیان:

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ

اور وہ تمہارے دشمن ہیں

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان دوستی سے بچنے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ اس کی پیروی سے اپنے آپ کو بچانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن ہی سے احتیاط کی جاتی ہے۔

''اَلْعَدُوُّ'' کا معنی حد سے بڑھنے اور باہم ہم آہنگی نہ ہونے کے ہیں۔ اگر اس کا تعلق

دل کی کیفیت سے ہوتو یہ ''عداوت'' کہلاتی ہے۔
[مفردات القرآن تحت مادۃ: ع دو]

قرآن میں لفظ ''عدو'' کا 11 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''عدو'' 11 طرح استعمال ہوا ہے:

① ...... آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے دشمن ابلیس کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [الاعراف:٢٢]

② ...... آدم علیہ السلام، ابلیس، سانپ اور مور کی باہمی دشمنی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ [البقرۃ:٣٦]

③ ...... ابلیس اور اس کی ذریت کے لیے جو بنی آدم کی دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ [فاطر:٦]

④ ...... حربی کافر کے لیے جو کہ مسلمانوں کا دشمن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ﴾ [النساء:٩٢]

⑤ ...... آزر کے لیے جو کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾ [التوبۃ:١١٤]

⑥ ...... موسیٰ علیہ السلام کے لیے جو کہ فرعون کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ [القصص:٨]

⑦ ...... کفارِ مکہ کے لیے جو کہ نبی علیہ السلام کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾ [الممتحنۃ:١]

⑧ ...... بنی اسرائیل کے مسلمانوں کے لیے جو کہ کفار کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد

فرماتے ہیں: ﴿فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ﴾ [الصف: ۱۴]

(۶)..... اولاد و ازواج میں جو دشمن ہوتے ہیں، ان کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ [التغابن: ۱۴]

(۷)..... کفار کے لیے جو کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ﴾ [فصلت: ۲۸]

(۸)..... قیامت کے دن فساق و کفار دوستوں کی آپس میں دشمنی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ﴾ [الزخرف: ۶۷]

(۲) قرآن میں لفظ ''عداوت'' کا 6 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''عداوت'' 6 طرح سے استعمال ہوا ہے:

(۱)..... یہودیوں کی عداوت ایمان والوں سے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ [المائدۃ: ۸۲]

(۲)..... شیطانی وسوسہ سے شراب پینے والوں کے درمیان پیدا ہونے والی عداوت کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ [المائدۃ: ۹۱]

(۳)..... نصاریٰ کے فرقوں کے درمیان عداوت کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ [المائدۃ: ۱۴]

(۴)..... ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مسلمانوں اور کفار کے درمیان عداوت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا﴾ [الممتحنۃ: ۴]

5 ..... بنو ہاشم اور بنو اُمیہ کی عداوت۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً﴾ [الممتحنۃ: ۷]

6 ..... ایسی عداوت کے لیے جو ایک کریم النفس کے اخلاق کی وجہ سے ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝۳۴﴾ [فصلت: ۳۴]

شیطان کے "بِئْسَ البَدَل" ہونے کا بیان: ①

بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝۵۰

بُرا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ

یعنی کافروں نے جو اللہ کی بجائے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست بنا رکھا ہے تو اللہ کے عوض کافروں کا ابلیس اور اس کی ذریت کو اختیار کرنا بُرا بدل ہے۔

ابلیس خود تو اپنے تکبر کی وجہ سے جہنم واصل ہوا، اس کی دوستی کا دم بھرنے والے بھی اسی قبیل کے ظالم ہیں اور ظالموں کا بدلہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ فارسی والے بھی کہتے ہیں۔

؎ بقول دشمن پیمان دوست بشکستی
بہ بیں از کہ بریدی دبا کہ پیوستی

"تُو نے دشمن کے کہنے پر اپنے دوست کے عہد و پیمان کو توڑا، ذرا دیکھ تو سہی کہ تم کس سے کٹ گئے اور کس کے ساتھ جڑ گئے؟ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کر کے ابلیس کی دوستی اختیار کرنا کس قدر باعث نقصان ہے۔"

﴿مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱﴾

میں نے نہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت ان کو حاضر کیا تھا، نہ خود ان کو پیدا کرتے وقت، اور میں ایسا نہیں ہوں کہ گمراہ کرنے والوں کو دست و بازو بناؤں۔

شیاطین کی پہلی مذمت: (1)

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ

دکھلا نہیں لیا تھا میں نے ان کو بنانا آسمانوں اور زمین کا اور نہ بنانا خود ان کا

مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں مَیں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت و اطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ عبادت کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جو خالق حقیقی ہو۔ اور خالق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

شیاطین کی دوسری مذمت: (2)

وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آکر دیکھیں کہ ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی ہے۔ بہرحال ان سے کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا گیا تھا اور نہ ان سے کوئی مدد طلب کی گئی تھی، بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کس طرح پیدا کروں۔ یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں، ذرا آکر میری مدد کرو۔ اور بالفرض والمحال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے

والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں مددگار بنانے لگے!!!

﴿وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا﴿٥٢﴾﴾

اور اس دن کا دھیان کرو جب اللہ (ان مشرکوں سے) کہے گا کہ ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے، اور ہم ان کے درمیان ایک مہلک آڑ حائل کر دیں گے۔

تخویفِ اُخروی کا بیان: (۱)

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو، جن کو تم مانتے تھے

تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں یا سفارش کر کے میرے عذاب سے تم کو بچا لیں گے۔ بعض علماء کے نزدیک شرکاء سے مراد ابلیس اور اولادِ ابلیس ہے۔

کفار کی شرکیہ عادت پر پختگی کا بیان: (۱)

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے ان کو

چنانچہ کفار اپنی شرکیہ عادت سے آخرت میں مجبور ہوں گے۔ اپنی سابقہ روٹین کے مطابق آخرت میں بھی اپنے باطل معبودوں، ابلیس اور اولادِ ابلیس کو پکاریں گے، لیکن

یہ سب ایسے نازک موقع پہ بے بس ہوں گے، اپنے آپ کو نہ چھڑا سکیں گے، بھلا ان کی کیا مدد کریں گے؟

طلبہ کے لیے علمی نِکات

سوال: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ (اور اس دن کا دھیان کرو جب اللہ ان مشرکوں سے کہے گا کہ ذرا پکارو ان کو جنہیں تم نے میری خدائی میں شریک سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ وہ پکاریں گے، لیکن وہ ان کو کوئی جواب نہیں دیں گے)۔ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرکاء سے نطق کی بالکل نفی کی گئی ہے، حالانکہ دوسری آیت سے شرکاء کا نطق ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ ۔۔۔ ہِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تھا، جب وہ اپنے گھڑے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ ہیں ہمارے بنائے ہوئے وہ شریک جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس موقع پر وہ گھڑے ہوئے شریک ان پر بات پھینک ماریں گے کہ تم بالکل جھوٹے ہو۔)۔ [النحل:٨٦]

جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں شفاعت اور دفعِ عذاب کے اعتبار سے نطق کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی مشرک شرکاء کو شفاعت یا دفعِ عذاب کے لیے پکاریں گے لیکن وہ ان کو جواب نہ دیں گے۔ اور سورۂ نحل میں جو اثباتِ نطق ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء ان کے دعوئ عبادت کی تکذیب کریں گے۔ لہٰذا منفی اور مثبت میں تناقض نہیں۔

[تطبیق الآیات، صفحہ ٢٨٧، ٢٨٨]

کافر و معبودِ باطل کا تعلق توڑنے کا بیان:

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾

اور کر دیں گے ہم ان کے اور ان کے بیچ مرنے کی جگہ

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں اور ان کے جھوٹے خداؤں کے درمیان جوڑ کو توڑ دیں گے اور ان کافروں کے سارے آس، یاس میں بدل جائیں گے، ساری امیدوں پہ پانی پھر جائے گا اور اپنی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ بھی بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾﴾ [الانعام: ۹۴] (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ تم ہمارے پاس اسی طرح تن تنہا آ گئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آ رہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں اور جن دیوتاؤں کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہو کر رہ گئے ہیں)۔

''مَوْبِقًا'' کی تفسیر:

''مَوْبِقًا'' کی تفسیر کے بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں:

...... حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''مَوْبِقًا'' سے مراد ہلاکت کا مقام ہے۔

......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مَوْبِق'' دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔
......حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''مَوْبِق'' گرم پانی کی ایک وادی ہے۔
......حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مَوْبِق'' آگ کا ایک دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خچروں کے برابر سانپ ہیں۔
......ابن الاعرابی نے کہا: دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو، اس کو ''مَوْبِق'' کہتے ہیں۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا﴾

اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو سمجھ جائیں گے کہ انہیں اسی میں گرنا ہے، اور اس سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

مجرمین کو آتشِ دوزخ کا سامنا: ①

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ

اور دیکھیں گے گناہگار آگ کو

''نار'' اس شعلہ کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ﴾ [الواقعہ:۷۱] (بھلا دیکھو کہ جو آگ تم درخت سے نکالتے ہو)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب، تحت لفظ النار]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: ①

سوال: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ﴾ (اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرمین دیکھ سکیں گے، لیکن سورۃ طٰہٰ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرمین اندھے ہوں گے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰي﴾ (وہ کہے گا کہ یارب! تونے مجھے اندھا کر کے کیوں اُٹھایا؟) [طٰہٰ:۱۲۵] بظاہر دونوں میں تعارض ہے۔

جواب: علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر سے نکلتے وقت بصیر (دیکھنے والا) ہوگا لیکن جب محشر کی طرف لے جایا جائے گا تو اندھا ہوگا۔ [انظر زادالمسیر: ۵/۲۴۵]

[تطبیق الآیات، صفحہ ۲۸۹]

کفار کو جہنم میں گرنے کے یقین کا بیان:

فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں

چنانچہ روزِ محشر کافروں کو یقین ہو جائے گا کہ ابھی ہم جہنم میں گرنے والے ہیں، جیسے اوپر تفصیل گزر گئی ہے کہ ان کے اور ان کے جھوٹے خداؤں کے درمیان جدائی لائی جائے گی، وہ ان کی امداد سے بے بس ہوں گے، ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے تو ظاہر بات ہے کہ ان کو یقین ہو ہی جائے گا کہ ہمارا انجام کیا ہونے والا ہے۔

آیتِ بالا کی تفسیر بزبانِ نبوت:

نبی علیہ السلام نے اس آیت کی تشریح میں ارشاد فرمایا:

''يُنْصَبُ لِلْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِقْدَارُ خَمْسِينَ سَنَةٍ كَمَا لَمْ يَعْمَلْ فِي الدُّنْيَا''

''کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا، جیسا

کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا۔"

''وَإِنَّ الْكَافِرَ لَيَرَى جَهَنَّمَ''

''اور وہ جہنم کو دیکھتا رہے گا۔''

''وَيَظُنُّ أَنَّهَا مُوَاقِعَتُهُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ سَنَةً.'' [مسند احمد، رقم: ۱۱۷۱۴]

''اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گرایا جا رہا ہوں۔''

دوزخ سے فرار ناممکن ہونے کا بیان: (۱)

وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾

اور نہ بدل سکیں گے اس سے راستہ

دوزخ سے بچ کر کفار کسی دوسری جگہ پناہ نہیں لے سکیں گے، بلکہ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی آگ میں رہنا ہوگا۔ اور شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی کچھ امید ہو، لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائے گا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں۔

آدم علیہ السلام و ابلیس کے قصہ میں سبق

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اے ایمان والو! تمہارا اصلی وطن جنت ہے، کہیں تم فانی دنیا میں دل لگا کر اپنی آخرت کو نہ بھول بیٹھو، ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ﴾ [الکہف: ۴۶] (جو باقی رہنے والے اعمال ہیں، وہ زیادہ بہتر ہیں دنیا کے مال و دولت سے)، اس لیے تم آخرت کی تیاری میں لگے رہو اور ایسی زندگی گزارو کہ آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔

آخرت کی یاد:

یہ قصہ ہمیں آخرت کی یاد دلاتا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے فقط دنیا کی زندگی کو ہی اپنا مقصد نہ سمجھیں، اپنی منزل نہ سمجھیں، منزل ہماری کچھ اور ہے۔ ہم خانہ بدوش لوگ ہیں۔ ہمارا گھر جنت تھا، وہاں سے نکل پڑے اور ہم دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ رہتے پھر رہے ہیں۔ بالآخر ہم نے جانا کہاں ہے؟...... جنت میں جانا ہے، ہم اپنے اصلی گھر کو نہ بھولیں۔ ایک وقت آئے گا کہ جب ہم فوت ہوجائیں گے، پھر قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ ایمان کے صدقے ہمیں ہمارے گھر (جنت) میں واپس لوٹادیں گے۔ وہ ہمارا مستقر ہوگا۔ ﴿مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا﴾ کے مصداق ہم ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتوں میں زندگی گزارنے والے بن جائیں گے۔ گویا یہ قصہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اے لوگو! تم فقط دنیا کی زندگی کو اپنا سب کچھ نہ سمجھ لو، دنیا سے دل نہ لگاؤ اور دنیا کے آرام اور اس کی عیش پرستی پر نہ ریجھ جاؤ، بلکہ اپنی آخرت کو یاد رکھنا اور اپنے اصلی گھر کو کبھی نہ بھولنا۔

بھئی! ہمیں اللہ تعالیٰ نے امتحان کی خاطر جنت سے دنیا کے اندر بھیجا ہے۔ ہم یہاں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ جیسے یہ خانہ بدوش لوگ ہوتے ہیں۔ آپ نے خانہ بدوش لوگوں کو دیکھا ہوگا۔ وہ ایک جگہ گھر بناتے ہیں، پھر اپنا سارا سامان اُٹھا کر دوسری جگہ گھر بناتے ہیں، پھر تیسری جگہ گھر بناتے ہیں۔ وہ چلتے پھرتے زندگی گزارتے ہیں۔ ہماری دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے کہ چند دن کی زندگی ہے، ہم نے بھی اپنی یہ زندگی گزار کے بالآخر یہاں سے چلے جانا ہے، ہم نے یہاں دل نہیں لگانا۔ ہمارا دل اٹکے تو کہاں اٹکے؟...... آخرت میں اٹکا ہوا ہو، اَلتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ

وَالْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُوْدِ، یہ ہماری کیفیت ہونی چاہیے۔ہم آخرت میں جانے کے لیے ہر وقت تڑپ رہے ہوں۔

بندے کو دنیا میں رہتے ہوئے ہمیشہ اپنی آخرت کو یاد رکھنا چاہیے۔دنیا ہمارے لیے وطنِ اقامت ہے، وطنِ اصلی نہیں ہے۔جیسے مسافر اگر کہیں پندرہ دن سے زیادہ رہنے کا ارادہ کرلے تو وہ جگہ اس کا وطنِ اقامت بن جاتی ہے، وطنِ اصلی نہیں ہوتا۔اس کا وطنِ اصلی پشاور میں ہوتا ہے، چترال میں ہوتا ہے یا کہیں اور ہوتا ہے جہاں سے وہ آیا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح ہم بھی جنت سے آئے ہوئے لوگ ہیں، اس لیے ہمارا وطنِ اصلی کون سا ہے؟ جنت ہے۔اور دنیا ہمارے لیے کیا ہے؟ وطنِ اقامت ہے۔ہمیں زندگی کے کچھ دن یہاں گزارنے ہیں، اس کے بعد ہم نے اپنے وطنِ اصلی کی طرف چلے جانا ہے، اس لیے ہمیں اپنے وطنِ اصلی کو یاد رکھنا چاہیے۔دنیا میں رہتے ہوئے اسی دنیا کو اپنا وطنِ اصلی سمجھ لینا اور ساری امیدیں اور ساری محنتیں دنیا پر ہی لگا دینا، یہ بے وقوفی کی بات ہے۔

شیطان بدبخت نے ہمیں اپنے وطنِ اصلی سے جھوٹی قسمیں کھا کھا کر نکالا تھا، اب ہمیں اپنے اس دشمن سے بچ کے رہنا ہے، یہ اب بھی ہمیں جنت میں واپس جانے سے روکتا ہے، گناہ کرواتا ہے، تاکہ یہ دوبارہ جنت کے اندر جانے کے قابل نہ بن جائیں۔ اس لیے ہم نے شیطان کے ساتھ دشمنی رکھنی ہے، نیک اعمال کرنے ہیں اور اپنے اللہ سے دعائیں مانگنی ہیں: اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے بچا لینا اور جب ہمارا وقت آئے تو ہمیں ہمارے اصلی وطن جنت میں پہنچا دینا۔رمضان المبارک میں تو خاص طور پر یہ دعا مانگنی چاہیے:

''اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ.''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو مومن رمضان المبارک میں یہ دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائے گا۔

بعض نوجوانوں کو شیطان عجیب دھوکا دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جنت کیا مانگنی، حوریں ہی مانگنی؟...... ان کو جنت میں صرف حوریں ہی نظر آتی ہیں، اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہے...... او خدا کے بندے! حوریں تو وہاں کی خادمائیں ہیں، ہر گھر کے اندر کام کرنے والی عورتیں ہوتی ہیں، وہ خادمائیں ہوتی ہیں اور جو گھر کی مالکہ ہوتی ہے اس کا بڑا مقام ہوتا ہے، اس کی شان بڑی ہوتی ہے۔ تو جو مسلمان مومنہ عورت ہوگی وہ جنت میں جو کہ جنت کی مالکہ ہوگی اور وہاں کی ستر حورِعین اس کی خادمائیں ہوں گی۔ یہ دنیا کی عورتیں تو وہاں جنت کی شہزادیاں ہوں گی۔ وہاں 70 حورِعین ان کی خادمائیں ہوں گی اور ہر حورِ عین کی 70 حوریں خادمائیں ہوں گی۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ وہاں پر کتنی حوریں ہوں گی؟! آج کا نوجوان یہ سُن کر پریشان ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت شاید بنی ہی اسی لیے ہے۔ بھئی! جن میاں بیوی کی آپس میں محبتیں ہوتی ہیں وہ گھر میں کام کرنے والی کی طرف تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہ تو نوکرانیاں ہوتی ہیں، حوریں تو وہاں کی نوکرانیاں ہوں گی۔

عورتیں بھی پریشان ہوجاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے تو حوریں رکھی ہیں، عورتوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ خدا کی بندیو! تمہیں اللہ تعالیٰ وہاں شہزادیاں بنا کے رکھیں گے، تمہیں حوریں کیا، حورِعین عطا فرمائیں گے۔ تمہارا تو مقام اور درجہ وہاں پر بہت اونچا ہوگا۔

دیدکا وعدہ:

ہمیں جنت میں فقط حوروں کے لیے نہیں جانا، بلکہ وہاں تو اپنے رب کا دیدار کرنے

کے لیے جانا ہے۔ دیکھیں! اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا میں نہیں ہوسکتا۔

نہیں کرتے وہ وعدہ دید کا حشر سے پہلے
دلِ بےتاب کی ضد ہے، ابھی ہوتی ، یہیں ہوتی

اس شعر میں حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محبوب نے حشر میں ملاقات کا وعدہ کیا ہے اور دلِ بےتاب کی ضد تو یہ ہے کہ ابھی ہوتی اور یہیں ہوتی۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ میرے بندے! دنیا کے اندر اتنی Capability (صلاحیت) ہی نہیں ہے، اتنی وسعت ہی نہیں ہے، اتنی استعداد ہی نہیں ہے کہ یہ میری تجلی کو سنبھال سکے۔ اس لیے مَیں دنیا میں تمہارے دلوں پر اپنی تجلی فرماؤں گا، ہاں! جب تم آخرت میں آ جاؤ گے تو جنت جو مَیں نے ''دیدگاہ'' بنائی ہے، وہاں آؤ گے تو وہاں میں تمہیں اپنا دیدار کراؤں گا۔

جنت میں ہمیں کس لیے جانا ہے؟ اللہ کے دیدار کے لیے جانا ہے...... اپنا Concept (تصور) کلیئر کر لیں۔ کیا اب ہم جنت مانگیں گے یا نہیں مانگیں گے؟ اب تو دل کرتا ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ سے جنت مانگیں۔ یا اللہ! جنت عطا فرما دے، جنت عطا فرما دے۔ کیونکہ اب بات سمجھ آ گئی کہ جنت میں فقط حوروں کے لیے نہیں جانا، بلکہ جنت میں حوروں کے پروردگار کے لیے جانا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔

جنت...... ہمارا وطن اصلی:

بھئی! ہمارا وطنِ اصلی جنت ہے۔ ہم وہاں کے رہنے والے ہیں۔ ہم بعض لوگوں سے ملتے ہیں تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں: جی! ہم کشمیر کے رہنے والے ہیں۔ اس لیے کہ کشمیر بہت خوبصورت ہے۔ جس طرح کشمیر کے رہنے والوں کو خوشی ہوتی ہے کہ وہ

خوبصورت علاقہ ہے اسی طرح ہمیں بھی خوشی ہونی چاہیے کہ ہم جنت کے رہنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی خاطر ہمیں دنیا میں بھیج دیا۔ جب ہم یہاں پر نیکی کی زندگی گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ اپنے جنت والے گھر میں پہنچادیں گے۔

﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾﴾ [طٰہٰ:٧٦]

''اور یہ صلہ ہے اس کا جس نے پاکیزگی اختیار کی۔''

کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

جنت ملکیت نہیں، میراث ہوگی:

اسی لیے جنت کو مومن کی میراث کہا گیا ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾﴾ [مریم:٦٣]

''یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو متقی ہو۔''

جنت اس کی ملکیت نہیں ہوگی، بلکہ میراث ہوگی۔ یہ ''میراث'' کا لفظ کیوں کہا؟ اس لیے کہ میراث وہ چیز ہوتی ہے جو ماں باپ کی طرف سے ملتی ہے۔ چونکہ جنت حضرت آدم علیہ السلام کی ہے اور وہ ہمارے باپ ہیں اور ہم ان کی اولاد ہیں، ہمیں ان کی وجہ سے یہ جنت ملے گی۔ اس طرح ہم جنت کے وارث بن جائیں گے۔ یہ ہماری میراث ہے۔ اللہ نے ہمارے لیے ہی بنائی ہے۔ اس لیے ہم نے یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے اصلی گھر میں واپس پہنچادے۔

اس واقعہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگو! دنیا سے دل مت لگاؤ، یہ دنیا کی زیب و زینت تو بالکل عارضی اور فانی چیز ہے۔ اس لیے سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو پانی سے تشبیہ دی ہے کہ جیسے پانی برستا ہے۔ پانی کے ساتھ یہ زندگی ہے۔ پانی میں بھی سیلانیت ہوتی ہے، یہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا، یہ دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔

حالات ایک جیسے نہیں رہتے۔ ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ آج ایک حال ہے، کل دوسرا ہے، پرسوں تیسرا ہے۔ یہ دنیا کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی۔ بندے کو یہاں سے بالآخر جانا پڑتا ہے۔ اس لیے دنیا سے تم دل مت لگاؤ، تاکہ تم اپنی اصلی منزل کو یاد رکھو۔

بادشاہوں سے بھی زیادہ سہولیات:

اس سبق کو یاد دلانا آج کے دور میں زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ سہولتیں عام ہوگئی ہیں۔ جیسے گھر آج ہیں ایسے گھر تو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں تھے۔ بے شک ان کے محل بھی بنتے تھے، لیکن ان کے محل میں ٹھنڈی ہوائیں نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے محلات میں خادم پنکھے جھلتے تھے اور اس کے باوجود بھی بادشاہ کو پسینہ آرہا ہوتا تھا۔ آج دیکھو کہ ہم جیسے عام لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ گرمی کے موسم میں کیسے ٹھنڈی ہوا میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔

پہلے زمانے کے بادشاہوں کو ٹھنڈے پانی کے مشروبات حاصل نہیں ہوتے تھے۔ کہیں کہیں کسی کو برف ملتی ہوگی تو ملتی ہوگی، جبکہ آج افطاری کے وقت میں ہر ہر بندے کے ہاتھ میں ٹھنڈا یخ پانی ہوتا ہے یا شربت کا گلاس ہوتا ہے اور ہم اللہ کے فضل سے اپنے روزے کو ان مشروبات سے افطار کر رہے ہوتے ہیں۔

پہلے زمانے کے بادشاہ سفر کرتے تھے تو گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے۔ ایک دن میں بیس پچیس کلومیٹر کا سفر ہوتا تھا اور آج کے دور میں ایک عام بندہ بھی حج یا عمرہ کے سفر پر جاتا ہے تو ماشاءاللہ! ایئرپورٹ بھی Air Conditiond (ایئر کنڈیشنڈ) ہے، بس بھی ایئر کنڈیشنڈ ہے، جس جہاز پہ جاتے ہیں وہ جہاز بھی ایئر کنڈیشنڈ ہے اور چار گھنٹوں میں وہ ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہی سفر طے

کرنے میں پہلے مہینوں لگتے تھے۔

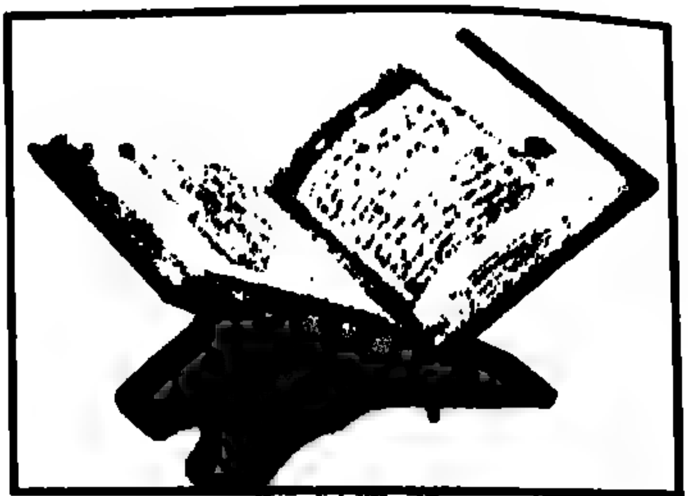
جیسے آج ہمیں یہ Wash& Ware (واش اینڈ ویئر) کپڑے حاصل ہیں ایسے کپڑے پہلے والے بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں تھے۔

یہ جو آج کے دور میں اللہ کی نعمتیں عام ہیں اس وجہ سے آج کے انسان کا دل دنیا کے اندر لگ گیا ہے۔اس لیے اس کا مرنے کو دل نہیں چاہتا۔خاص طور پر جس کے پاس مال ہے،جس کی فیکٹری چلتی ہے،جس کا کاروبار چلتا ہے اور اس کو کھانے پینے کی ہر نعمت ملتی ہے،اس کا تو بالکل مرنے کو دل نہیں چاہتا۔

چونکہ اس طرح انسان کا دنیا میں دل لگ جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی یاد دِلائی کہ لوگو!اسی دنیا پہ ریجھ کے مت بیٹھ جاؤ، یہ دھوکے کی جگہ ہے، دھوکا مت کھاؤ، اپنی اصلی منزل کو یاد رکھو، بالآخر تمہیں موت آنی ہے، اللہ کے ہاں حساب دینا ہے اور بالآخر تمہیں اپنی اصلی منزل کی طرف پہنچنا ہے۔

Migration خانہ بدوشی ہے:

آج تو لوگ دنیا میں مختلف ملکوں میں Migrate (مائیگریٹ) کرنے پہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ جی! ہم کینیڈا کی Migration (مائیگریشن) لے رہے ہیں، ہم فلاں ملک کی مائیگریشن لے رہے ہیں۔ یہ خانہ بدوشی ہے۔گھر یہاں ہے یا گھر وہاں ہے،اصلی گھر نہیں ہے،یہ تو عارضی گھر ہے،اصلی گھر ہمارا جنت ہے۔اس لیے ہمیں جنت میں جانے کی فکر کرنی چاہیے۔زندگی ایسے گزاریں کہ جنت جانے کے لیے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فضل اور مہربانی سے ہمیں اپنی پسندیدہ جگہ جنت عطا فرمادے۔



تفسير

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

...... قرآن مجید کی جامعیت کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۵۴]

...... معاندین سے شکوہ کیا گیا ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑا کرتے ہیں۔[آیت:۵۴]

...... کفار کے لیے دو زجر ہیں:

1. ...... ہدایت آجانے کے بعد ایمان کیوں نہیں لاتے؟
2. ...... اپنے رب سے گناہ کیوں نہیں بخشواتے؟[آیت:۵۵]

...... کفارِ قریش کی غفلت کی وجہ سے متوقع عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[آیت:۵۵]

...... انبیاء کرام علیہم السلام کا فرضِ منصبی بیان کیا گیا ہے کہ وہ تو فقط خوشخبری اور ڈر سنانے کے لیے مبعوث کیے جاتے ہیں۔[آیت:۵۶]

...... کفار کے مجادلے کو بیان کیا گیا ہے، تا کہ حق کو شکست دیں۔[آیت:۵۶]

...... کفار کا وحی کو مذاق بنانے کا بیان ہے۔[آیت:۵۶]

...... کفار کی بے حسی کو بیان کیا گیا ہے کہ:

...... آیاتِ الٰہی سے منہ موڑتے ہیں۔

...... اپنے کرتوتوں کو بھول جاتے ہیں۔[آیت:۵۷]

...... اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض کرنے والے کو سب سے بڑا ظالم قرار دیا گیا ہے اور پھر اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے وہ دین کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔[آیت:۵۷]

...... ازلی بدبختوں کی بدبختی کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۵۷]

...... اس کے بعد عذاب کے مؤخر ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے اور حلیم ہے، ان پر جلدی عذاب نہیں لاتا، البتہ ان پر عذاب لانے کا ایک وقت مقرر ہے، جب وہ وقت آجائے گا تو یہ بھاگ نہیں پائیں گے۔[آیت:۵۸]

...... اور پھر آخر میں ہلاک شدہ بستیوں کی طرف اشارہ کرکے خبردار کیا گیا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے ظلم کی روش اپنائی اور مقررہ وقت پر اُن کو ہلاک کر دیا گیا، اسی طرح تمہارے ساتھ بھی ہوگا۔[آیت:۵۹]

ربطِ آیات:

گزشتہ درس میں ابلیس کی دشمنی کو خوب بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اس کے پیروکار کس قدر بے یار و مددگار ہوں گے، مزید بتایا گیا ہے کہ مجرمین کو قیامت کے دن آتشِ دوزخ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب آج کے درس میں سمجھایا جائے گا کہ شیطان دشمنی میں اس کے خلاف کامیابی حاصل کرنی ہے اور قیامت کے دن خدا کا دشمن نہیں، خدا کا دوست بننا پسند ہو تو قرآن مجید سے جڑ جاؤ، یہ تمہیں راہِ ہدایت

بتائے گا۔ انبیاء علیہم السلام کے راستے کی راہنمائی کرے گا۔

"﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾﴾"

اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لیے اس طرح قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کیے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے۔

نصیحتِ الٰہی کا بیان:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اور بے شک پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایک بات کو مختلف انداز و اُسلوب سے سمجھایا ہے، ہر بندے کے لیے ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے کہ وہ اس کو سمجھنا چاہے تو سمجھ سکتا ہے، چاہے وہ ایک پسماندہ دور دراز دیہات کا رہنے والا ہے یا ایک تہذیب یافتہ متمدن شہر کا باسی ہے۔

محلِ نصیحت کا بیان:

فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اس قرآن میں

قرآن، اس کتابِ الٰہی کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی اور یہ اس کتاب کے لیے بمنزلۂ عَلَم بن چکا ہے جیسا کہ تورات، اس کتابِ الٰہی کو کہا جاتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اور انجیل، اس کتاب کو کہا جاتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر

نازل کی گئی۔ بعض علماء نے قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کو اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہے، بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، اس لیے اس کا نام ''قرآن'' رکھا گیا ہے جیسا کہ سورۂ یوسف میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَيۡءٍ﴾ [یوسف:۱۱۱] (اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والا)۔ اس طرح سورۃ النحل میں فرماتے ہیں: ﴿تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ﴾ [النحل:۸۹] (اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ ق ر ا]

قرآن مجید کے نام:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے لیے مختلف نام استعمال فرمائے ہیں:

❶ ...... قرآن: یہ نام قرآن مجید میں تقریباً 70 مرتبہ استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورۂ یٰسین کی دوسری آیت میں ہے: ﴿وَالۡقُرۡاٰنِ الۡحَكِيۡمِ ۝﴾ [یٰسین:۲]

❷ ...... تنزیل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تَنۡزِيۡلَ الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ۝﴾ [یٰسین:۵]

❸ ...... ذکر: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝﴾ [یوسف:۱۰۴]

❹ ...... زبور: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِي الزَّبُوۡرِ﴾ [الانبیاء:۱۰۵]

❺ ...... صحف: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝﴾ [البینۃ:۲]

❻ ...... فرقان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مِنۡ قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنۡزَلَ الۡفُرۡقَانَ﴾ [آل عمران:۴]

❼ ...... کتاب: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ﴾ [البقرۃ:۲]

8 ..... نور : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ [المائدة:١٥]

9 ..... برہان : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [النساء:١٧٤]

10 ..... بشریٰ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ﴾ [النحل:٨٩]

11 ..... بصائر : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ [الاعراف:٢٠٣]

12 ..... بلاغ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ﴾ [ابراہیم:٥٢]

13 ..... حق : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾ [یونس:١٠٨]

14 ..... ذِکریٰ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [الاعراف:٢]

15 ..... رحمت : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [النمل:٧٧]

16 ..... شفاء : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ [یونس:٥٧]

17 ..... بیان : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ [آل عمران:١٣٨]

18 ..... بینہ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ [الانعام:١٥٧]

19 ..... موعظہ : اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ

رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ﴾ [یونس:۵۷]

(20) ...... ہدیٰ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى﴾ [آل عمران:۱۳۸]

(21) ...... تبیان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ [النحل:۸۹]

(22) ...... حکم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ [الرعد:۳۷]

قرآن مجید کے اوصاف:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے مختلف مقامات میں مختلف اوصاف بیان فرمائے ہیں:

(1) ...... مصدّق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ﴾ [الاحقاف:۱۲]

(2) ...... الحکیم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝﴾ [یٰسین:۲]

(3) ...... عربی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا﴾ [یوسف:۲]

(4) ...... عزیز: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝﴾ [فصلت:۴۱]

(5) ...... عظیم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝﴾ [الحجر:۸۷]

(6) ...... علی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾ [الزخرف:۴]

(7) ...... کریم: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ [الواقعہ:۷۷]

(8) ...... مبارک: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ﴾ [ص:۲۹]

(9) ...... مبین: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ

مُّبِيْنٍ ①﴾[الحجر:١]

⑩ ......مجید: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ①﴾[ق:١]

⑪ ......مفصل: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ [الانعام:١١٤]

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

شیخ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْقُرْآنُ حَبْلُ اللّٰهِ بَيْنَ اللّٰهِ وَ بَيْنَ عِبَادِهٖ، مَنْ تَمَسَّكَ بِهٖ نَجَا'' (قرآن مجید، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مضبوط رسی کی مانند ہے، جس نے بھی اسے تھام لیا، وہ نجات پا جائے گا)۔
[موسوعۃ الکسنزان: تحت مادۃ: ق را]

قرآن مجید کے تین نور:

شیخ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تین قسم کے نور ہیں:

① ......نُوْرُ الدَّلَالَةِ عَلَى اللّٰهِ (اللہ کی طرف رہنمائی کا نور)۔

② ......نُوْرُ امْتِثَالِ الْأَوَامِرِ (احکامات کے بجالانے کا نور)۔

③ ......نُوْرُ اجْتِنَابِ النَّوَاهِي (منع کردہ چیزوں سے پرہیز کرنے کا نور)۔

[ایضاً]

قراء کی تین قسمیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں:

① ......کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے ذریعۂ آمدنی بنایا ہوا ہے، وہ اس کے ذریعے لوگوں کا مال پیسہ چاہتے ہیں۔

2 ..... کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کے حروف تو اچھے طریقے سے ادا کیے، مگر اس کی حدود کو پامال کیا، چنانچہ وہ اس کے ذریعے شاہوں کے مال و دولت کے گرد گھومتے ہیں۔

3 ..... اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن پڑھا، اس کی آیات میں غور و فکر کیا اور پھر اس کے ذریعے اپنے بیمار دلوں کا علاج کیا۔

[ایضاً]

قرآن مجید کس چیز کے لیے شفا ہے؟

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے شفا ہے۔

چنانچہ......:

...... ''شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الجَهلِ لِلعُلَمَاءِ'' (علماء کے لیے جہالت کے مرض سے شفا ہے)۔

...... ''شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الشِّركِ لِلمُؤمِنِينَ'' (مومنین کے لیے شرک سے شفا ہے)۔

...... ''شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ النَّكْرَةِ لِلعَارِفِينَ'' (عارفین کے لیے معرفتِ الٰہی سے ناواقفیت کے لیے شفا ہے)۔

...... ''شِفَاءٌ مِنْ لَوَاعِجِ الشَّوقِ لِلمُحِبِّينَ'' (محبّین کے لیے آتشِ شوق کے لیے شفا ہے)۔

...... ''شِفَاءٌ مِنْ دَاءِ الشَّطَطِ لِلمُرِيدِينَ وَ القَاصِدِينَ'' (مریدین اور سالکین کے واسطے حد سے تجاوز کے لیے شفا ہے)۔

[ایضاً]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

...... ''تَعَلَّمُوا القُرْآنَ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الحَدِيثِ'' (قرآن مجید سیکھو، کیونکہ یہ تمام باتوں

میں سب سے بہترین بات ہے)۔

...... ''تَفَقَّهُوْا فِيْهِ فَإِنَّهُ رَبِيعُ الْقُلُوبِ'' (اس میں فقاہت حاصل کرو، کیونکہ یہ دلوں کی بہار ہے)۔

...... ''اِسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءُ الصُّدُورِ'' (اس کے نور کے ذریعے شفا حاصل کرو، کیونکہ یہ دلوں کے امراض کے لیے شفا ہے)۔

...... ''أَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْقَصَصِ'' (اور احسن طریقے سے اس کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ تمام قصوں میں سب سے بہترین قصہ ہے)۔

[ایضاً]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ شِفَاءٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ، وَإِمَامٌ لِلْمُتَّقِيْنَ، فَمَنِ اهْتَدَى بِهِ هَدَى، وَمَنْ صَرَفَ عَنْهُ شَقِيَ وَابْتَلَى.''

''اے لوگو! یہ قرآن مومنین کے لیے شفا ہے اور متقین کا امام ہے۔ چنانچہ جو شخص اس کے ذریعے ہدایت پانا چاہے گا تو اسے ہدایت نصیب ہو جائے گی اور جو اس سے منہ موڑے گا تو وہ بد بخت ہوگا اور آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے گا۔''

[ایضاً]

منصوح لہم کا بیان:

لِلنَّاسِ

لوگوں کے لیے

قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت ہے، چنانچہ لوگ منصوح لھم ہو گئے یعنی جن کو نصیحت کی جا رہی ہے۔ چونکہ نبی علیہ السلام خود انسان ہیں اور آپ کے صحبت یافتہ بھی انسان ہی تھے، اس لیے ''الناس'' کا لفظ بولا گیا ہے، ورنہ یہ ''جنات'' کے لیے بھی نصیحت ہے۔ اس کو ''تغلیب'' کہتے ہیں، یعنی ''الناس'' کو ''جنات'' پر غلبہ دیا گیا ہے۔

جامعیتِ قرآن کا بیان: (۱)

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

ہر ایک مثل

''المثل'' کے معنی ہیں ایسی بات کے جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو اور معاملہ کی شکل سامنے آجاتی ہو۔ مثلاً عین ضرورت پر کسی چیز کو کھو دینے کے لیے ''بِالصَّيْفِ ضَيَّعْتِ اللَّبَنَ'' کا محاورہ ضرب المثل ہے۔ چنانچہ قرآن میں امثال بیان کرنے کی غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [الحشر:۲۱] (اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے سامنے اس لیے بیان کرتے ہیں، تا کہ وہ غور وفکر سے کام لیں)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: م ث ل]

شکوۂ معاندین کا بیان: (۱)

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو

یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کے دلائل و امثلہ سے سچی باتیں سمجھاتا ہے، مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی

کٹ حجتی کیے بغیر نہیں رہتا۔ جب اس سے دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو وہ مہمل اور بے کار قسم کی فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آپہنچے اور فرمایا: ''أَلَا تُصَلِّيَانِ مِنَ اللَّيْلِ'' (تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو؟) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''إِنَّ أَنْفُسَنَا بِيَدِ اللهِ فَإِذَا شَاءَ أَن يَبْعَثَنَا بَعَثَنَا'' (ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں، وہ جب ہمیں اُٹھانا چاہتا ہے تو ہم کو اُٹھا دیتا ہے) میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے گئے، مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرما رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾﴾ (اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے)۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب پسند نہیں آیا تھا، انہوں نے یہ فلسفہ قائم کیا تھا کہ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں اور اگر وہ اُٹھا دیتا ہے تو ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، ورنہ نہیں۔ ان کا جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اگر اللہ کی توفیق شامل ہوگی تو ضرور رات کو اُٹھ کر نماز پڑھیں گے، لمبا چوڑا فلسفہ جھاڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔

''انسان'' کو ''انسان'' کیوں کہتے ہیں؟

''انسان'' کو ''انسان'' کہنے کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں:

❶ ...... ''لِأَنَّهُ يَأْنَسُ وَ يُؤْنَسُ بِهِ'' (اس لیے کہ یہ مانوس ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ دوسری چیزیں بھی مانوس ہو جاتی ہیں)۔

❷ ...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے دو اُنس ہیں: ''أُنسٌ بالحقّ و أُنسٌ بِالخَلْقِ'' (ایک اُنس اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور دوسرا مخلوقِ خدا کے ساتھ)۔

❸ ...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے دو اور اُنس ہیں: ''لأنَّ أُنسا بِالعُقْبَی، وَ أُنسًا بِالدُّنیا'' (اس کا ایک اُنس آخرت کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسرا دنیا کے ساتھ)۔

❹ ...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''انسان'' ''إِینَاس'' سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: دیکھنا، جاننا اور محسوس کرنا۔ اور انسان بھی کسی چیز کو سمجھ لیتا ہے، علم کے ذریعے اور دیکھنے کے ذریعے اور حواس کے ذریعے۔

❺ ...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''انسان'' ''نَوس'' سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے، حرکت کرنا۔ چونکہ انسان بڑے بڑے کاموں میں متحرک رہتا ہے، مختلف حالات میں پلٹے کھاتا رہتا ہے، اس لیے اسے ''انسان'' کہتے ہیں۔

❻ ...... انسان ''نسیان'' سے ہے، نسیان کا معنی ہے: بھولنا۔ انسان سے چونکہ بھول چوک ہوتی رہتی ہے، اس لیے اسے ''انسان'' کہتے ہیں۔

❼ ...... شیخ ابوسعید قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سُمِّيَ الإِنْسَانُ إِنْسَانًا لِأَنَّهُ نَسِيَ العُهُوْدَ وَالْمَوَاثِيْقَ'' (انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بھلا دیا ہے)۔

[دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/۳۱، ۳۲ بزیادۃ]

قرآن میں لفظ ''انسان'' کے 20 مصداق:

قرآن مجید میں لفظ ''انسان'' کے 20 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

❶ ...... آدم علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَي الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ

الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ① ﴾[الانسان:١]

② ...... بنی آدم۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾[ق:١٦]

③ ......ولید بن مغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④﴾[التين:٤]

④ ......قرط بن عبداللہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥﴾ [العادیات:٦]

⑤ ......ابو جہل۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ⑥﴾[العلق:٦]

⑥ ......نضر بن حارث۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ﴾[الاسراء:١١]

⑦ ...... برصیصا راہب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ﴾[الحشر:١٦]

⑧ ...... بدیل بن ورقاء۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ⑮﴾[الزخرف:١٥]

⑨ ......اخنس بن شریق۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ⑲﴾ [المعارج:١٩]

⑩ ......اُبی بن خلف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥﴾[الانفطار:٦]

⑪ ......کلدہ بن اُسید۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④﴾ [البلد:٤]

⑫ عقبہ بن ابی مُعیط۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا﴾ [الفرقان:۲۹]

⑬ ابوطالب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ [الطارق:۵]

⑭ عدی بن ربیعہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ﴾ [القیامۃ:۳]

⑮ عُتبہ بن ابی لہب۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ﴾ [عبس:۱۷]

⑯ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾ [العنکبوت:۸]

⑰ عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہما۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا﴾ [الاحقاف:۱۵]

⑱ عیاش بن ابی ربیعہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ﴾ [الاسراء:۸۳]

⑲ اُمیہ بن خلف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ﴾ [یٰس:۷۷]

⑳ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ﴾ [الانشقاق:۶]

[بصائر ذوی التمییز: ۲/۳۲تا۳۵]

لفظ "جدال" کی تحقیق:

"جدال" کے معنی ایسی گفتگو کرنا ہیں جس میں طرفین ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اصل میں یہ "جَدَلْتُ الحَبلَ" سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں رسی کو مضبوط بٹنا۔ اسی سے بٹی ہوئی رسی کو "اَلْجَدِیْل" کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل:۱۲۵] (اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ ج دل]

قرآن میں لفظ "جدال" کا 13 طرح استعمال:

قرآن مجید میں لفظ "جدال" کا 13 طرح استعمال ہوا ہے:

① حضرت نوح علیہ السلام کا قوم سے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ [ہود:۳۲]

② کفار کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ [الاعراف:۷۱]

③ ......قومِ لوط کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ملائکہ کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ [ہود:۷۴]

④ ......الٰہ العالمین کے اثبات کے متعلق سردارانِ قریش کا مجادلہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ﴾ [الرعد:۱۳]

⑤ ......قرآن مجید کے بارے میں کفار کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے

ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ﴾ [غافر:۵۶]

⑥ شک و شبہ کی وجہ سے حجت کے انکار کے بارے میں منکرین کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ [غافر:۵]

⑦ خائنین منافقین کے بارے میں نبی علیہ السلام کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ﴾ [النساء:۱۰۷]

⑧ ......منافقین کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ھٰۤاَنْتُمْ ھٰۤؤُلَاۤءِ جٰدَلْتُمْ عَنْھُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰہَ عَنْھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ [النساء:۱۰۹]

⑨ ......اہل کتاب کے ساتھ لطف و احسان کے ساتھ نبی علیہ السلام کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ [النحل:۱۲۵]

⑩ ...... اہل کتاب کے ساتھ لطف و احسان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْۤا اَھْلَ الْکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ [العنکبوت:۴۶]

⑪ ......حجاج کرام کے درمیان جھگڑے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ﴾ [البقرة:۱۹۷]

⑫ ......حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور بتوں کے بارے میں ابنُ الزِّبَعْرٰی کے مجادلہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا﴾ [الزخرف:۵۸]

⑬ ......فطرتِ انسانی میں موجود صفتِ جدال کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝۵۴﴾ [الکہف:۵۴]

[بصائر ذوی التمییز: ۲/ ۳۷۳، ۳۷۴]

کفار کے لیے دو زجر

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾﴾

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ چکی تو اب انہیں ایمان لانے اور اپنے رب سے معافی مانگنے سے اس (مطالبے) کے سوا کوئی اور چیز نہیں روک رہی کہ ان کے ساتھ بھی پچھلے لوگوں جیسے واقعات پیش آ جائیں، یا عذاب ان کے بالکل سامنے آ کھڑا ہو۔

پہلا زجر:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى

اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی، ایمان لانے سے کوئی امر مانع نہیں رہا یعنی ان کے ضد و عناد کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن جیسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبولِ حق میں اب کیا دیر ہے اور کس چیز کا انتظار ہے۔

ہدایت کے متعلق صوفیاء کے ارشادات:

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلْهِدَايَةُ، هِيَ الْمَعُوْنَةُ عَلٰى مَا أُمِرَ'' (مامور بہ پر غیبی معاونت کا نام ہدایت ہے)۔

امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلْهِدَايَةُ، هِيَ إِمَالَةُ الْقَلْبِ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَى الْحَقِّ'' (باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف دل کے مائل ہو جانے کا نام ہدایت ہے)۔

شیخ عبدالقادر جزائری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلْهِدَايَةُ، هِيَ السُّلُوكُ عَلَى يَدِ شَيْخٍ صَادِقٍ عَارِفٍ، لَهُ دِرَايَةٌ بِخَفَايَا النُّفُوسِ، وَقُدْرَةٌ عَلَى التَّأْثِيرِ عَلَيْهَا وَفِيهَا'' (**کامل شیخ، جو نفس کی پوشیدہ چالاکیوں سے باخبر ہو اور اس کے علاج میں مکمل مہارت رکھتا ہو، کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک طے کرنا**)۔

[موسوعۃ الکسنزان: تحت مادۃ: ھ د ی]

ہدایت کی اقسام:

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی تین قسمیں ہیں:

❶ ...... عام مخلوقات کی ہدایت یہ ہے کہ نفع بخش چیزوں کا حصول اور مضر چیزوں سے پرہیز کا ان کو پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿الَّذِيٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝۵۰﴾ [طٰہٰ: ۵۰] (جس نے ہر چیز کو وہ بناوٹ عطا کی جو اس کے مناسب تھی، پھر اس کی رہنمائی بھی فرمائی)۔

❷ ...... خواص یعنی مومنین کی ہدایت یہ ہے کہ ان کی جنت کی طرف راہنمائی ہو جائے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ﴾ [یونس: ۹] (ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا پروردگار انہیں اس منزل تک پہنچائے گا)۔

❸ ...... تیسری قسم اخص لوگوں کی ہدایت یہ ہے کہ انہیں معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی ہو جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ [البقرۃ: ۱۲۰] (کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے)۔

[ایضاً]

انواعِ ہدایت:

شیخ اسماعیل حقی بروسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہدایت کی بہت ساری انواع ہیں۔

چنانچہ ان میں سے:

......کافر کی ہدایت ایمان کی طرف۔

......گناہگار مومن کی ہدایت فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف۔

......فرمانبردار مومن کی ہدایت زہد اور تقویٰ کی طرف۔

......زاہد اور متقی کی ہدایت معرفت کی طرف۔

......عارف کی ہدایت وصل کی طرف۔

......واصل باللہ کی ہدایت حصول کی طرف۔

درجۂ حصول پر پہنچنے کے بعد دل میں لگا ہوا بیج اُگنے لگتا ہے، اس سے ایسا درخت اُگتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

[ایضاً]

فوائد السلوک:

......حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے پاس ہدایت تو آ چکی تھی، لیکن ہدایت کے دروازے ان پر بند ہو چکے تھے، جس نے انہیں راہِ ہدایت پر آنے اور ایمان لانے سے روک دیا۔

دوسرا زجر:

وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ

اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے

''غفر'' کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینے کے ہیں جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اور ''استغفار'' کے معنی قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنے کے ہیں۔ چنانچہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ [نوح:10] (اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے)۔

پوری انسانیت مغفرت کی خواہاں:

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر روز قیامت تک اگر آپ نظر دوڑائیں تو آپ کو ہر شخص، خواہ وہ وقت کا نبی ہو، اللہ کا ولی ہو، عام مسلمان ہو، فاسق فاجر ہو یا مخلص مومن، اپنے حق میں مغفرت کا متمنی نظر آئے گا۔ آیئے ذرا اس کی چند مثالوں پہ نظر ڈالتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کا مغفرت کی خاطر رونے اور گڑگڑانے کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں ہے: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [الاعراف:23]

...حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ [نوح:28] اور اپنی قوم کو بھی اسی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴾ [نوح:10]

.... حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا: ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ [ہود:52]

......حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے فرمایا: ﴿لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ [النمل:46]

......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے والد سے فرمایا تھا: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ [مریم:47] اور خود اپنے بارے میں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ يَوْمَ

الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ ﴾ [الشعراء: ٨٢]

...... حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہمارے لیے مغفرت مانگیں: ﴿يَآبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ﴾ [یوسف: ٩٧] اور انہوں نے ان الفاظ میں وعدہ فرمایا: ﴿سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ﴾ [یوسف: ٩٨]

...... حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو مغفرت کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [یوسف: ٩٢]

...... فرعون کے جادوگر بھی مغفرت کے طلبگار تھے: ﴿اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ﴾ [الشعراء: ٥١]

...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قبطی کو قتل کر دیا تو اسی وقت اپنی حاجت پیش کی: ﴿رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ﴾ [القصص: ١٦] پھر اپنی دعا میں اپنے بھائی حضرت ہارون کو بھی شریک کیا اور عرض کی: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ﴾ [الاعراف: ١٥١]

...... حضرت داوٗد علیہ السلام کے واقعہ میں بھی اسی چیز کا تذکرہ ہے: ﴿فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ﴾ [ص: ٢٤] اور پھر ان کی یہ مراد پوری کی گئی، جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

﴿فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ﴾ [ص: ٢٥]

...... حضرت سلیمان علیہ السلام نے بادشاہت کا سوال کرنے سے پہلے مغفرت کا سوال کیا:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ﴾ [ص: ٣٥]

...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی قربِ قیامت میں اللہ رب العزت سے عرض کریں گے:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١١٨﴾﴾ [المائدۃ: ١١٨]

...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے لیے یہ ساری کائنات بنائی گئی، ان کو بھی اپنے لیے اور

اپنی اُمت کے لیے اسی مغفرت کے مانگنے کا حکم دیا گیا: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ [محمد:۱۹]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عطا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ [الفتح:۲]

... سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ کی طرف سے جو عتاب آیا، وہ بھی ان کی مغفرت کے لیے تھا: ﴿اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [النور:۲۲]

... حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک ایسی قوم کی سفارش کی گئی جو سخت سزا کی مستحق بن چکی تھی، وہ بھی مغفرت کے لیے ہی تھی: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ﴾ [الجاثیہ:۱۴]

... حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی فرض نمازوں کے بعد اور ختمِ قرآن کے وقت سب سے بڑی دعا یہی ہوا کرتی تھی: ﴿وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۝۱۸﴾ [الذاریات:۱۸]

... اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف پر مشتمل جو کلمات نازل کیے گئے، ان میں ان کے طلبِ مغفرت کا ہی تذکرہ ہے: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۝۱۷﴾ [آل عمران:۱۷]

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر تنبیہ بھی فرمائی کہ مشرک شخص مغفرت کا اہل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ﴾ [النساء:۴۸]

... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ دین کا جو کام بھی کرتے تھے، اس میں طلبِ مغفرت کا پہلو نمایاں ہوا کرتا تھا: ﴿تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ [المنافقون:۵] پھر اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ کافر لوگ مغفرت کی قدر نہیں جانتے: ﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

﴿سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ [المنافقون:٦] اس کے بعد آپ ﷺ کو اللہ کے چنے ہوئے اور نیک لوگوں کے حق میں عفو و درگزر سے کام لینے اور استغفار کرنے کا حکم دیا گیا: ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ [آل عمران:١٥٩]

عرش کو اُٹھانے والے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے مومنین کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں: ﴿اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ [غافر:٧]

اہل ایمان کا رونا دھونا اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا بھی طلب مغفرت پر ہی منتج ہوتا ہے: ﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾﴾ [البقرة:٢٨٥]

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو سب سے بڑی بشارت دی ہے، اس میں خود کو لوگوں کی مغفرت کرنے کا اہل قرار دیا ہے: ﴿هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾﴾ [المدثر:٥٦] دوسری جگہ فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾﴾ [الحجر:٤٩]

[بصائر ذوی التمییز: ٤/١٣٦ تا ١٣٩]

قرآن میں لفظ ''استغفار'' کا 3 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''استغفار'' کا 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

1. ...کفر اور شرک سے رجوع کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾﴾ [نوح:١٠]

2. ...نماز کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾﴾ [آل عمران:١٧]

③...... گناہوں سے معافی مانگنے کے معنیٰ میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ [النصر:۳]

استغفار کی فضیلت: ①

...... حدیث پاک میں آتا ہے:

((مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهُ مِنْ كُلِّ ضِيقٍ مَخْرَجًا، وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.)) [سنن ابی داود، رقم:۱۵۱۸]

''جو شخص پابندی سے استغفار کرتا رہے تو اللہ رب العزت اس کے لیے ہر مشکل میں سے راستہ نکال دیں گے اور ہر پریشانی سے نجات عطا فرمادیں گے اور وہاں سے عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔''

...... ایک اور حدیث میں نبی علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے:

((وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً.)) [صحیح بخاری، رقم:۶۳۰۷]

''اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ سے دن میں 70 بار سے بھی زائد استغفار کرتا ہوں۔''

کفار کی غفلت کا پہلا نتیجہ: ①

اِلَّآ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ سُنَّةُ الۡاَوَّلِيۡنَ

سوا اس انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم پہلوں کی

یعنی وہ ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ یا تو وہ عذاب کے انتظار میں ہوتے ہیں یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا پہلے والوں کے ساتھ معاملہ ہوا ہے ویسا معاملہ ہمارے ساتھ بھی ہو۔ ''سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنَ'' سے مراد اللہ کے عذاب کا وہ طریقہ ہے جو گزشتہ کافروں کے لیے

استعمال کیا گیا کہ ان کی جڑ اکھڑ گئی۔

سنت الٰہی اور سنت نبوی:

''سنتِ نبوی'' سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ طریقہ ہے جسے آپ ﷺ اختیار فرماتے تھے۔ اور ''سنتِ الٰہی'' سے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے ارشادِ خداوندی ہے: ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾﴾ [فاطر: ۴۳] (تم اللہ کے طے شدہ دستور میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے اور نہ تم اللہ کے طے شدہ دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت لفظ سنّ]

قرآن مجید میں لفظ ''اوّل'' کے 9 مصداق:

قرآن مجید میں لفظ ''اوّل'' کے 9 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

① ...... بیت اللہ شریف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ﴾ [آل عمران: ۹۶]

② ...... موسیٰ علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٤٣﴾﴾ [الاعراف: ۱۴۳]

③ ...... انکار کرنے والے یہودی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْٓا أَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]

④ ...... نبی علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٢﴾﴾ [الزمر: ۱۲]

⑤ ...... فرعون کے جادوگر۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا

خَطٰیٰنَاۤ اَنۡ کُنَّاۤ اَوَّلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۱﴾﴾[الشعراء:۵۱]

❻ ......آسمانی دسترخوان اُترنے کے وقت قومِ عیسیٰ علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا﴾[المائدۃ:۱۱۴]

❼ ......انبیاء سابقین علیہم السلام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۵﴾﴾[الانبیاء:۵]

❽ ......گزشتہ آباؤ اجداد۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾﴾[الواقعہ:۴۹،۵۰]

❾ ......اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ﴾[الحدید:۳]

[تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۲/۸۶،۸۷]

غفلت کا دوسرا نتیجہ: ②

اَوۡ یَاۡتِیَهُمُ الۡعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

یا آ کھڑا ہوان پر عذاب سامنے کا

پہلی قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی تباہ کر ڈالے یا اگر تباہ نہ کیے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذابِ الٰہی آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہو۔ ''عاذب'' اس جانور کو کہتے ہیں جو نہ کھاتا ہو اور نہ پیتا ہو۔ عذاب میں بھی انسان کے لیے بھوک ہے، پیاس ہے۔ [مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۴/۳۵]

﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ﴿۵۶﴾﴾

اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ (مومنوں کو) خوشخبری دیں، اور (کافروں کو عذاب سے) متنبہ کریں۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ باطل کا سہارا لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تا کہ اس کے ذریعے حق کو ڈگمگا دیں، اور انہوں نے میری آیتوں کو اور انہیں جو تنبیہ کی گئی تھی، اس کو مذاق بنا رکھا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا فرضِ منصبی:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈرسنانے کو

یعنی پیغمبروں کو ہم نے اس بات پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ کافر جو معجزات طلب کریں وہ پیش کر دیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے پیغمبروں کو اس امر پر قادر بنا کر نہیں بھیجا کہ وہ ساری مخلوق کو ہدایت یافتہ بنا دیں۔

''اَلتَّبْشِيْر'' کے معنی ہیں: اس قسم کی خبر سنانا جسے سن کر چہرہ شدت فرحت سے تمتما اُٹھے۔ مگر ان کے معانی میں قدرے فرق پایا جاتا ہے، ''تبشیر'' میں کثرت کے معنی ملحوظ ہوتے ہیں۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: ب ش ر]

قرآن میں لفظ ''ارسال'' کا 6 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''ارسال'' 6 مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

1. مسلط کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَـؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ [مریم: ۸۳]

② ...... بھیجنے اور تصدیق کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا﴾[النساء:۷۹]

③ ...... نکالنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ﴾[القمر:۲۷]

④ ...... کسی بااختیار شخص کو بھیجنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ﴾[الشعراء:۵۳]

⑤ ...... عذاب سے آزاد کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾[الشعراء:۱۷]

⑥ ...... بارش برسانے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴾[ھود:۵۲]

[بصائر ذوی التمییز: ۲/ ۹۸ بتغیر]

رسول کی تعریف:

علامہ جرجانی رحمہ اللہ رسول کی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں: ''اَلرَّسُوْلُ اِنْسَانٌ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلَى الخَلْقِ لِتَبْلِيْغِ الْأَحْكَام''❶ (رسول، وہ انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے احکامِ الٰہیہ کی تبلیغ کے لیے انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا ہو)۔

''رسول'' کا لفظ کبھی فرشتے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ﴾[ھود:۸۱] (فرشتوں نے لوط سے کہا: اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں)۔ اور کبھی نبی کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ﴾

❶ ...... [التعریفات للجرجانی، صفحہ ۹۶]

ان سب کے پاس ان کے رسول کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تو انہوں نے ان کے منہ پر اپنے ہاتھ رکھ دیے)۔ [ابراہیم:۹]

[بصائر ذوی التمییز: ۳/۶۹ تا ۷۲]

قرآن میں لفظ ''رسول'' کا 8 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''رسول'' 8 طرح سے استعمال ہوا ہے:

① ... جبرئیل، میکائیل اور مخلوق میں سے چنیدہ بندوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ﴾ [الحج:۷۵]

② ...... انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ [النساء:۱۶۵]

③ ... حضرت صالح علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾﴾ [الشمس:۱۳]

④ ... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾﴾ [الشعراء:۱۶۲]

⑤ ... ملکہ بلقیس کے ان قاصدوں کے لیے جن کو اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۵﴾﴾ [النمل:۳۵]

⑥ ...... غیر معین شخص کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا﴾ [الشوریٰ:۵۱]

⑦ ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ

مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾[الصف:٦]

③ حضور اکرم ﷺ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي﴾[الصف:٦]

[تفصیل کیلئے دیکھیے: بصائر ذوی التمیز: ۳/۷۲،۷۳]

قرآن میں لفظ ''مبشر'' کا 3 طرح استعمال: ①

قرآن میں لفظ ''مبشر'' 3 طرح سے استعمال ہوا ہے:

① ...... عام رسولوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾[النساء:١٦٥]

② ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾[الصف:٦]

③ ...... نبی علیہ السلام کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝﴾[الاحزاب:٤٥]

[بصائر ذوی التمیز: ۲/۲۰۶،۲۰۷]

مجادلۂ کفار کا بیان: ①

وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جھگڑا کرتے ہیں کافر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کافر لوگ خواہ مخواہ جھگڑنے پہ اُتر آتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ جس کے پاس دلیل نہ ہو تو جھگڑا کرتا ہے۔ اور جس کے پاس دلیل ہو تو وہ بڑے حوصلے سے بات کرتا ہے، کیونکہ اس کو یقین ہے کہ میں حق پر ہوں۔

نوعیتِ مجادلہ کا بیان:

بِالْبَاطِلِ

جھوٹا جھگڑا

''الباطل'' یہ حق کا بالمقابل ہے اور تحقیق کے بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے، اسے ''باطل'' کہا جاتا ہے۔[بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۲۵۲]

قرآن میں لفظ ''باطل'' کا 5 طرح استعمال:

قرآن میں لفظ ''باطل'' 5 مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے:

① ......جھوٹ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾[فصلت:۴۲]

② ......ضائع کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ﴾[البقرۃ:۲۶۴]

③ ......کفر اور شرک کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾﴾[الاسراء:۸۱]

④ ......بتوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٥٢﴾﴾[العنکبوت:۵۲]

⑤ ......ظلم اور زیادتی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾[البقرۃ:۱۸۸]

[بصائر ذوی التمیز: ۲/ ۲۵۲، ۲۵۳]

غرضِ مجادلہ کا بیان: (1)

لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو

کافر لوگ ناحق باتیں بنیاد بنا کر جھگڑتے ہیں، تاکہ باطل کے ذریعہ سے حق بات کو نقصان پہنچائیں، اس کی جگہ سے ہٹا دیں۔ مثلاً کافر کہتے ہیں: ﴿اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾[الاسراء:۹۴] (کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) کبھی کہتے: ﴿مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾[یس:۱۵] (تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو اس کے سوا کچھ نہیں)۔ کبھی کہتے: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾[المؤمنون:۲۴] (اگر اللہ چاہتا تو ہدایت کے لیے فرشتوں کو اُتار دیتا)۔ اور بعض کہنے لگے: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝﴾[الزخرف:۳۱] (یہ قرآن ان دونوں بستیوں [مکہ وطائف] کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اُتارا گیا؟) اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کافروں نے کہا تھا کہ تم جو ذبح کرتے ہو وہ ذبیحہ تو حلال ہو اور جس کو اللہ تمہارے ذبح کیے بغیر مار ڈالتا ہے، وہ حرام ہو۔

کفار کا وحی کو مذاق بنانے کا بیان: (2)

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا

یعنی لوگ شریعت کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ یہ لوگ جھگڑتے رہے اور اپنے غلط موقف پر ڈٹے رہے۔ اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب

سے ان کو ڈرایا گیا تھا، اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔ آیات سے مراد ہیں وہ آیات جوقرآن میں نازل کی گئی ہیں۔

''ھُزُوًا'' دل لگی کی چیز۔ مثلاً کہتے ہیں: ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ [الانفال:۳۱] (اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں)۔ کبھی کہتے ہیں: ﴿اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ [النحل:۱۰۳] (ان کو تو ایک انسان سکھاتا پڑھاتا ہے)۔ بعض اوقات یوں اعتراض کیا: ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ [الانفال:۳۱] (اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ اگلوں کی داستانیں ہیں)۔ عذاب کے متعلق کہتے ہیں: ﴿لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ﴾ [المجادلۃ:۸] (ہمارے قول پر اللہ ہم پر عذاب کیوں نہیں بھیج دیتا؟) ''زقوم'' کے متعلق کہتے تھے کہ یہ تو عمدہ چھوارے اور مکھن کو کہتے ہیں۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۵۷﴾

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے اس کے رب کی آیتوں کے حوالے سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے، اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھلا بیٹھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے (ان لوگوں کے کرتوت کی وجہ سے) ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیئے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس (قرآن) کو نہیں سمجھتے، اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دی ہے۔ اور اگر تم انہیں ہدایت کی طرف بلاؤ، تب بھی وہ صحیح راستے پر ہرگز نہیں آئیں گے۔

سب سے بڑے ظالم کا بیان:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِا [illegible]

اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے

یہاں اللہ تعالیٰ اس شخص کو بہت بڑا ظالم کہہ رہے ہیں جس کو آیاتِ الٰہی سے نصیحت کی جاتی ہے، کیونکہ آیاتِ الٰہیہ سب سے بڑی نصیحت ہے، تو ان کے ذریعے جس کو نصیحت کی جائے اور وہ نہ مانے تو ظاہری بات ہے کہ وہ سب سے بڑا ظالم ہوگا۔

آیاتِ الٰہی سے اعراض کا بیان:

فَاَعْرَضَ عَنْهَا

پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جس کو قرآن کی آیات سے نصیحت کی گئی اور آیات کے الفاظ و معانی کا معجزہ ہونا اس پر واضح ہوگیا، لیکن اس نے آیات پر غور نہیں کیا اور نصیحت پذیر نہ ہوا اور جو گناہ پہلے کر چکا ہے اس کے انجام کو نہیں سوچا؟

کفار کی غفلت کا بیان:

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ

کفار بڑی غافل قوم ہے، کفریہ شرکیہ اعمال کر کے انہیں بھولنے کا مرض ہے۔ چنانچہ ایک مومن کامل تو اپنی نیکیوں پہ روتا ہے، ڈرتا ہے، پتہ نہیں یہ قبول بھی ہوں گی یا نہیں، جبکہ کافر اس سے بالکل بے فکر ہوتا ہے کہ میرا آخرت میں کیا بنے گا۔

فوائد السلوک:

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سب سے بڑا ظالم اسے کہا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ان سے عبرت حاصل نہ کرے، نیکی اور بھلائی کے راستے کو دیکھنے کے باوجود اس سے اعراض کرے، بُرائی کے مواقع دیکھنے کے بعد ان سے بچنے کی بجائے انہی کے پیچھے پڑا رہے۔

اعراض ونسیان کے سبب کا بیان:

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً

ہم نے ڈال دیے ہیں ان کے دلوں پر پردے

یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جیسے ان کے کانوں کے اندر کچھ ڈال دیا گیا ہو، ان کو خیر کی بات سنائی ہی نہیں دیتی۔ ان کے دلوں پر پردہ آجاتا ہے اور اس پردے کی وجہ سے حق بات سننے سے قاصر ہوتے ہیں۔

یہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت وسبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں، ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔

''قلب''، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں:

حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْقَلْبُ هُوَ مَالِكُ الْجَوَارِحِ وَأَمِيْرٌ عَلَيهَا، فَإِذَا مَلَكَتْهُ المَعْرِفَةُ وَ العَقْلُ اسْتَقَامَ، وَإِذَا مَلَكَهُ الهَوَى وَ النَّفْسُ مَالَ عَنِ اللّٰهِ''
(قلب، سارے اعضاء کا بادشاہ اور نگران ہے، چنانچہ معرفت وعقل جب اس پہ حاوی ہوجاتی ہے تو یہ سیدھا رہتا ہے اور جب نفس وہویٰ اس پر غالب ہوتے ہیں تو یہ اللہ سے اعراض کرتا ہے)۔

......امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلْقَلْبُ حَقِيقَةُ رُوحِ الإنسَانِ الَّتِي هِيَ مَحَلُّ مَعْرِفَةِ اللهِ، دُونَ اللَّحمِ وَالدَّمِ الَّذِي يُشَارِكُ فِيهِ المَيِّتُ وَالبَهِيمَةُ" (قلب، روحِ انسانی کی روح ہے اور یہ معرفتِ الٰہی کا محل ہے۔ صرف گوشت اور خون کا نام نہیں ہے، کیونکہ اس یہ تو میت اور جانوروں سب کے پاس ہوتا ہے)۔

......بعض صوفیاء فرماتے ہیں: "اَلْقَلْبُ جَوْهَرَةٌ مُظْلِمَةٌ مَغْمُورَةٌ بِتُرَابِ الغَفْلَةِ، جِلَاؤُهَا الفِكْرُ، وَ نُورُهَا الذِّكْرُ، وَ صُنْدُوقُهَا الصَّبْرُ" (قلب ایک تاریک چیز ہے، جو غبارِ غفلت سے لتھڑا ہوتا ہے، اس کی پالش فکر ہے، اس کا نور ذکر ہے اور اس کا صندوق صبر ہے)۔

قلوب کی اقسام:

شیخ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلوب کی کئی اقسام ہیں۔ چنانچہ:

......"قُلُوبُ العَارِفِينَ أَوْعِيَةُ الذِّكْرِ" (عارفین کے دل ذکر کے برتن ہوتے ہیں)۔

......"قُلُوبُ أَهْلِ الدُّنْيَا أَوْعِيَةُ الطَّمْعِ" (دنیاداروں کے دل طمع کے برتن ہوتے ہیں)۔

......"قُلُوبُ الزَّاهِدِينَ أَوْعِيَةُ التَّوَكُّلِ" (زاہدین کے دل توکل کے برتن ہوتے ہیں)۔

......"قُلُوبُ الفُقَرَاءِ أَوْعِيَةُ القَنَاعَةِ" (فقراء کے دل قناعت کے برتن ہوتے ہیں)۔

......"قُلُوبُ المُتَوَكِّلِينَ أَوْعِيَةُ الرِّضَا" (متوکلین کے دل رضا کے برتن ہوتے ہیں)۔

قلوب کی مشابہت:

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلوب تین قسم کے ہوتے ہیں:

......"قَلْبٌ مِثْلُ الجَبَلِ لَا يُزِيلُهُ شَيْءٌ" (ایک دل پہاڑ کی مانند ہوتا ہے، اسے کوئی چیز ٹلا نہیں سکتی)۔

''قَلْبٌ مثْلُ النَّخلَة، أصلُها ثابتٌ وَالرِّيحُ تُميلُها''(ایک دل کھجور کے درخت کی مانند ہوتا ہے، جس کی جڑ مضبوط ہوتی ہے، لیکن طوفان اسے اُکھیڑ دیتا ہے)۔

''قَلْبٌ كالرِّيشَةِ، يَمِيلُ مَعَ الرِّيحِ يمِينًا وَّ شِمالًا''(ایک دل پَر کی مانند ہوتا ہے، جو ہوا کے ساتھ دائیں بائیں چلا جاتا ہے)۔

دل برتن کی مانند ہے:

شیخ عبدالعزیز دیرینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دل برتنوں کے مشابہ ہوتے ہیں:

''قَلْبُ الْكَافِرِ إِنَاءٌ مَنْكُوسٌ لَا يَدْخُلُهُ شَيْءٌ مِنَ الْخَيْرِ''(کافر کا دل اُلٹے برتن کی مانند ہوتا ہے، اس میں ذرا سی خیر بھی داخل نہیں ہوتی)۔

''قَلْبُ الْمُنَافِقِ إِنَاءٌ مَكْسُورٌ مَا أُلْقِيَ فِيهِ مِنْ أَعْلَاهُ نَزَلَ مِنْ أَسْفَلِهِ''(منافق کا دل ٹوٹے ہوئے برتن کی مانند ہوتا ہے، اس میں اوپر سے جو کچھ ڈالا جائے گا، وہ نیچے سے نکل جائے گا)۔

''قَلْبُ الْمُؤْمِنِ إِنَاءٌ صَحِيحٌ مُعْتَدِلٌ يُلْقَى فِيهِ الْخَيْرُ''(مومن کا دل معتدل صحیح برتن کی مانند ہوتا ہے، جس میں خیر بھری ہوتی ہے)۔

دل کی چار صفات:

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چند چیزیں ایسی ہیں جب تک وہ دل میں ہوں تو ان کے علاوہ کوئی اور چیز دل میں نہیں رہ سکتی:

1. ''اَلْخَوْفُ مِنَ اللهِ وَحْدَهٗ''(ان میں سے ایک ہے صرف اللہ کا خوف)۔
2. ''وَ الرَّجَاءُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ''(دوسری صرف اللہ سے امید رکھنا)۔
3. ''وَ الْحُبُّ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ''(تیسری صرف اللہ کی محبت)۔

(۴) و الأنس بالله وحده (اور چوتھی ہے فقط اللہ تعالیٰ ذات کے ساتھ اُنس)۔

دل کو زندہ کرنے کا طریقہ:

شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کو زندہ کرنے کے تین طریقے ہیں: ''الزُّهد في الدُّنيا و الاشتغال بذكر الله و صُحبة أولياء الله (دنیا سے زہد اختیار کرنا، اللہ کے ذکر میں مشغول رہنا اور اولیاء اللہ کی صحبت اختیار کرنا)۔

دل کی آنکھیں:

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ما مِنْ عبدٍ إلا و له عينانِ في وجهه يُبصِرُ بهِمَا فِي أَمرِ الدُّنيَا، وَ عَينَانِ فِي قَلبِهِ يُبصِرُ بهما في أمر الآخرة'' (جس طرح ہر بندے کی دو ظاہری آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنے دنیاوی اُمور کو دیکھتا ہے، ایسے ہی دل کی بھی دو آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ اپنی آخرت کے اُمور کو دیکھتا ہے)۔

بیمار دل کا علاج:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''دَوَاءُ القَلْبِ قِلَّةُ المُلَاقَاتِ'' (بیمار دل کا علاج یہ ہے کہ لوگوں سے میل جول کم رکھا جائے)۔

بقولِ شاعر:

لِقَاءُ النَّاسِ لَيْسَ يُفِيْدُ شَيْئًا
سِوَى الهِذْيَانِ مِنْ قِيْلٍ وَّ قَالِ
فاقْلِلْ مِنْ لِقَاءِ النَّاسِ إلَّا
لِأَخْذِ العِلْمِ أَوْ إِصْلَاحِ حَالِ

''لوگوں سے ملاقات کرتے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، البتہ نقصان ضرور ہے کہ بندہ فضول گوئی اور قیل وقال میں پڑ جاتا ہے۔ اس لیے لوگوں سے ملاقات کو کم کردو۔
ہاں! اگر علم حاصل کرنا ہو یا اپنی اصلاح مقصود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔''

دل کی دوا...... پانچ چیزیں:

شیخ ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کی دوا پانچ چیزیں ہیں:

1 ......تدبر اور غور وفکر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔

2 ......پیٹ کا خالی رکھنا۔

3 ......رات کو قیام کرنا یعنی نوافل پڑھنا۔

4 ......تہجد کے وقت رونا دھونا۔

5 ......صالحین کی صحبت میں بیٹھنا۔

دل کے بگاڑ کے چھ اسباب:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دل کے بگاڑ کے چھ اسباب ہیں:

1 ......''یُذْنِبُوْنَ وَلَا یَرْجُوْنَ التَّوْبَةَ'' (لوگ گناہ کرتے ہیں، مگر توبہ نہیں کرتے)۔

2 ......''یَتَعَلَّمُوْنَ وَلَا یَعْمَلُوْنَ'' (علم حاصل کرتے ہیں، مگر اس پر عمل نہیں کرتے)۔

3 ......''وَإِذَا عَمِلُوْا لَا یُخْلِصُوْنَ'' (اگر عمل کرتے ہیں تو اس میں اخلاص نہیں ہوتا)۔

4 ......''وَ یَأْكُلُوْنَ وَلَا یَشْكُرُوْنَ'' (اللہ کا دیا ہوا کھا کر اس کا شکر ادا نہیں کرتے)۔

5 ......''وَلَا یَرْضَوْنَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهُمْ'' (اپنے بارے میں اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں رہتے)۔

6 ''وَیَدْفِنُوْنَ مَوْتَاهُمْ وَلَا یَعْتَبِرُوْنَ'' (مُردوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے

ہیں، مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے)۔

دل کی سختی کے اسباب:

شیخ محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''قَسوَةُ القَلبِ تَتَوَلَّدُ مِنْ أَكلِ الحَرَامِ وَالخَوضِ فِي البَاطِلِ وَ مُجَالَسَةِ البَطَّالِينَ'' (دل کی سختی... حرام کھانے، لغو اور بے بنیاد باتوں کی ٹوہ میں لگے رہنے اور بے کار لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہوتی ہے)۔

قلب کے پاک ہونے کی علامت:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُنَا لَمَا شَبِعَتْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ'' (اگر ہمارے دل پاک ہوتے تو یہ کبھی بھی قرآن مجید کی تلاوت سے سیر نہ ہوتے)۔

دلوں کے جاسوس:

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اِحْذَرْ أَيُّهَا المُرِيْدُ! أَنْ تُجَالِسَ أَحَدًا مِنَ الفُقَرَاءِ بِغَيْرِ أَدَبٍ، فَإِنَّ الفُقَرَاءَ جَوَاسِيْسُ القُلُوبِ، وَ رُبَّمَا دَخَلُوْا فِي قَلْبِكَ وَخَرَجُوْا فَعَرِفُوْا مَا فِيهِ وَأَنْتَ لَا تَعْلَمُ'' (اے مرید! فقراء [مشائخ] کی محفل میں بےادب ہو کے مت بیٹھو، کیونکہ وہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں، بسااوقات تمہارے دل میں داخل ہو کر نکل جاتے ہیں، انہیں تمہارے دل کی اندرونی حالت کا پتہ چل جاتا ہے، لیکن تمہیں ان کے داخل ہونے کا پتہ بھی نہیں چلتا)۔

عارفین کے قلوب، باغات کی مانند:

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جَعَلَ عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ بَسَاتِيْنَ، مَنْ شَمَّ رَائِحَتَهَا لَمْ يَشْتَقْ إِلَى الجَنَّةِ، وَهِيَ قُلُوبُ العَارِفِينَ'' (اللہ

تعالیٰ نے روئے زمین پہ ایسے باغ پیدا فرمائے ہیں کہ جو شخص اُن کی خوشبو سونگھ لیتا ہے وہ جنت کا مشتاق نہیں رہتا۔ وہ باغ، عارفین کے قلوب ہیں)۔

دلوں کا دھنس جانا:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بازار کی طرف جا رہا تھا، میرے ساتھ ایک حبشی لونڈی بھی تھی، میں نے اس کو ایک جگہ بٹھا دیا اور اسے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آجاؤں، تم نے یہاں بیٹھنا ہے۔ یہ کہہ کر میں بازار چلا گیا۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو اسے وہاں نہ پایا۔ اتنے میں وہ بھی کہیں سے میرے پاس پہنچ گئی اور کہنے لگی: میرے آقا! مجھے سزا دینے میں جلدی نہ کیجیے، اس لیے کہ آپ نے مجھے ایسے لوگوں کے درمیان بٹھا دیا تھا، جو اللہ کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ مجھے خوف لاحق ہوا کہ اگر یہ لوگ زمین میں دھنسا دیے گئے تو ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے میرا بھی وہی حشر ہو جائے گا، اسی وجہ سے میں اس جگہ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا: اس اُمت کے نبی حضرت محمد ﷺ کے اعزاز میں دھنسنے کا عذاب اُٹھا لیا گیا ہے، وہ کہنے لگی: اگرچہ زمین کا دھنسنا اُٹھا لیا گیا ہے، مگر دلوں کا دھنس جانا تو اب بھی باقی ہے۔

دل کو بیدار رکھو:

حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ فرماتی ہیں: ''اِجْتَهِدُوْا لِتَجْعَلُوا الْقَلْبَ يَقْظًا، لِأَنَّ الْقَلْبَ إِذَا اسْتَيْقَظَ لَمْ تَبْقَ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى الرَّفِيْقِ'' (اپنے دل کو بیدار رکھنے کی کوشش کیا کرو، اس لیے کہ جب ایک مرتبہ دل بیدار ہو جاتا ہے تو پھر اُسے دوست کی حاجت نہیں رہتی)۔

اپنے دل کو مسجد بنا لو:

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اِجْعَلْ قَلْبَكَ مَسْجِدًا، لَا تَدَعْ مَعَ

اللہِ أَحَدًا'' (اپنے دل کو مسجد بنالو اور اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارو)، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا﴾[الجن:۱۸] (اور یہ کہ سجدے تو تمام تر اللہ ہی کا حق ہیں۔ اس لیے اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت مت کرو)۔

کفار کا دین سمجھی سے محرومی کا بیان:

اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا

کہ اس کو نہ سمجھیں۔ اور ان کے کانوں میں ہے بوجھ

اللہ رب العزت کی آیات کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں۔ تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے۔

''وَقْرًا'' کہتے ہیں: کان میں بھاری پن کا ہونا۔ نیز ''وَقْر'' کا لفظ گدھے یا خچر کے ایک بوجھ پر بھی بولا جاتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے کانوں میں پورے طور پر سننے کی صلاحیت ہی ہم نے عطا نہیں کی۔ اور جب دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں گرانی پیدا کردی تو ایسے وقت میں وہ ہرگز ہدایت یاب نہیں ہوسکتے۔ ہدایت یابی کی استعداد و صلاحیت ہی معدوم ہے۔ اس آیت میں وہ کافر مراد ہیں، جن کا کبھی بھی ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں تھا۔

[دیکھیے مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکھف]

''فقہ'' کا لغوی معنیٰ:

''اَلْفِقْهُ'' کہتے ہیں: علم حاضر سے علم غائب تک پہنچنا۔

''فقہ'' کا اصطلاحی معنیٰ:

①...... ''اَلْفِقْهُ عِلْمُ أُصُوْلِ الشَّرِيْعَةِ وَ فُرُوْعِهَا'' (شریعت کے اُصولی اور فروعی

مسائل کو جاننے کا نام "فقہ" ہے)۔

● امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک: "اَلْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَ مَا عَلَيْهَا" (نفسِ انسانی اپنے لیے مفید اور مضر چیزیں پہچان لے کہ یہ چیز میرے لیے دنیا و آخرت میں فائدہ مند اور یہ نقصان دِہ ہے)، اسے "فقہ" کہتے ہیں۔

اصل فقیہ کون؟

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلْفَقِيْهُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ هُوَ الَّذِيْ يَحْفَظُ الْحُدُوْدَ لَا الَّذِيْ يَذْكُرُ عِلْمَ الْحُدُوْدِ" (درحقیقت فقیہ وہی شخص ہوتا ہے جو شریعت کی حدود کی پاسداری کرتا ہے، یعنی منع کردہ اُمور سے باز رہتا ہے، نہ کہ وہ جو فقط حدودِ شریعت کا علم رکھنے والا ہو)۔

فقیہ کے چار حروف:

شیخ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں کہ فقیہ کے چار حروف ہیں فاء، قاف، یاء اور ہاء۔

1 ..... "فَالْفَاءُ: فَهْمُهُ بِأَنْ أَفْقَهَهُ فِي الدِّيْنِ وَ أَلْجَأَهُ إِلَيْهِ" (فاء سے مراد فہم ہے جو اسے دین میں حاصل ہوتا ہے)۔

2 ..... "وَالْقَافُ: قَنَاعَتُهُ بِمَا يَسَّرَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ" (قاف سے مراد قناعت ہے، یعنی اللہ نے جو کچھ اسے دیا ہو، وہ اسی پر قناعت کرتا ہے)۔

3 ..... "وَالْيَاءُ: يَقِيْنُهُ بِأَنَّ مَرْجِعَهُ إِلَيْهِ" (یاء سے مراد اس کا یقین ہے کہ اس نے اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے)۔

4 ..... "وَالْهَاءُ: هُرُوْبُهُ مِنْ نَفْسِهِ رَاجِعًا إِلَيْهِ" (ہاء سے مراد ہروب ہے، یعنی وہ نفس سے بھاگ کر اللہ کی طرف دوڑتا ہے)۔

فقیہ، شیطان پر بھاری:

حدیث پاک میں آتا ہے: ''فقیہٌ واحدٌ أشدُّ علی الشیطان من ألف عابد'' [شعب الایمان، رقم: ۱۵۱۵] (ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے میں بھاری ہوتا ہے)۔

فقہ فی الدین؛ بہت بڑی دولت:

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کے پانی کا انتظام کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو پوچھا: ''مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟'' (یہ کس نے رکھا ہے؟) کسی نے بتا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مجھے یہ دعا دی: ''اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' [صحیح بخاری، رقم: ۱۴۳] (اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما)۔

فقہ و تصوف؛ یک جان دو قلب:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مَنْ تَصَوَّفَ وَ لَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ، وَمَنْ تَفَقَّهَ و لم يتصوف فقد تفسّق، وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ'' (جس نے تصوف سیکھا اور فقہ نہیں سیکھی تو وہ زندیق ہو جائے گا، اور جس نے فقہ سیکھی، مگر تصوف نہیں سیکھا تو وہ فسق میں پڑ جائے گا، اور جس نے ان دونوں کو جمع کر لیا، اس نے حقیقت کو پالیا)۔

فوائد السلوک:

۱۔ جس کے کان میں بوجھ ہوتا ہے اسے اچھی بات بھی بری محسوس ہوتی ہے۔ اصل میں یہ دل پر پردہ آ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بندہ خیر خواہی کے

جذبے کے تحت اسے بھلائی کی کوئی بات کہتا ہے تو وہ اسے اپنا دشمن سمجھنے لگ جاتا ہے۔
بقول شاعر:

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

ازلی بدبختوں کی بدبختی کا بیان:

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾

اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی

اگر آپ انہیں ہدایت کی طرف دعوت دیں تو وہ کبھی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ یہ آیاتِ الٰہی سے اعراض کا نتیجہ ہے کہ وہ ہدایت سے یکسر محروم ہو چکے ہیں۔

﴿وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿58﴾﴾

اور تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا، بڑا رحمت والا ہے۔ جو کمائی انہوں نے کی ہے، اگر وہ اس کی وجہ سے انہیں پکڑنے پر آتا تو ان کو جلد ہی عذاب دے دیتا، لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لیے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی۔

تاخیرِ عذاب کے سبب کا بیان:

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ

اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا

تیرا پروردگار بخشش کرنے والا اور رحمت والا ہے، یہ اس کی رحمت ہے کہ مجرموں کو

پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا، بلکہ موقع دیتا رہتا ہے۔

رحمت الٰہی کے 100 حصے:

حدیث پاک میں آتا ہے: ''إنَّ الله خلق يوم خلق السموات والأرض مائة رحمة كلُّ رحمة طباقُها طباقُ السَّماوات والأرض فقسَّم رحمةً بين جميع الخلائق وأخر تسعًا و تسعين رحمةً لنفسه فإذا كان يومُ القيامة ردَّ هذه الرَّحمة فصار مائة رحمةٍ يرحمُ بها عبادهُ'' [مستدرک الحاکم، رقم:۱۸۶] (اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے دن رحمت کے 100 حصے پیدا فرمائے، ہر رحمت کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ رحمت کا ایک حصہ تمام مخلوقات میں تقسیم فرما دیا اور 99 حصے اپنے لیے رکھ لیے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس ایک حصے کو بھی واپس لے لیں گے تو یہ کل 100 حصے ہو جائیں گے، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمائیں گے)۔

رحمت کی انتہاء:

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''يا ابنَ آدمَ! إنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَ رَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ فِيكَ وَ لا أُبالِي''

''اے ابن آدم! تُو جب تک مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے مغفرت کی اُمید رکھے گا، میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔''

''يا ابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّماءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ، وَ لَا أُبالِي''

''اے ابن آدم! خواہ تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک ہی پہنچ جائیں، تب بھی اگر تُو

مجھ سے مغفرت مانگے گا تو میں تجھے معاف کر دوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں۔"

"يا ابن آدم! إنك لو أتيتني بقراب الأرض خطايا ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا لأتيتك بقرابها مغفرة." [جامع ترمذی، رقم: ۳۵۴۰]

"اے ابن آدم! اگر تُو زمین کے برابر بھی گناہ کرنے کے بعد مجھ سے اس حالت میں ملے گا کہ تُو نے شرک نہ کیا ہو تو میں تجھے اتنی ہی مغفرت عطا کر دوں گا۔"

حلم خداوندی کا بیان: (۱)

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ

اگر ان کو پکڑے ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب

اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کی شہادت یہ ہے کہ قریش کو اس نے مہلت اور چھوٹ دے رکھی ہے، باوجودیکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی عداوت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی گرفت کرنے پر آتا ہے تو اسے ایسے طریقے سے پکڑتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ [الاعراف: ۱۸۳] (یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط ہے)، اس سے کون باہر نکل سکتا ہے؟ سورۃ البروج میں ہے: ﴿إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ [البروج: ۱۲] (حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت سخت ہے)، سورۃ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں سے خطاب کر کے فرمایا: ﴿إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا﴾ [الرحمٰن: ۳۳] (اگر تم میں یہ قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے پار نکل سکو، تو پار نکل جاؤ)۔

لفظ ''کسب'' کا قرآنی استعمال:

''کسب'' کا لفظ قرآن میں نیک و بد دونوں قسم کے اعمال کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ:

❶ اعمالِ صالحہ کے متعلق فرمایا: ﴿أَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ إِيْمَانِهَا خَيْرًا﴾ [الانعام:۱۵۸] (یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ [البقرة:۲۰۱، ۲۰۲] (اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ ثواب کی صورت میں ملے گا)۔

❷ اور اعمالِ بد کے متعلق فرمایا: ﴿أَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ﴾ [الانعام:۷۰] (قیامت کے دن کوئی شخص اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا﴾ [الانعام:۷۰] (یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: ک س ب]

لفظ ''عجل'' کی تحقیق:

''العجلة'' کا معنی ہے: کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے ہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس کا تعلق چونکہ خواہش نفسانی سے ہوتا ہے، اس لیے عام طور پر قرآن میں اس کی مذمت کی گئی ہے، حتیٰ کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ'' [جامع ترمذی،

رقم: ۲۰۱۲] (جلد بازی شیطان کی جانب سے ہوتی ہے)۔ قرآن مجید میں ہے:
"سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾" [الانبیاء: ۳۷] (میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا، لہٰذا اس کے لیے جلدی نہ کرو)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: ع ج ل]

فوائد السلوک: (۱)

عذاب کی دو صورتیں ہیں: (۱) حسی، (۲) روحانی۔ گناہ کرنے سے حسی عذاب تو فوراً نہیں آتا، لیکن روحانی عذاب شروع میں قلبی کیفیات کے سلب ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔

عذاب کا وقت مقرر ہے: (۱)

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جس سے بچنے کے لیے انہیں کوئی پناہ گاہ نہیں ملے گی

مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت مقرر ہے، پھر جب وہ وقت آجائے گا تو وہ گرفت میں آجائیں گے اور وہ اللہ کے سوا کہیں جائے پناہ بھی نہیں پا سکیں گے۔ ہر فرد، جماعت، گروہ، قوم، ملک اور بستی کے لیے ایک وقت مقرر ہے، اس وقت تک مہلت ملتی رہتی ہے پھر مقررہ وقت پر گرفت آجاتی ہے اور لوگ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے جاتے ہیں۔

﴿وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾﴾

یہ ساری بستیاں (تمہارے سامنے) ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اپنائی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کی ہلاکت کے لیے (بھی) ہم نے ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا۔

ظالم بستیوں کی ہلاکت کا بیان: (۱)

وَتِلْكَ الْقُرَى أَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا

اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے

''اَلْقُرٰی'' سے مراد ہیں: قومِ نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافر اقوام کی تباہ شدہ بستیاں۔ ''لَمَّا ظَلَمُوْا'' (جب انہوں نے ظلم کیا) یعنی کفارِ قریش کی طرح جب انہوں نے کفر کیا۔ ''ظلم'' سے مراد کفر و معصیت ہے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

لفظ ''قریہ'' کی تحقیق: (۲)

''اَلْقَرْيَةُ كُلُّ مَوْضِعٍ يَجْتَمِعُ فِيْهِ نَاسٌ، وَ النَّاسُ الْمُجْتَمِعُوْنَ أَيْضًا'' (قریہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ جمع ہو کر آباد ہو جائیں۔ بحیثیت مجموعی ان دونوں کو قریہ کہتے ہیں اور جمع ہونے والے لوگوں پر بھی ''قریہ'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ ﴿وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ﴾ [یوسف: ۸۲] (بستی سے دریافت کر لیجیے) میں اکثر مفسرین نے ''اہل'' کا لفظ محذوف مان کر ''قریہ'' سے وہاں کے باشندے مراد لیے ہیں۔ حضرت علی بن حسین فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں لفظ ''قریہ'' بول کر بستی کے لوگ مراد لیے گئے ہیں، کسی نے پوچھا کہ قرآن مجید میں سے اس پر کوئی دلیل؟ فرمایا: کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ

[الطلاق:۸] نہیں پڑھا؟

[مفردات القرآن: تحت مادة: ق ر ی، بزیادۃ]

قرآن میں لفظ ''قریۃ'' کے 7 مصداق:

قرآن میں لفظ ''قریۃ'' کے 7 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

① ...... ''اریحا'' یا ''ریحاء'' نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ [البقرۃ:۵۸]

② ...... حضرت عزیر علیہ السلام کی بستی [دیر ہزقل]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ﴾ [البقرۃ:۲۵۹]

③ ...... اَیلہ نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ [الاعراف:۱۶۳]

④ ...... حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی بستی [نینویٰ]۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ﴾ [یونس:۹۸]

⑤ ...... اَنطاکیہ نامی بستی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا﴾ [الکہف:۷۷]

⑥ ...... مکہ اور طائف۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰي رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝۳۱﴾ [الزخرف:۳۱]

⑦ ...... مکہ مکرمہ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ﴾ [محمد:۱۳]

[بصائر ذوی التمییز: ۴/۲۶۶، ۲۶۷]

قرآن میں لفظ ''ہلاک'' کا 4 طرح استعمال:

قرآن مجید میں لفظ ''ہلاک'' 4 معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

① ..... کسی چیز کا اپنے پاس سے جاتے رہنا اور دوسرے کے پاس موجود ہونا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطٰنِيَهْ﴾ [الحاقۃ: ۲۹]

② ..... کسی چیز میں خرابی اور تغیر کا پیدا ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ [البقرۃ: ۲۰۵]

③ ..... موت کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ [النساء: ۱۷۶]

④ ..... کسی چیز کا دنیا سے بالکل ختم ہو جانا، اسے فنا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: ۸۸]

[بصائر ذوی التمیز: ۵/ ۲۳۸، ۲۳۹]

وعدۂ ہلاکت کا بیان:

﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾

اور مقرر کیا تھا ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ

یعنی ہم وقت مقررہ سے پہلے بھی عذاب نہیں لاتے اور جب وہ وقت آ جاتا ہے تو آیا ہوا عذاب ٹلتا بھی نہیں ہے۔ ''مَوْعِدًا'' یعنی معین اور مقررہ وقت، جس سے کوئی بھی آگے بڑھ سکا، نہ پیچھے ہٹ سکا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے ہلاک کرنے کا اللہ نے ایک وقت مقرر کر دیا تھا جو اٹل تھا، اسی طرح کفارِ قریش کے لیے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے، یہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکتے، پیچھے ہٹ

نہیں سکتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہلاکت کا ایک قانون تو وہ تھا جو سابقہ اقوام پر نافذ العمل تھا کہ جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو پھر آخر میں یکدم عذاب آیا اور ساری قوم ہلاک ہوگئی، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ [الحاقہ:۸] کے مصداق، ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچا۔ ہلاکت کا دوسرا طریقہ امہال وتدریج کا قانون ہے کہ جہاں ظلم وزیادتی ہوگی، وہاں تباہی آئے گی۔

مسلمانوں کی حالت زار:

یہ تباہی مختلف خطوں میں جرم کی نوعیت کے مطابق مختلف طریقوں سے آتی ہے۔ آج دنیا میں مسلمان ایسی ہی تباہی کا شکار ہورہے ہیں، افغانستان، ایران، عراق، فلسطین، قبرص، فلپائن اور مصر کے مسلمانوں انہی مظالم کی وجہ سے ہلاک ہورہے ہیں۔ لوگ دَربدر کی ٹھوکریں کھارہے ہیں، مگر ہمارے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ بادشاہ ظالم اور عیاش ہیں، انہوں نے اپنے معاملات میں کافروں کو دخیل بنا رکھا ہے، امریکہ، برطانیہ اور رُوس، سب گندی سیاست چمکائے ہوئے ہیں، اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ بے گناہ لوگوں کو کچل رہے ہیں۔ یہ سب ہمارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے، ہم نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا، کفر وشرک کا راستہ اختیار کیا، خدا کے نافرمانوں کا ساتھ دیا، رُسوماتِ باطلہ کو اختیار کیا، جس کے نتیجے میں بتدریج بربادی آئی اور ہم روز بروز اسی تباہی کا مشاہدہ کررہے ہیں۔ اگر ہم ظلم سے باز آجائیں تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ جب تک لوگ اصلاح کنندہ ہوں تو وہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا، جونہی ظلم کا دور دورہ ہوگا تو ہلاکت آئے گی۔ اب اللہ کا یہی قانون ہے کہ ظلم کے نتیجے میں یہ لوگ فتنوں کا شکار ہوں گے اور ان پر ہلاکت وتباہی آئے گی۔



تفسیر

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

......حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کے 8 مناظر میں سے 4 مناظر بیان کیے گئے ہیں:

پہلا منظر......حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر کو بتادیا کہ میں اللہ کے خاص بندے سے ملاقات کرنے جارہا ہوں۔[آیت:۶۰]

دوسرا منظر......حضرت یوشع علیہ السلام کا مچھلی کو بھول جانے کی تفصیل ہے۔[آیت:۶۱]

تیسرا منظر......حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت یوشع علیہ السلام سے کھانا طلبی کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۶۲تا۶۴]

چوتھا منظر......حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔[آیت:۶۵تا۷۰]

ربط آیات:

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کا ذکر کیا جو قرآن کریم کی تعلیمات

سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو گرانے کے لیے باطل کو ہمراہ لے کر جھگڑا کرتے ہیں۔ فرمایا: یہ محض اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو جلدی ہلاک نہیں کرتا، بلکہ اپنے قانون کے مطابق مہلت دیتا ہے، اللہ نے ہلاکت کا سبب ظلم و زیادتی کو قرار دیا، قرآن پاک میں سابقہ اقوام، عاد، ثمود، قوم فرعون، قوم لوط، اہل مدین وغیرہ کا حال بھی مذکور ہے جب انہوں نے کفر و شرک کی انتہا کر دی، ظلم و زیادتی کو مستقل وطیرہ بنالیا تو پھر اللہ کی گرفت آئی اور نافرمان لوگ صفحۂ ہستی سے ناپید کر دیے گئے۔ گزشتہ آیات میں باغ والے مغرور شخص کا حال بھی بیان ہو چکا ہے جس پر بربادی آئی، پھر اللہ نے ابلیس کے تکبر کا ذکر فرمایا۔ مکہ والوں کے غرور کا حال بھی بیان ہو چکا ہے کہ وہ اہل ایمان کو حقیر سمجھتے تھے اور حضور ﷺ سے کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لیے تیار ہیں۔

آج کی آیات کو بھی اس موضوع کے ساتھ مناسبت ہے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے غرور و تکبر سے دور رہتے ہیں، وہ تو اللہ کے سامنے ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور مخلوق کے ساتھ بھی تواضع سے پیش آتے ہیں، ہاں! اگر کسی لغزش کی بناء پر اس ضمن میں کچھ کوتاہی ہو جائے تو پھر وہ اس کی تلافی کر لیتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک معمولی سی لغزش ہو گئی تھی جس سے کسی حد تک تکبر کی عکاسی ہوتی تھی تو اللہ نے اس پر فوراً تنبیہ کر دی اور موسیٰ علیہ السلام کو ابتلاء میں ڈال دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ: (۱)

سورۂ کہف میں چوتھا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے کسی آدمی نے ان سے

پوچھا: کیا آپ سے بڑا کوئی اور عالم بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: نہیں، اس وقت بڑا عالم تو میں ہی ہوں۔ یعنی اس نے یوں پوچھا ہوگا کہ کیا آپ ہی بڑے عالم ہیں؟ چونکہ آپ وقت کے نبی تھے اور اولوالعزم رسول تھے، آپ پر وحی اُترتی تھی اور آپ کو کتاب ملی تھی اس لیے آپ نے فرمادیا کہ ہاں میں ہی بڑا عالم ہوں، مگر اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ اپنے پیغمبر کو اور بھی علم والوں سے روشناس کروائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ آپ دریا کی اس طرف جائیں، وہاں آپ کو ایک آدمی ملے گا جس کو ہم نے اپنی رحمت سے علم عطا کیا ہوگا...... جو علم اللہ تعالیٰ ڈائریکٹ کسی کے دل میں ڈال دیتے ہیں، اس کو ''علم لدنّی'' کہتے ہیں...... تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ اس سے ملیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وقت کے نبی تھے، علم کی قدر و منزلت جانتے تھے اور دل میں چاہت بھی تھی، اس لیے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں کسی ایسے آدمی سے ملوں جس کو اللہ تعالیٰ نے اور علم عطا فرمایا ہے۔

علم کی شاخیں:

دیکھیں! علم کی مختلف شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی کالج ہے، ایک ریاضی کا پروفیسر ہے، ایک فزکس کا ہے، ایک کیمسٹری کا ہے، ایک بیالوجی کا ہے۔ سب پروفیسر ہیں، مگر ہر ایک کا مضمون اپنا اپنا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے مختلف بندوں کو مختلف علوم عطا فرمائے۔ جیسا کہ

- ...... سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''علم الاسماء'' عطا فرمایا۔
- ...... حضرت ادریس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''علم الکتابت'' عطا فرمایا۔ لکھنے کا علم۔ یعنی سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے میں لوگ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو

اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا جس کی وجہ سے لوگ لکھنا جان گئے۔ ان کی لکھائی آج کی لکھائی کی طرح نہیں تھی۔ وہ چند لائنیں لگائی جاتی تھیں۔ وہ لکھائی ہی تھی جو حضرت ادریس علیہ السلام نے شروع کی تھی۔

⁂ پھر اللہ رب العزت نے حضرت نوح علیہ السلام کو ''صناعۃ الفلک'' (کشتی بنانے) کا علم عطا فرمایا۔

⁂ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''علم المناظرہ'' عطا فرمایا۔ اس کو ''علم الحجۃ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے نمرود کے ساتھ بحث کی۔ نمرود سے کہا: میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ تو نمرود کو دھوکا لگا۔ اس نے ایک قیدی کو بلا کر، جو بے گناہ تھا، قتل کروادیا اور جو واقعی واجب القتل تھا اس کو آزاد کردیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں، زندہ بھی کرسکتا ہوں اور مار بھی سکتا ہوں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا، ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میرا رب تو وہ ہے...... یَأْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (جو مشرق سے سورج کو طلوع کرتا ہے، اگر تم رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہو تو مغرب سے طلوع کرکے دکھادو) فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ اس پر نمرود حیران ہوگیا، لاجواب ہوگیا۔

⁂...... سیدنا سلیمان علیہ السلام کو ''مَنطِقَ الطَّیْرِ'' (پرندوں کی بولیوں) کا علم عطا کیا گیا۔ پرندے بھی جب ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہیں تو وہ آپس میں باتیں کررہے ہوتے ہیں۔ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، لیکن وہ ایک دوسرے کا پیغام سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

﴿ يَآ يُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ ﴾ [النمل:۱۶]

❁ اللہ تعالیٰ نے ''علم الاسباب'' ذوالقرنین کو عطا فرمایا تھا کہ اسباب کو کس طرح جوڑنا ہے اور ان سے کس طرح فائدہ اُٹھانا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو ''علم الافعال'' عطا فرمایا تھا۔ کہ کائنات میں جو ہو رہا ہے، اس کے اندر کیا حکمت ہے، اس کی کیا وجہ ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا۔ اس کو ''تکوینی علم'' کہتے ہیں۔

تشریعی اور تکوینی علوم:

ایک ہوتا ہے تشریعی (شریعت کا) علم۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت واقعی اوپر کے درجے میں تھے، کیونکہ وقت کے نبی تھے۔ ایک ہے تکوینی علم۔ یہ جو زمین و آسمان کا نظام چل رہا ہے، یہ بھی آخر کوئی چلا رہا ہے نا۔ وہ اللہ تعالیٰ ہے جو چلا رہا ہے۔ اللہ کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ مخصوص بندوں کو رکھا ہوا ہے۔ جیسے ایک ملک ہوتا ہے اور اس میں حکومت کے کچھ لوگ ہوتے ہیں۔ جو صدر اور وزیراعظم ہوتا ہے وہ خود تو سارا ملک نہیں چلا رہا ہوتا، اس نے آگے بندے رکھے ہوتے ہیں، ان کو سرکاری ملازم کہتے ہیں، وہ جو سرکاری ملازم ہوتے ہیں ان کو لوگ ''بیوروکریسی'' کہتے ہیں، وہ بیوروکریسی ملک کو چلا رہی ہوتی ہے۔

اسی طرح یہ جو دنیا کا نظام چل رہا ہے، اس کے ظاہری نظام کو چلانے کے لیے بھی کچھ فرشتے اور کچھ بندے ہیں جن کے ذمے اللہ تعالیٰ نے کام لگائے ہوئے ہیں۔ اس کو تکوینی نظام کہتے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ وہ دنیا کی بیوروکریسی ہے جو اللہ نے بنائی ہوئی ہے۔ چونکہ ہمارا تو واسطہ ہی نہیں ہے ان سے، اس لیے ہم نہیں جانتے، لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ لہٰذا

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسے بندے کی طرف متوجہ کر دیا جس کے پاس یہ تکوینی علم تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بندے کو ملنے کے لیے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دریافت کیا:

''أَيُّ عِبَادِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟''

''(اے اللہ!) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے؟''

اللہ نے فرمایا:

''اَلَّذِيْ يَذْكُرُنِي وَلَا يَنْسَانِي''

''(مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

''فَأَيُّ عِبَادِكَ أَقْضَى؟''

''سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے؟''

اللہ نے فرمایا:

''اَلَّذِيْ يَقْضِي بِالْحَقِّ وَلَا يَتَّبِعُ الْهَوَى''

''جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

''فَأَيُّ عِبَادِكَ أَعْلَمُ؟''

''تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟''

فرمایا:

''اَلَّذِي يَبْتَغِي عِلْمَ النَّاسِ إِلَى عِلْمِهٖ عَسَى أَن يُّصِيبَ كَلِمَةً تَدُلُّهٗ عَلَى هُدًى وَتَرُدُّهٗ عَنْ رَدِيٍّ''

''جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے، یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یا دوسروں سے سیکھ کر اضافہ کر لیتا ہے۔ اس غرض سے کہ شاید اس کی کوئی بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتا دے اور ہلاکت کے راستہ سے موڑ دے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''إِنْ كَانَ فِي عِبَادِكَ أَعْلَمُ مِنِّي فَادْلُلْنِي عَلَيْهِ''

''تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتا دے۔''

اللہ نے فرمایا:

''أَعْلَمُ مِنْكَ الْخَضِرُ''

''تجھ سے زیادہ عالم خضر ہے۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''أَيْنَ أَطْلُبُهٗ؟''

''میں خضر کو کہاں تلاش کروں؟''

اللہ نے فرمایا:

''عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ عِنْدَ الصَّخْرَةِ''

''پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''كَيْفَ لِيْ بِهٖ؟''

''مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا؟''

اللہ نے فرمایا:

''تأخذ حوتا في مكتل فحيث فقدته فهو هناك''

''ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے، جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جس جگہ مچھلی کھو جائے، مجھے بتا دینا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔

[تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

واقعہ موسیٰ و خضر علیہما السلام کے 8 مناظر

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝٦٠﴾

اور (اس وقت کا ذکر سنو) جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں، ورنہ برسوں چلتا رہوں گا۔

پہلا منظر...... رفیق سفر کی آگاہی کا بیان: (1)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو

یہ نوجوان یوشع بن نون تھے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ وہ سفر میں ساتھ

چل پڑے...... سفر میں کسی کو ساتھ لے لینا بھی شرعاً جائز ہے۔ بندے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمر کے مختلف حصوں میں انسان کو کسی ساتھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے سفر آسان ہو جاتا ہے...... اس لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک نئے سفر پر چلے، کہ کہاں جانا ہے، کس سے ملنا ہے، کچھ پتا نہیں تھا، جس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے کو ساتھ لے لیا۔

فوائد السلوک:

☆...... شیخ کامل کی تلاش میں خوب کوشش کرنی چاہیے۔

☆...... یہ بھی حسنِ ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کر دینا چاہیے۔ متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو ناقابلِ خطاب سمجھتے ہیں، سفر کے متعلق کچھ نہیں بتاتے۔

☆...... علمی سفر اپنے سے اَعلَم (علمی اعتبار سے بڑا) کے مشورے اور رہنمائی کے مطابق کیا جائے۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو کسی نے سوال کیا: ''أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟'' (لوگوں میں بڑے عالم کون ہیں؟) ''قَالَ: أَنَا'' (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: میں ہوں)۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے عالم کی تعیین اللہ کی طرف منسوب نہیں کی، بلکہ خود ہی اپنے بارے میں فرمایا کہ میں بڑا عالم ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: ''بَلٰى عَبْدٌ مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ، هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ'' (بلکہ میرا ایک خاص بندہ مجمع البحرین کے پاس رہتا ہے جو آپ سے بڑا عالم ہے)۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: ''أَيْ رَبِّ، كَيْفَ السَّبِيلُ إِلَيْهِ؟'' [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۷]

(پروردگار! آپ کے اس خاص بندے تک رسائی کیسے ہو سکتی ہے؟)...اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کر لی۔

﴿أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں پوری ہمت اور کوشش سے کام لینا چاہیے۔

پیغمبرانہ قوت ارادی کی پہلی شق: (۱)

لَآ أَبْرَحُ حَتّٰٓى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا

ویسے تو ''بحر'' سمندر کو کہتے ہیں، لیکن یہ لفظ بڑے دریا کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ جہاں دو سمندر یا دو دریا آپس میں ملتے ہیں اس جگہ کو ''مجمع البحرین'' کہتے ہیں۔ ان کو بتایا گیا تھا کہ جہاں پر مجمع البحرین ہے وہاں پر اس بندے سے آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عزم کا اظہار کیا کہ میں چلتا رہوں گا، چلتا رہوں گا......لگتا ہے کہ لمبا سفر تھا، تھکاوٹ والا سفر تھا......فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا، حتیٰ کہ مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں گا۔

مجمع البحرین: (۱)

''مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ'' دو دریاؤں کے سنگم کو کہتے ہیں۔ یہاں کون سے دو دریا اور ان کا سنگم مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین اور ارباب سیرت سے مختلف اقوال منقول ہیں، مگر ان میں کوئی بھی قول فیصل کی حیثیت نہیں رکھتا۔ البتہ جن حضرات نے اس سے ''بحر روم'' اور ''بحر قلزم'' اور ''ان دونوں کا سنگم'' مراد لیا ہے، وہ قرین قیاس ہے اور یہ ممکن ہے کہ

جس زمانے کا یہ واقعہ ہے اس وقت ان دونوں میں ایسا خط اتصال موجود ہو، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا ہے۔ اس لیے خروج مصر اور میدانِ تیہ کے قیام کے دوران ان میں بظاہر انہی ہر دو سمندروں سے یہ واقعہ متعلق ہوسکتا ہے، اور حضرت استاد علامہ سید محمد انور شاہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ مقام وہ ہے جو آج کل ''عقبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

[قصص القرآن:۱/ ۴۱۲]

فوائد السلوک: (۱)

سفر کے آغاز میں پہلے منزلِ مقصود کو متعین کیا جائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿حَتّٰٓى اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ﴾ [الکہف:۶۰]

پیغمبرانہ قوتِ ارادی کی دوسری شق: (۱)

اَوۡ اَمۡضِىَ حُقُبًا۞

ورنہ برسوں چلتا رہوں گا

یعنی میں کئی دنوں تک چلتا رہوں گا، اس تک پہنچنے کے لیے۔ اس سے دل کی طلب ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں کتنا شوق تھا کہ میں کسی ایسے بندے سے ملوں گا جو ایسا علم رکھتا ہو جو میرے پاس نہیں ہے۔ طلبہ کو چاہیے کہ اس سے وہ اپنے دل میں علم کی طلب اور بڑھائیں۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ ''احقاب'' کا واحد ''حقب'' ہے جس کے معنی زمانہ کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ''حقبۃ'' کا لفظ اسّی (80) سال کی مدت پر بولا جاتا ہے، اس کی جمع ''حقب'' آتی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ

مدتِ غیر معینہ پر بولا جاتا ہے۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت مادۃ: ح ق ب]

علمی سفر:

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ سفر ''اَلرِّحلَۃُ العِلمِیَّۃ'' کی قبیل سے تھا، کیونکہ وہ اپنے سے زیادہ عالم شخص سے اکتسابِ فیض کے لیے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ تاریخ اسلام میں ایسے بہت سے محدثین اور بزرگان کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے حصول علم کی خاطر چالیس چالیس ہزار میل کا سفر طے کیا، یہ اس قدیم زمانے کی بات ہے جب اونٹ، گھوڑے یا خچر وغیرہ کے علاوہ کوئی سواری میسر نہ ہوتی تھی، بلکہ لوگ تو پیدل ہی سفر کرتے تھے، آج کی سہولتوں کی وجہ سے دنیا، ایک گھرانے کی طرح سمٹ چکی ہے، کراچی سے صرف اڑھائی گھنٹے میں جدہ اور 24 گھنٹے میں امریکہ پہنچ جاتے ہیں، اب تو افریقہ کا ناقابلِ عبور وسیع وعریض صحرا بھی پانچ دس گھنٹوں میں عبور کرلیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں سفر کرنا جان جوکھوں کا کام تھا، اس کے باوجود ہمارے بزرگوں نے بڑے طویل سفر اختیار کیے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ، ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم اس زمانے کے تمام متمدن شہروں میں حصول علم کے لیے پہنچے اور بہت سے اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے 1800 اساتذہ سے علم حاصل کیا، اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کم وبیش 4 ہزار اساتذہ سے فیض حاصل کیا، جن میں بڑی بڑی جلیل القدر ہستیوں کے نام آتے ہیں۔

فوائد السلوک:

سنت اللہ یہ رہی ہے کہ علم مطلوب بنے تو حاصل ہوتا ہے، علم طالب بن کر نہیں آتا،

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کو مطلوب بنایا اور اس کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف سفر فرمایا۔ حالانکہ خود بنی اسرائیل کے معاملات میں مصروف بھی تھے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ اس لیے مشائخ فرماتے ہیں: ''اَلْعِلْمُ يُزَارُ وَ لَا يَزُوْرُ'' (علم کی زیارت کے لیے جانا پڑتا ہے، یہ کسی کی زیارت کے لیے نہیں جاتا)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ (اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لیے) نکل کھڑے ہوں۔ لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں وہ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں)۔ اور نبی علیہ السلام نے بھی فرمایا: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۲۴] (علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

- ...... متعین مقام پر اگر مطلوب نہ ملے تو گوہرِ مقصود کے لیے دوسرے مقامات کا رخ کرنا چاہیے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾﴾ (ورنہ برسوں چلتا رہوں گا)۔
- ...... طالب علم کو ارادے کا پختہ ہونا چاہیے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾﴾ (ورنہ برسوں چلتا رہوں گا)۔
- ...... حصولِ علم کے لیے جتنی کوشش کی جائے، کم ہے۔ جتنا سفر طے کیا جائے، بڑی خوش

نصیبی کی بات ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنَّ الْمُتَعَلِّم لَوْ سَافَرَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ لِطَلَبِ مَسْأَلَةٍ وَّاحِدَةٍ لَحَقَّ لَهُ ذٰلِكَ'' [تفسیر کبیر تحت الآیۃ ۶۴ من سورۃ الکہف] (اگر طالب علم کو کسی ایک مسئلے کے لیے مشرق سے مغرب تک کا سفر کرنا پڑے تو ضرور کرے)۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾

☆..... ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰي لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓي اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ﴾ (اور جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (شاگرد) سے کہا تھا کہ میں اس وقت تک اپنا سفر جاری رکھوں گا جب تک دو سمندروں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں) سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے سفر کے آغاز میں رفیق کو سفر اور مشکلاتِ سفر سے اجمالاً آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ ساتھ دینے کا فیصلہ علی وجہ البصیرۃ کر سکے۔

﴿فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝۶۱﴾

چنانچہ جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور اس نے سمندر میں ایک سرنگ کی طرح کا راستہ بنالیا۔

دوسرا منظر...... حضرت یوشع کا مچھلی کو بھول جانا: (۱)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی

یعنی موسیٰ علیہ السلام مچھلی مانگنا اور دریافت حال بیان کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہوکر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔ ان کے پاس یہی ایک مچھلی تھی

جوانہوں نے غذا کے طور پر رکھی ہوئی تھی کہ جب بھوک لگے گی تو کھالیں گے۔

''حُوت'' کا لفظ مچھلی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ''سمك'' کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔ ''أسماك'' مچھلیوں کو کہتے ہیں۔ ''حُوت'' کا لفظ قرآن مجید میں تین جگہوں پہ استعمال ہوا ہے:

(۱) ایک تو یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں۔

(۲) دوسرا حضرت یونس علیہ السلام کے لیے جب وہ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تھے۔

(۳) تیسرا یہودی لوگ جو ہفتے کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے، اس لیے ''حِیتانُهُم'' جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ اس کے لیے بھی گویا ''حُوت'' کا لفظ استعمال ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

سفیان رحمہ اللہ نے کہا: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آبِ حیات کا چشمہ تھا، جس کی خاصیت یہ تھی کہ جس مُردہ چیز پر اس کا پانی لگ جاتا تھا، وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

تلی ہوئی مچھلی زندہ کیسے ہوگئی؟

اس کے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے کچھ ثابت نہیں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں:

''وفي أصلِ الصَخرةِ عينٌ يُقَالُ لَهَا الحيَاةُ، لَا يُصِيبُ مِنْ مَائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ، فَأصاب الحوتَ من ماءِ تِلْكَ العَيْنِ، فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ المِكْتَلِ فَدَخَلَ البَحْرَ'' [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۷] (جس پتھر کے قریب ان دو ساتھیوں نے آرام کیا تھا، وہاں آبِ حیات کا چشمہ تھا، اس چشمہ کے متعلق مشہور ہے کہ جس چیز کو اس چشمہ کا پانی لگ جائے،

اسے حیاتِ جاودانی حاصل ہوجاتی ہے، اس چشمے کے پانی کا کوئی چھینٹا اس تلی ہوئی مچھلی پر پڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کردیا اور وہ تھیلے میں سے کود کر سمندر میں چلی گئی)۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ''نَسِيَا حُوتَهُمَا'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ مچھلی نمک لگی ہوئی تھی اور اس کا پیٹ بھی چاک کیا گیا تھا۔[درمنثور]

فوائد السلوک: (۱)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں زادِ راہ ساتھ رکھنا، توکل کے منافی نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ زادِ راہ کے طور پر مچھلی لے لی تھی، خود نبی علیہ السلام بھی جب غارِ حراء میں تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ زادِ راہ لے جایا کرتے تھے، جب ختم ہوجاتا تو پھر دوبارہ گھر تشریف لاتے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ، ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ العَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ، وَيَتَزَوَّدُ لِذَلِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا'' [صحیح بخاری، رقم:۳]

سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُترنی شروع ہوئی وہ اچھے خواب تھے، جو بحالت نیند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے تھے، چنانچہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی خواب دیکھتے تو وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوجاتا، پھر تنہائی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہونے لگی اور غارِ حرا میں تنہا رہنے لگے اور گھر والوں کے پاس آنے کا جب شوق ہوتا تو اس سے پہلے وہاں ''تحنث'' کیا

کرتے، (تحنث سے مراد کئی راتیں عبادت کرنا ہے) اور اس کے لیے توشہ ساتھ لے جاتے

پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے۔

- طلب علم کے لیے سفر کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، خصوصاً سنتِ موسویہ ہے۔
- اپنے شیخ کے جسمانی آرام و راحت کا لحاظ و خیال رہے، چنانچہ مچھلی زندہ ہوگئی تھی، چونکہ موسیٰ علیہ السلام آرام فرما رہے تھے، اس لیے حضرت یوشع علیہ السلام نے انہیں جگانا مناسب نہ سمجھا۔
- ﴿نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ ... ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے تعلق رکھنے والے نسیان سے پریشان نہ ہوں، کیونکہ بھول چوک نہ ولایت کے خلاف ہے اور نہ نبوت کے۔ چنانچہ عرب والے کہتے ہیں: ''اَلْإِنْسَانُ مِنَ النِّسْيَانِ'' (انسان تو نسیان سے ہے)۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

سوال: ﴿نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ (وہ دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے) نسیان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟ حالانکہ مچھلی کو حضرت یوشع نے بھولا تھا۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں: ﴿فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ (میں مچھلی کے قصے کو بھول گیا)، ﴿وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ﴾ (اس کی یاد کو شیطان ہی نے بھلا دیا)۔

جواب اوّل: دونوں کی طرف نسیان کی نسبت مجازی ہے۔ مراد اس سے حضرت یوشع ہی ہیں۔ امام فراء فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾﴾ [الرحمٰن: ۲۲] (ان دو دریاؤں (کھارے اور میٹھے) سے لؤلؤ اور مرجان نکلتے ہیں)۔ حالانکہ یہ کھارے دریا سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں نکلتے، مگر منسوب

دونوں کی طرف کیا گیا۔

جواب ثانی: حضرت موسیٰ علیہ السلام مچھلی کے متعلق پوچھنا بھول گئے اور حضرت یوشع مچھلی کے واقعے کو بتانا بھول گئے۔ لہٰذا نسیان کی اضافت دونوں کی طرف کرنا صحیح ہے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ انہوں نے ایک مچھلی تل کر ایک تھیلے میں رکھ کر بطور زادِ سفر ساتھ رکھ لی۔ جب آبِ حیات کے پاس پہنچے تو وہاں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی ضرورت کے لیے تھوڑا دور گئے۔ ادھر یوشع نے اس پانی سے وضو کیا، اس کے چھینٹے تلی ہوئی مچھلی پر پڑے، جس سے وہ زندہ ہو کر وہاں سے کھسک کر سمندر کے اندر چلی گئی۔ یوشع یہ واقعہ بتانا اور موسیٰ علیہ السلام اس مچھلی کے متعلق پوچھنا بھول گئے۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۵، ۲۴۶]

مچھلی کا زندہ ہونا:

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر

ان کو فرمایا گیا تھا کہ جب وہ جگہ آئے گی تو یہ مچھلی پانی میں اپنا راستہ بنا لے گی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر دیں گے اور وہ پانی میں چلی جائے گی، یہ نشانی بتائی گئی تھی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گردو پیش سے روک دیا اور پانی کے اندر محراب سی بن گئی۔

[صحیح بخاری، رقم: ۳۴۰۱]

﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾﴾

پھر جب دونوں آگے نکل گئے تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، یچی
بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔

تیسرا منظر.....کھانا طلبی کا بیان:

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا

پھر جب آگے چلے، کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام مجمع البحرین سے آگے بڑھ گئے، جہاں مچھلی زندہ ہوئی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا لے آؤ، بھوک لگی ہے۔

فوائد السلوک:

.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام سے فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ (ہمارا ناشتہ لاؤ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد اور شیخ کے لیے شاگرد اور مرید سے خدمت لینا جائز ہے۔

.....﴿غَدَآءَنَا﴾ (ہم دونوں کا ناشتہ) اور ﴿حُوْتَهُمَا﴾ (ان دونوں کی مچھلی) سے معلوم ہوتا ہے کہ خادم اور مخدوم کے درمیان کھانے میں امتیاز نہیں ہونا چاہیے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل ایک باب باندھا ہے: ''العَبِيدُ إِخْوَانُكُمْ فَأَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ'' (تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، چنانچہ انہیں وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو)، پھر انہوں نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے: معرور بن سوید تابعی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور ان کے ایک غلام پر ایک جیسا لباس دیکھا

تو میں نے اس کا سبب دریافت کیا، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے ایک بندے کو سخت سست کہا، انہوں نے نبی ﷺ سے میری شکایت کی، نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: ''أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟'' (کیا آپ نے اسے اس کی ماں کی عار دلائی؟) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ إِخْوَانَكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَ لَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَأَعِينُوهُمْ'' [صحیح بخاری، رقم: ۲۵۴۵] (تمہارے خدمت گزار تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں (قبضہ) میں دے دیا ہے، اس لئے جس کا بھائی اس کے قبضہ میں ہو تو اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور اسے ویسا ہی پہنائے جیسا خود پہنتا ہے ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو اُن سے نہ ہو سکے اور اگر انہیں تکلیف دو تو ان کی مدد کرو)۔

✿...... ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ (ہمارا ناشتہ لاؤ)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشتہ کرنا، کاملین سے ثابت ہے، اور ساتھ رات کا کھانا بھی۔

بلامقصد سفر میں تھکاوٹ کا بیان: (۱)

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف

جب دونوں حضرات وہاں پہنچے جہاں مجمع البحرین تھا تو وہاں پر ایک پتھر دیکھا۔ پتھر کو ''صخرۃ'' کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھکے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہاں آرام کرنے کے لیے لیٹے تو ان کو نیند آ گئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام سوئے تو مچھلی تڑپی اور پانی کے اندر چلی گئی۔ یوشع بن نون نے سوچا کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) جاگیں گے تو میں ان کو بتادوں گا کہ

مچھلی تو پانی میں چلی گئی۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام جاگے تو وہ نوجوان ان کو یہ بات بتانا بھول گیا اور پھر سفر شروع ہو گیا۔

یہ بھی کیا کم ہے کہ ہم تیری تمنا میں جئیں
لطفِ منزل نہ سہی ، خواہشِ منزل ہی سہی

جب سفر کرتے کرتے کافی آگے پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون سے کہا: بھئی! کوئی کھانے پینے کی چیز لاؤ، ہمیں اس سفر کی وجہ سے بڑی تھکاوٹ ہو گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چل چل کر تھک گئے تھے۔

اصل میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا، تاکہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آجائے اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کو چیرا، اس کو نمک لگایا اور اس میں سے صبح کو بھی کھایا اور شام کو بھی کھایا۔ جب اگلی صبح ہوئی تو اپنے نوجوان سے فرمایا کہ ہمارے لیے صبح کا کھانا لے آؤ، کیونکہ ہم اس سفر سے تھک گئے ہیں)۔[درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ]

اس مچھلی کی نسل اب بھی اس جگہ کے آس پاس دریا میں موجود ہے، اسے ''سمکِ موسیٰ'' کہتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی۔ چنانچہ باقاعدہ اس کا ایک طرف گوشت سے خالی ہوتا ہے، گویا کوئی آدھا حصہ کھا چکا ہے۔

''سفر'' کو ''سفر'' کیوں کہتے ہیں؟

''سفر'' کے لغوی معنی پردہ اُٹھانے کے ہیں۔ اور ''سفر'' کو ''سفر'' اس لیے کہتے ہیں

کہ یہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ لوگوں کا سفر کرنے سے یہی مقصد ہوتا ہے کہ وہ اپنی بُری عادات کا مشاہدہ کریں اور پھر ان کو اچھی عادات میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ اسی طرح سفر کے ذریعے لوگ اپنی ناکامی کی وجوہات کو پہچانتے ہیں، جن کو وہ وطن میں رہتے ہوئے نہیں پہچان سکتے۔

سفر کی دو قسمیں:

امام احمد بن عبدالرحمٰن بن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلسَّفَرُ سَفَرَانِ: سَفَرٌ بِظَاهِرِ البَدَنِ عَنِ الوَطَنِ، وَ سَفَرٌ بِسَيْرِ القَلْبِ عَنْ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ إِلٰى مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ'' (سفر دو قسم کا ہوتا ہے، ایک سفر ظاہری بدن کے ساتھ ہوتا ہے کہ بندہ اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جائے اور دوسرا دل کا سفر ہوتا ہے کہ بندہ دنیا سے آسمانوں کی بلندی تک پہنچ جائے)۔

زادِ مسافر:

امام ابن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اَلتَّقْوٰى زَادٌ، وَالزَّادُ لِلْمُسَافِرِ لَا لِلْمُقِيْمِ، مَنْ لَا سَفَرَ لَهُ لَا زَادَ لَهُ'' (تقویٰ تو زادِ راہ کی مانند ہے اور زادِ راہ کی مسافر کو ضرورت ہوتی ہے، نہ کہ مقیم کو۔ جس نے کسی سفر پہ نہ نکلنا تو اس کو زادِ راہ سے کیا لینا دینا؟)

آخرت کا مسافر:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی بھی سفر پہ روانہ ہونے والے شخص کے لیے کچھ چیزیں بہت ضروری ہوتی ہیں، خاص طور پر آخرت کے مسافر کے لیے تو اس سے بھی زیادہ ضروری ہیں۔ وہ چیزیں مندرجہ ذیل ہیں:

1 ...... مقصدِ سفر: جس کی وجہ سے انسان سفر کرتا ہے۔

① ...... رہنمائے سفر: وہ شیخ طریقت ہے۔

② ...... توشۂ سفر: وہ تقویٰ ہے۔

③ ...... اسلحۂ سفر: وہ وضو ہے۔

④ ...... چراغ سفر: وہ ذکر الٰہی ہے۔

⑤ ...... سواریٔ سفر: مضبوط ہمت ہے۔

⑥ ...... عصائے سفر: وہ عاجزی ہے۔

⑦ ...... راہِ سفر: وہ شریعت ہے۔

⑧ ...... قافلۂ سفر: وہ سچے دوست ہیں۔

فوائد السلوک:

✿...... ﴿لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا﴾ یہ دلیل ہے اس پر کہ اپنی حالتِ مرض وغیرہ کا اظہار منافیٔ کمال نہیں۔

✿...... موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو وہاں تو آپ کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی تھی، مگر اس سفر میں آپ نے تھکاوٹ کی شکایت کی، اس کے جواب میں بزرگ فرماتے ہیں کہ کوہِ طور کا سفر خالق کی طرف تھا، اس لیے آپ نے وہاں تھکاوٹ محسوس نہیں کی، جبکہ یہ سفر مخلوق کی طرف تھا، اللہ کے خاص بندے سے ملاقات کے لیے جا رہے تھے، اس لیے یہاں تھکاوٹ محسوس ہوئی۔

✿...... بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ اصل میں مسئلہ یہ ہے کہ منزل سے پہلے تھکاوٹ عام طور پر نہیں ہوتی اور منزل کے بعد سفر چونکہ مقصد سے ہٹ کر ہوتا ہے، اس لیے تھکاوٹ ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تھکاوٹ جائے ملاقات سے آگے ہوئی ہے۔

○ اس سے مراد باطنی روحی سفر ہے یعنی سالک صفات بشریہ خسیسہ و رذیلہ (مثل حسد، تکبر، غیبت، ریاء وغیرہ) سے صفات ملکیہ فاضلہ (مثل صبر، شکر، خوف، رجا وغیرہ) کی طرف تبدیلی اور ترقی حاصل کرتا ہے اس طرح پر کہ مراقبہ وتصور اور سنت پر عمل سے صفات بشریہ خسیسہ کو محو کرتا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی فنا کر کے صفات ملکیہ فاضلہ کی طرف ترقی کرتا اور مقامات سیر میں سفر کرنے لگتا ہے۔ جیسے ولایت صغریٰ، کبریٰ وعلیا، کمالات نبوت ورسالت، اولوالعزم، حقائق الٰہیہ وانبیاء حتیٰ کہ فیض ذات غیب الغیب ولاتعین سے (بلاواسطہ) مشرف ہونے لگتا ہے۔ یہ ایک عجیب بھید ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھ کر سفر میں رہتا ہے پس سالک پر واجب ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال میں رہے کہ اس میں کچھ غیر اللہ کی محبت تو نہیں ہے، اگر ذرا بھی پائے تو اس کو ''لَا إِلٰهَ'' کی نفی میں لاکر ''إِلَّا اللّٰهُ'' کی ضرب سے اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں قائم کرے۔ (جاننا چاہیے کہ اللہ کے واسطے جس چیز سے محبت کی جائے اللہ تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے) اور سفر در وطن بھی سیر انفسی کو متضمن ہے۔

○ ....اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب علم کے سفر میں مصائب کا پیش آنا عین متوقع امر ہے۔

○ ....موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾﴾ (سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سفر میں بڑی تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے)۔ اسی طرح ﴿اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا﴾ (موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے بستی والوں سے کھانا مانگا) سے بآسانی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بشری تقاضے پیش آتے ہیں، یہ نبوت کے منافی نہیں ہیں، جیسے بھوک اور تھکاوٹ وغیرہ۔

﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنوں کے سامنے تکلیف اور درد کا اظہار جائز ہے... ایسا کرنا بے صبری اور منافی کمال نہیں۔

﴿قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا﴾

اس نے کہا: بھلا بتایئے! (عجیب قصہ ہوگیا) جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے تو میں مچھلی (کا آپ سے ذکر کرنا) بھول گیا۔ اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو، اور اس (مچھلی) نے تو بڑے عجیب طریقے پر دریا میں اپنی راہ لے لی تھی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا دید قصور:

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ

بولا: وہ دیکھا تُو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی

"نَسِيْتُ الْحُوْتَ" کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کردیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ اس کا دوسرا ترجمہ ہے: "تَرَكْتُ" یعنی میں نے مچھلی کھودی، مچھلی چھوڑ آیا۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یوشع نے مچھلی کو جب کود کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیداری کے بعد ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ

لی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

فوائد السلوک: 1)

طالب علم اور سالک، بلکہ ہر چھوٹے کو چاہیے کہ استاد، شیخ اور بڑے کی غلطی بھی اپنے کھاتے میں ڈالے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿نَسِيَا حُوتَهُمَا﴾ دونوں مچھلی بھول گئے تھے، یعنی حضرت یوشع علیہ السلام بتانا بھول گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پوچھنا بھول گئے کہ بھئی! مچھلی زندہ تو نہیں ہوئی...... لیکن جب پوچھا تو حضرت یوشع علیہ السلام نے شاگردی اور مُریدی کا حق ادا کر دیا اور رہتی دنیا تک ایک عظیم الشان ادب کا دروازہ کھولا اور قانونِ ادب بتا دیا: ﴿إِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ﴾ کہ جی! میں بھول گیا۔ یہ نہیں فرمایا: کہ جی! ہم بھول گئے تھے۔

﴿إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ﴾ (جب ہم اس چٹان پر ٹھہرے تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راحت کے اسباب سے استفادہ کرنا نبوت وولایت کے منافی نہیں۔

شیطان کی وسوسہ اندازی: 1)

وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ

اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں

یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے، مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہِ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھنچ گئی تھی اور اسی مقامِ فنا میں پہنچ جانے نے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا، لیکن فروتنی اور انکسارِ طبع کی

وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے یعنی شیطانی اثر اندازی کی نسبت شیطان کی طرف کی۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

لفظ ''شیطان'' کی تحقیق:

..... ''اَلشَّیطَان'' میں ''نون'' اصلی ہے اور یہ ''شَطَنَ'' سے مشتق ہے، جس کے معنی دور ہونے کے ہیں اور ''بِئْرٌ شَطُونٌ'' (بہت گہرا کنواں) یعنی جس کا پانی بہت دور ہو..... ''شَطَنَتِ الدَّارُ'' (گھر کا دور ہونا) وغیرہ محاورات عربی میں استعمال ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ''شیطان'' کو ''شیطان'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کردیا گیا ہے۔

..... بعض نے کہا ہے کہ لفظ شیطان میں ''نون'' زائدہ ہے اور یہ ''شَاطَ يَشِيطُ'' سے مشتق ہے، جس کے معنی غصہ سے سوختہ ہوجانے کے ہیں اور ''شیطان'' کو بھی ''شیطان'' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴾ [الرحمٰن:۱۵] (اور جنات کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا) سے معلوم ہوتا ہے۔

..... ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ شیطان ہر سرکش کو کہتے ہیں، خواہ وہ جن وانس میں سے ہو یا دیگر حیوانات سے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ [الانعام:۱۱۲] (اسی طرح ہم نے ہر پچھلے نبی کے لیے کوئی نہ کوئی دشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب، بزیادۃ]

شیطان کے خلاف تین مددگار:

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تین چیزوں کے ذریعے شیطان پر قابو پایا جاسکتا ہے: "تَعَرُّفُ مَكَائِدِهٖ وَ تَرْكُ الْاِعْتِنَاءِ بِوَسْوَسَتِهٖ وَ اِدْمَانُ ذِكْرِ اللّٰهِ" (پہلی چیز ہے اس کی چالبازیوں سے واقف ہونا، دوسری ہے اس کے وسوسہ پہ توجہ نہ دینا اور تیسری یہ کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہنا)۔

فوائد السلوک:

☼..... ﴿وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وسوسہ ونسیان شیطان کے اثر سے پیش آجانا، ولایت کے بلکہ نبوت کے بھی منافی نہیں۔

☼..... ﴿وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ﴾ (اور شیطان کے سوا کوئی نہیں ہے جس نے مجھ سے اس کا تذکرہ کرنا بھلایا ہو) سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے اطمینان کے لیے اپنی کوتاہی کا سبب اور عذر بھی بیان کرنا چاہیے۔

☼..... ﴿وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ﴾ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرور کی نسبت نسبتاً شیطان کی طرف کرنی چاہیے۔

سمکِ موسیٰ کے عجوبہ ہونے کا بیان:

وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

اور اس نے کرلیا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح

جب انہوں نے ان سے کھانے کے لیے مچھلی مانگی تو ان کو اس وقت یاد آیا کہ مچھلی تو پانی میں چلی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا،

مچھلی تو وہاں پتھر کے قریب ہی پانی میں چلی گئی تھی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ''عَجَبًا''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ یوشع نے جب ان سے مچھلی کا تذکرہ کیا اور سمندر میں اپنی راہ لینے کا اظہار کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''عَجِیب''۔بعض نے کہا کہ ''اِتَّخَذَ''کی ضمیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، یعنی مچھلی کا سمندر کے اندر اپنا راستہ اختیار کرنے کو موسیٰ علیہ السلام نے عجیب قرار دیا۔
[تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مچھلی سمندر کے ایسے حصہ میں آئی جس کو آبِ حیات (زندگی کا چشمہ) کہا جاتا ہے، جب اس مچھلی کو اس چشمے کا پانی پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی روح کو لوٹا دیا اور وہ زندہ ہو گئی۔ [تفسیر در منثور: تحت ہذہ الآیۃ]

﴿قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾﴾

موسیٰ نے کہا: اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی۔ چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔

موسیٰ علیہ السلام کا منزل پانے کا بیان: (1)

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

کہا: یہی ہے جو ہم چاہتے تھے پھر اُلٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بھئی! ہمیں اسی جگہ کی تو تلاش تھی۔ چلو ہم اپنے قدموں کے نشانوں پر اسی جگہ واپس جاتے ہیں، ہمیں اسی جگہ پر وہ بندہ ملے گا۔ چنانچہ وہ دوبارہ

اپنے راستہ پر واپس آئے، جہاں ان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوگئی۔

مانا کہ تری دید کے قابل نہیں ہوں میں
تُو میرا شوق دیکھ، میرا اضطراب دیکھ

ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

فلَوْ قدَرْتُ على الإتيانِ زُرْتُكم
سَحْبًا عَلَى الْوَجْهِ أَوْ مَشْيًا على الرّأس

''میں آپ سے ملنے آؤں گا، چاہے مجھے چہرے کے بل آنا پڑے یا سر کے بل آنا پڑے۔''

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

''اَلْبَغْيُ'' کے معنی کسی چیز کی طلب میں درمیانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں۔ ''بغی'' دو قسم پر ہے:

❶ محمود۔ یعنی حد عدل و انصاف سے تجاوز کر کے مرتبہ احسان حاصل کرنا اور فرض سے تجاوز کر کے تطوع بجالانا۔

❷ ... مذموم۔ یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا۔ چونکہ ''بغی'' محمود بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی، اس لیے آیت کریمہ میں ہے: ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ [الشوریٰ:٤٢] (الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں)۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت ہذہ الآیۃ]

فوائد السلوک:

۞..... شیخ عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ مادر زاد ولی اور باطنی نسبت کے باکمال بزرگ تھے،

اللہ نے آپ کی زبان پر بڑی بڑی باتیں جاری کیں، سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زیادہ لکھے پڑھے نہیں تھے، مگر اللہ نے بڑا روشن دل عطا فرمایا تھا، یہی حال حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، ظاہری علم کم تھا، مگر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ آپ کے مرید تھے، اگر یہ کہا جائے کہ گزشتہ صدی میں پوری دنیا میں اتنا بڑا ولی اللہ نہیں گزرا تو یہ بات غلط نہیں ہوگی۔ بہرحال شیخ عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی گم ہوئی، اسی مقام پر ان کا مطلوب حاصل ہوا۔ مچھلی پیٹ کا معاملہ تھا، تو جہاں پیٹ کا معاملہ ختم ہوا وہاں معرفت حاصل ہوگئی۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ جب تک انسان کے ساتھ پیٹ کا دھندا غالب ہوگا، خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔

۞...... بڑے کو چاہیے کہ اگر چھوٹے سے کوئی بھول چوک ہوجائے تو اسے نظر انداز کردے، جیسے حضرت یوشع کو کوئی ڈانٹ نہیں پڑی۔

۞......اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل کے لیے طالب بننے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

۞...... ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے) سے معلوم ہوتا ہے کہ زبردست کوشش کے ساتھ ساتھ صحیح سمت کی طرف رُخ ہونا اور انتہائی احتیاط بھی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔

۞......موسیٰ علیہ السلام نے صرف اتنا فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ﴾ (اسی بات کی تو ہمیں تلاش تھی) اور ڈانٹا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدام کی کوتاہی پر معذرت کو قبول کرنا چاہیے۔

۞......﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ (چنانچہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے

واپس لوٹے) سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیوی معاملات میں عقل وفکر سے کام لینا چاہیے۔

- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے چلتے وقت اقدام مبارکہ کے آثار ہوتے ہیں۔
- یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق وصواب معلوم ہو جائے تو فوراً اس کی طرف رجوع کرے۔

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾﴾

تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا جس کو ہم نے اپنی خصوصی رحمت سے نوازا تھا، اور خاص اپنی طرف سے ایک علم سکھایا تھا۔

چوتھا منظر ...... حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات: (۱)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کہ جس کو دی تھی ہم نے رحمت اپنے پاس سے

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے، کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام وسطِ سمندر میں ایک جھالردار سبز مسند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔ [تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

یہ آیا کون کہ دھیمی پڑ گئی لَو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

جب پہلی ملاقات ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو سلام کیا، خضر علیہ السلام نے جواب میں کہا: ''هَلْ بِأَرْضِي مِنْ سَلَامٍ؟'' (یہاں میری اس سرزمین میں سلام

کہاں)؟ یعنی یہاں پر سلام کرنے کا کونسا موقع ہے؟ یہاں تو کوئی آبادی ہی نہیں ہے، بالکل ویران جگہ ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں گردونواح میں سب کفارو مشرکین آباد ہیں تو یہاں کیسے سلام ہوا؟ اس کے خضر علیہ السلام نے یہ بھی کہا: "مَنْ أَنْتَ؟" (تُو سلام کرنے والا کون آدمی ہے؟) موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: "أَنَا مُوسَى" یعنی میں موسیٰ ہوں۔ خضر علیہ السلام نے پھر پوچھا: "مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟" (کیا بنی اسرائیل والے موسیٰ)؟ تو آپ نے کہا: ہاں۔ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۶]

حضرت خضر علیہ السلام کی شخصیت:

آپ کا اصل نام "بَلْیَا"، کنیت "ابوالعباس" اور لقب "خضر" تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: "بَلْیَا بن مَلْکان بن فالغ بن عابَر بن شالَخ بن اَرْفَخْشَذْ بن سام بن نُوحِ" حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح یہ بھی سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے، ان کا زمانہ بھی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قریب ہی ہے۔ [تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ]

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بعض نیک لوگوں کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی یہ توجیہ بیان کرتے ہیں کہ خضر علیہ السلام دنیا کا دور تو ختم کر چکے ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان کی مثالی صورت ظاہر کر دیتا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ وہ مثالی صورت میں بھولے بھٹکوں کی راہنمائی کرتے ہوں۔ مثالی صورت خواب میں بھی نظر آسکتی ہے اور بیداری میں بھی۔ بعض اوقات نیک آدمی خواب میں نظر آتے ہیں اور کوئی اچھی بات بھی بتلا دیتے ہیں، حالانکہ اس بندے کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کون ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ خواب میں مثالی وجود دکھانے پر قادر ہے اسی طرح بیداری میں بھی ایسا ہوسکتا ہے۔

[حوالہ بالا]

خضر علیہ السلام بھی اولادِ آدم میں سے ہیں: (۱)

✿..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ خضر علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی عمر میں تاخیر کی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔
[درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

✿..... ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہمارے اصحاب نے ہم کو بیان فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو جب موت حاضر ہوئی تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا: اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ عنقریب زمین پر عذاب نازل کرے گا، پس میرا جسم تمہارے ساتھ غار میں ہو، یہاں تک کہ جب تم (کشتی سے) نیچے اُترو تو مجھے بھیج دینا اور مجھے شام کی زمین میں دفن کر دینا۔ آدم علیہ السلام کا جسم ان کے بیٹوں کے ساتھ رہا، جب اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھیجا تو انہوں اس جسم کو (مٹی میں) ملالیا، اللہ تعالیٰ نے زمین پر طوفان کو بھیجا تو زمین غرق ہوگئی۔ نوح علیہ السلام تشریف لائے، یہاں تک کہ بابل میں اُترے اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو تین باتوں کی نصیحت فرمائی (اور وہ ''سام''، ''حام'' اور ''یافث'' تھے) کہ وہ ان کے جسم کو اس غار کی طرف لے جائیں جس میں ان کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا: زمین وحشت والی ہے، یہاں کوئی اُنس والا نہیں اور نہ ہم راستہ جانتے ہیں، لیکن کچھ دیر ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ لوگ اور بڑھ جائیں۔ نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تھی کہ جو ان کو دفن کرے، اس کی عمر قیامت تک طویل ہو۔ پس آدم علیہ السلام کا جسم اسی طرح رہے گا، یہاں تک کہ خضر علیہ السلام کو آپ کے دفن کرنے کا فریضہ سونپا گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وعدہ کو پورا کر دیا، جو ان سے وعدہ فرمایا تھا، پس وہ زندہ رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ

ان کو زندہ رکھنا چاہیں گے۔[حوالہ بالا]

ابن عساکر نے سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ خضر علیہ السلام کی ماں رومیہ تھی اور ان کے والد فارسی تھے۔[حوالہ بالا]

کنگھی کرنے والی عورت اور اس کے بیٹے کی خوشبو:

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ معراج کی رات میں نے پاکیزہ خوشبو سونگھی۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ پاکیزہ خوشبو کیسی ہے؟ انہوں نے فرمایا: ایک کنگھی کرنے والی عورت، اس کے بیٹے اور اس کے شوہر کی قبر کی خوشبو ہے۔

اور اس واقعہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ خضر علیہ السلام بنی اسرائیل کے عزت والے لوگوں میں سے تھے اور ان کا گزر گرجا گھر کے ایک راہب کے پاس سے ہوا، جو اپنے گرجا میں رہتا تھا، راہب ان کے پاس آیا اور انہوں نے اس کو سلام کیا اور اس بات پر وعدہ لیا کہ کسی کو یہ نہیں سکھائے گا، پھر اس کے باپ نے ایک عورت سے شادی کی اور خضر علیہ السلام نے بیوی کو اسلام سکھا دیا اور اس عورت سے وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہیں سکھائے گی۔ خضر علیہ السلام عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے، پھر اس نے دوسری عورت سے شادی کی اور اس کو بھی آپ نے اسلام سکھا دیا اور اس سے بھی وعدہ لیا کہ وہ کسی کو نہ بتائے گی۔ پھر اس نے اس کو طلاق دے دی، ان میں ایک نے راز فاش کر دیا اور دوسری نے چھپائے رکھا۔ راز فاش ہونے پر خضر علیہ السلام بھاگ گئے، یہاں تک کہ وہ سمندر میں ایک جزیرہ پر آ گئے، آپ کو دو آدمیوں نے دیکھا، ان میں سے ایک نے اس کا معاملہ ظاہر کیا اور دوسرے نے چھپایا، اس سے کہا گیا کہ جس نے اس کو تیرے ساتھ دیکھا تھا، وہ کون

تھا؟ اس نے کہا: فلاں نے۔ اور ان کے دین میں یہ تھا کہ جو جھوٹ بولے، اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے چھپایا، اس کو قتل کر دیا گیا۔ جس نے اس پر راز فاش کیا تھا، پھر اس پر چھپانے والے نے کنگھی کرنے والی عورت سے نکاح کر لیا، اس درمیان کہ وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی، اچانک کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی، اس عورت نے کہا: فرعون ہلاک ہو، لڑکی نے اپنے باپ کو اس بات کی خبر دی، فرعون نے عورت کو، اس کے بیٹوں کو اور اس کے شوہر کو بھی بلوا بھیجا اور انہیں کہا کہ اپنے دین سے ہٹ جاؤ، انہوں نے انکار کر دیا۔ فرعون نے کہا: تم کو قتل کر دوں گا، انہوں نے کہا: اگر تو ہم کو قتل کرے گا تو ایک ہی قبر میں ہم کو دفن کرا دینا۔ فرعون نے ان کو قتل کر دیا اور ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اس سے زیادہ پاکیزہ خوشبو نہیں سونگھی، حالانکہ میں جنت میں داخل ہوا تھا۔ [حوالہ بالا]

✿..... ابن ابی حاتم نے شعیب ابن الحجاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ خضر علیہ السلام ایسے بندے تھے کہ ان کو آنکھیں نہیں دیکھتی تھیں، مگر جس کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے کہ وہ ان کو دیکھ لے، خاص طور پر وہ انہیں نظر آ جاتے ہیں۔ قوم میں سے کسی نے ان کو نہیں دیکھا، مگر موسیٰ علیہ السلام نے۔ اگر قوم ان کو دیکھ لیتی تو وہ انہیں نہ تو کشتی پھاڑنے دیتے اور نہ لڑکے کو قتل کرنے دیتے۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اور وہ لوگ دیکھ رہے تھے کہ اس لڑکے کو اچانک موت آ گئی۔ [حوالہ بالا]

فوائد السلوک:

✿..... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس جملے پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ وَ مَنْ دُوْنَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مِنَ الغَيْبِ إِلَّا مَا عَلَّمَهُمُ اللهُ، لَو كَانَ الخَضِرُ

يَعْلَمُ كُلَّ غَيْبٍ لَعَرَفَ مُوسَى قَبْلَ أَن يَسْئَلَه'' [فتح الباری، تحت حدیث البخاری برقم:۱۲۲] یعنی انبیاء اور اولیاء وغیرہ غیب کی اتنی ہی بات جانتے ہیں جتنی اللہ انہیں بتلا دیتا ہے، اگر خضر علیہ السلام غیب دان ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کو بغیر پوچھے ہی پہچان لیتے۔

..... مجاہدہ کے بعد اللہ کی طرف مبشرات وقوع پذیر ہوجاتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تھکاوٹ کے بعد حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی۔ چنانچہ اللہ نے بھی فرمایا:﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ (تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا)... ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (اور جن لوگوں نے ہماری خاطر کوشش کی ہے، ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے راستوں پر پہنچائیں گے)... اسی طرح فرمایا:﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ (یقیناً مشکلات کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے)۔ عرب والے بھی کہتے ہیں:''مَنْ جَدَّ وَجَدَ'' (جو کوشش کرتا ہے پالیتا ہے)۔

..... ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کوئی بھی ہو، اپنی ذات و صفات میں حق تعالیٰ کی محتاج ہوتی ہے۔

..... جہاں شرک کا شائبہ وتوہم ہو وہاں تعبیر میں توحید کے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کیا جائے، اور شرک کی بلیغ نفی کی جائے، تاکہ جہلاء کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں عجیب وغریب کام وقوع پذیر ہوئے۔ چنانچہ جہلاء اس بات میں مبتلا ہوسکتے تھے کہ وہ ''مختارِ کل'' ہیں۔ جو ایک گمراہ کن عقیدہ ہے۔ اس باطل عقیدہ کے توڑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو انداز اپنائے... پہلا یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام کو ''عَبْدًا'' (بندہ) قرار دیا، اس میں ان کی معبودیت کی نفی ہے... دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہمارے خاص بندوں میں سے ایک

بندہ ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ بندہ، رب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ (تب انہیں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ملا)۔

❁ ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا﴾ ... ﴿الْفَتٰىهُ﴾ ... ﴿وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا﴾ ان تمام مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ القاب میں مبالغہ آرائی سے بچا جائے، واقعیت کا خیال رکھا جائے۔

❁ ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور ولایت خاصہ رحمت کبریٰ ہیں اور دونوں رحمت حق کا ثمرہ ہیں۔

❁ ﴿عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ کی تعبیر بتا رہی ہے کہ قطب التکوین، رجال الخدمت وغیرہ اصطلاحات بالکل بے اصل نہیں ہیں۔ علماء اہل بلاغت اس تعبیر کو خوب سمجھتے ہیں۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

❁ توحید کا تحفظ بھی مقصود ہے اور اہل اللہ کا احترام بھی، چنانچہ "عبدًا" کی تنکیر برائے تعظیم ہے اور "عِبَادِنَا" میں اضافت تشریفیہ ہے، چنانچہ ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ﴾ کا معنی یوں بنے گا کہ ان دونوں نے ہمارے خاص بندوں میں سے ایک عظمتوں والا بندہ پایا۔

حضرت خضر علیہ السلام کے علم لدنی کا بیان:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

اور جس کو سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم

یہ جو خاص علم تھا وہ تکوینی علم تھا۔ شریعت کا علم نہیں تھا، شریعت کے علم میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے تھے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ولی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے تکوینی علم دیا تھا۔ یہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، اس کے ہر کام میں حکمت کیا ہے، حقیقت کیا ہے، یہ علم ان کے پاس تھا۔ اس کو "علم لدنی" کہا گیا۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟

امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اکثر علماء خضر علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یقینی نہیں ہوتا، اس کو الہام ربانی کہا جاسکتا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ القاء شیطانی ہو، خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ تعلیم شریعت کے خلاف ہو اس صورت میں تو اس کا القاء شیطانی ہونا تقریباً یقینی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الہامی علوم باہم متعارض اور مختلف ہوتے ہیں۔ اب اگر خضر علیہ السلام کا نبی نہ ہونا مان لیا جائے تو کیا جواب ہوگا؟ معصوم بچے کو بے قصور قتل کردینے کا محض اس وجہ سے کہ خضر علیہ السلام کو الہام سے معلوم ہوگیا کہ ماں باپ اس کی محبت میں پڑ کر گناہگار اور بے راہ ہوجائیں گے، اس لیے اس کو قتل کردیا جائے (یہ الہام تو شریعت کے خلاف تھا، پھر خضر علیہ السلام نے اس پر عمل کیوں کیا؟ تو معلوم ہوا کہ یہ الہام نہیں تھا، بلکہ وحی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ [تفسیر مظہری بزیادۃ]

اللہ تعالیٰ کے علم سے موازنہ:

صحیحین کی روایت میں ہے کہ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور انہیں بغیر کرایہ کشتی میں سوار کرلیا، آگے اسی روایت میں آتا ہے: ''وَقَعَ عُصْفُورٌ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ'' (ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آکر بیٹھ گئی، پھر اس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی) تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ''مَا عِلْمُكَ وَ عِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ'' [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۷] (میرے اور تمہارے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم سے اس قدر ہے

یعنی اس چڑیا کی چونچ کی تری کو سمندر سے)۔ اصل میں یہ خدا کی جانب سے تنبیہ تھی، کیونکہ اس مسئلہ میں موسیٰ علیہ السلام پر ابتلا آئی تھی کہ مجھ سے زیادہ عالم کوئی نہیں ہے۔ خضر علیہ السلام نے واضح کر دیا کہ اے موسیٰ! میرا اور تیرا علم اتنا معمولی ہے، جتنا اس چڑیا نے چونچ بھر کر اس سمندر میں کمی کر دی ہے۔ [تفسیر معالم التنزیل]

○ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے ملے تو ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ کو پانی میں ڈال دیا، خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے؟ پوچھا: کیا کہتا ہے؟ فرمایا: وہ کہتا ہے کہ تیرا علم اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اس پانی کے برابر ہے جو میری چونچ نے لیا ہے۔ [تفسیر در منثور]

فوائد السلوک:

○ یہ آیت اصل ہے اثبات علم لدنی میں اور اس علم لدنی کو علم حقیقت و علم باطن بھی کہتے ہیں۔

○ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ'' (میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن محفوظ کیے ہیں)۔ ان میں سے ایک علم کو تو میں نے پھیلا دیا ہے جس کا تعلق عقائد، حلال و حرام اور عبادات سے ہے اور اگر میں دوسرے علم کو بھی ظاہر کر دوں ''قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُومُ'' [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۰] (تو یہ گردن کٹ جائے)، مطلب یہ ہے کہ اس خاص علم کی پیشگوئیاں اور باطنی باتیں ہرگز برداشت نہیں ہو سکیں گی۔

○ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے: ''یَا رَبِّ! جَوْهَرُ عِلْمٍ لَوْ أَبُوحُ لَقِيلَ أَنْتَ

علم کے بہت سے جوہر ایسے ہیں کہ اگر میں ان کو ظاہر کر دوں تو
لوگ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گے)، ''وَلَاسْتَحَلَّ رِجَالُ الْمُسْلِمُوْنَ دَمِیْ، یَرَوْنَ أَقْبَحَ مَا یَأْتُوْنَهُ حَسَنًا''(اور کئی مسلمان میرے خون کو حلال سمجھنے لگیں گے، جو خود بُرے سے بُرا عمل کرتے ہیں اور اسے اچھا خیال کرتے ہیں)۔[تفسیر معالم العرفان]

مِمَّنْ یَعْبُدُ الْوَثَنَ''

علم لدنی:

علم فرشتے کے ذریعے بھی سکھلایا جا سکتا ہے، اشارے سے بھی ایسا ہوتا اور علم قلب میں ڈالا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ انہی ذرائع سے اپنے بندوں کو علم عطا کرتا ہے، علم لدنی وہ علم ہے جس میں اچھے کام کی توفیق یا خذلان یعنی رُسوا کرنے کی طرف اشارہ ہوتا ہے، ایسا علم بغیر کسب اور تلقین کے حاصل ہوتا ہے اور اسے ''علم وہبی'' بھی کہتے ہیں، اس کو ''کشف'' اور ''الہام'' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ تاہم خضر علیہ السلام کا علم انبیاء کرام علیہم السلام والا علم تھا، اگرچہ آپ تشریعی نبی نہیں تھے، بلکہ اللہ نے تکوینیات کے سلسلے میں آپ کو کچھ علوم سکھائے تھے، اس علم کے متعلق مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگ کہتے ہیں:

؎ علم چوں بردل زند یارے شود
علم چوں برگل زندی بارے شود

''جس علم کی چوٹ دل پر لگتی ہے وہ انسان کے لیے مفید ہوتا ہے اور جس علم کا تعلق مٹی یا جسم سے ہوتا ہے وہ انسان کے لیے بطور بوجھ ہی ہوتا ہے۔''

دوسرے شعر میں ہے:

علم را برتن زنی مارے بود

''جس علم کی چوٹ دل کی بجائے جسم پر پڑتی ہے، وہ علم انسان کے لیے بطورِ سانپ کے ہوتا ہے کہ اس سے نقصان کی توقع ہی کی جا سکتی ہے۔''

بہرحال "علم لدنی" وہ ہے جس سے قلب کی صفائی ہو اور تعلق باللہ درست ہو جائے، اس قسم کا علم انبیاء کرام علیہم السلام کو تو قطعی نص سے ہوتا ہے، البتہ کسی حد تک اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے، شاعر لوگ کہتے ہیں کہ اگر انسان کو سربلندی اور تفوق کا باعث بننے والا علم حاصل نہ ہو تو وہ خسارے میں رہتا ہے، اُردو زبان کے شاعر "آزاد" کا شعر بھی ہے۔

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں
ملتا وہ یار جس سے ایسا ہنر نہ آیا

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے: "مَا لَذَّةُ الْعَيْشِ إِلَّا صُحْبَةُ الْفُقَرَآءِ هُمُ السَّلَاطِيْنُ وَ السَّادَاتُ وَ الْأُمَرَآءُ" (فقراء کی صحبت کے بغیر کمال درجے کی مجلسی زندگی حاصل نہیں ہو سکتی، یہی لوگ سلاطین بھی ہیں، سادات بھی ہیں اور امراء بھی ہیں)، ان کے قلوب پر ہمیشہ اللہ کی تجلیات نازل ہوتی رہتی ہیں اور انہی کو "علم لدنی" حاصل ہے۔ اگر ان لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جائے تو بڑے کمال کی بات ہے۔

[تفسیر معالم العرفان]

علم نافع:

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اَلْعِلْمُ هُوَ نُوْرٌ يَضَعُهُ اللّٰهُ فِي قَلْبِ مَنْ يُرِيْدُ أَنْ يَهْدِيَهُ" (علم وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے دل میں جگہ دیتا ہے جس کو وہ ہدایت دینا چاہتا ہے)۔ [موسوعۃ الکسنزان: تحت مادۃ: ع ل م]

علم کے تین قرآنی نام:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں قرآن مجید کو تین مختلف ناموں سے تعبیر کیا ہے:

❶ حیاۃ: چنانچہ فرمانِ خداوندی ہے: ﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِي بِهِۦ فِي ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِي ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ [الانعام: ۱۲۲] (ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اسے زندگی دی ہو اور اس کو ایک روشنی مہیا کر دی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ سجھا دیا گیا ہے وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے)۔

❷ روح: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ [الشوریٰ: ۵۲] (اور اسی طرح ہم نے تمہارے پاس اپنے حکم سے ایک روح بطورِ وحی نازل کی ہے)۔

❸ نور: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ٱللَّهُ نُورُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ﴾ [النور: ۳۵] (اللہ تعالیٰ نورِ ہدایت دینے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا)۔ [ایضاً]

مراتبِ علم:

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أَوَّلُ العِلْمِ الاِسْتِمَاعُ، ثُمَّ الفَهْمُ، ثُمَّ الحِفْظُ، ثُمَّ العَمَلُ، ثُمَّ النَّشْرُ'' (علم کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بات کو توجہ سے سنا جائے، پھر سمجھا جائے، پھر یاد کیا جائے، پھر اس پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد اس کی اشاعت کی جائے)۔ [ایضاً]

علم کے تدریجی مراحل:

شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی رحمہ اللہ بعض صوفیاء کی بات نقل کر کے لکھتے ہیں: ''أَوَائِلُ العِلْمِ

الخَشْيَةُ، ثُمَّ الإِجْلَالُ، ثُمَّ التَّعْظِيمُ، ثُمَّ الهَيْبَةُ، ثُمَّ الفَنَاءُ'' علم کے ذریعے پہلے خشیتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے، پھر عظمتِ الٰہی، پھر تعظیم، پھر ہیبت اور پھر فنائیت نصیب ہوجاتی ہے)۔[ایضاً]

لذتِ علم:

شیخ عبداللہ بن علوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لَا يَجِدُ العَالِمُ لَذَّةَ العِلْمِ حَتَّى يُهَذِّبَ نَفْسَهُ وَ أَخْلَاقَهُ، وَ يَسْتَقِيمُ عَلَى الكِتَابِ وَ السُّنَّةِ، وَ يَرْمِي بِالرِّيَاسَةِ تَحْتَ قَدَمِهِ'' (کوئی عالم اس وقت تک علم کی لذت سے آشنا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اپنے نفس اور اخلاق کی اصلاح نہ کرلے، اس کے ساتھ ساتھ کتاب وسنت پر استقامت کے ساتھ چلتا رہے اور دنیاوی جاہ ومرتبے کو اپنے پاؤں کے نیچے روند نہ ڈالے)۔

[ایضاً]

علمِ نافع کی اقسام:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ علمِ نافع کی چند اقسام ہیں۔ چنانچہ:

۞..... ''هِيَ عِلْمٌ يَقْوَىٰ بِهِ يَقِينُكَ'' (علم نافع وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کا یقین پختہ ہوجائے)۔

۞..... ''عِلْمٌ تَحْسُنُ بِهِ عِبَادَةُ رَبِّكَ'' (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ احسن طریقے سے اپنے رب کی عبادت کرسکے)۔

۞..... ''عِلْمٌ تَحْسُنُ بِهِ مُعَامَلَةُ إِخْوَانِكَ المُؤْمِنِينَ'' (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ پیش آنے والے معاملات کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکے)۔

۞ "علمٌ تَحسُنُ به معيشتُك و أخلاقُك" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کی معیشت اچھی ہو جاتی ہے اور اس کے اخلاق کی اصلاح ہو جاتی ہے)۔

۞ "علمٌ يمنّ الله به النعمة من الفضل" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کی وجہ سے بندے پر اللہ تعالیٰ کی ہر وقت مہربانی ہوتی رہتی ہے)۔

۞ "علمٌ تعلم به من أنت" (ایک وہ علم ہوتا ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنی اوقات کو پہچان لیتا ہے)۔

[ایضاً]

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ما العلمُ إلا للعمل به، والعملُ به تركُ العاجلِ للآجِلِ" (علم تو ہوتا ہی اس لیے ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اور عمل کہتے ہیں دنیا کو آخرت کے لیے چھوڑنا یعنی دنیا میں دل نہ لگانا)۔ [ایضاً]

جامع علم:

شیخ ابراہیم دسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "العلمُ كلُّه مجموعٌ في حرفين: من عرفَ اللهَ و عبدَه فقد أدركَ الشريعةَ و الحقيقةَ" (سارے کا سارا علم دو حرفوں میں سمٹا ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جو شخص اللہ کی معرفت اور عبادت میں لگ گیا تو اس نے شریعت اور حقیقت کو پا لیا)۔ [ایضاً]

علم کی زکوٰۃ:

۞ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "زكاةُ العلمِ نشرُه ودعوةُ الخلقِ إلى الحقِّ" (علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے پھیلایا جائے اور اس کے ذریعے مخلوق کو خالق کی

طرف بلایا جائے)۔

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زكاةُ العلمِ أن يُعلّمَهُ أهلَهُ'' (علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ان لوگوں کو سکھایا جائے جو اس کے اہل ہوں)۔ [ایضاً]

علم کی زینت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''زِينَةُ العِلْمِ الوَرَعُ وَ الحِلْمُ'' (علم کی زینت، تقویٰ اور بردباری سے ہوا کرتی ہے)۔ [ایضاً]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اَلْعِلْمُ وِرَاثَةٌ كَرِيمَةٌ، لَا شَرَفَ كَالعِلْمِ، العِلْمُ مَقْرُونٌ بِالعَمَلِ، فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ، وَالعِلْمُ يَهْتِفُ بِالعَمَلِ، فَإِنْ أَجَابَهُ وَ إِلَّا ارْتَحَلَ عَنْهُ'' (علم بہترین میراث ہے، علم جیسا کوئی شرف نہیں۔ علم و عمل یک جان دو قلب ہیں۔ چنانچہ جو علم سیکھے تو اسے چاہیے کہ عمل بھی کرے۔ علم عمل کی صدا لگاتا ہے، اگر جواب آجائے تو ٹھیک ورنہ رخصت ہو جاتا ہے)۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الجَبَّارِ فِينَا
لَنَا عِلْمٌ وَ لِلْجُهَّالِ مَالُ
فَإِنَّ المَالَ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ
وَ إِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا يَزَالُ

مزید فرماتے ہیں:

''اَلْعِلْمُ خَيرٌ مِنَ المَالِ، اَلعِلْمُ يَحْرُسُكَ وَأَنْتَ تَحْرُسُ المَالَ، اَلْعِلْمُ حَاكِمٌ وَالمَالُ مَحْكُومٌ عَلَيهِ، اَلمَالُ تُنْقِصُهُ النَّفَقَةُ، وَالعِلْمُ يَزْكُو بِالإِنْفَاقِ.''

''علم مال سے بہت بہتر ہے، اس لیے کہ علم انسان کی حفاظت کرتا ہے، جبکہ مال کی حفاظت انسان کو کرنی پڑتی ہے۔ علم حاکم ہے اور مال اس کا محکوم ہے، مال جب خرچ کیا جائے تو وہ کم ہو جاتا ہے، جبکہ علم خرچ کرنے سے اور بڑھتا ہے۔''

[ایضاً]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''خُيِّرَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ علیہما السلام بَيْنَ العِلْمِ وَالمَالِ وَ المُلْكِ، فَاخْتَارَ العِلْمَ، فَأُعْطِيَ المَالَ وَ المُلْكَ مَعَهُ'' (حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم، مال اور بادشاہت میں سے کسی ایک کے انتخاب کا اختیار دیا گیا تو انہوں نے علم کو چن لیا تھا، چنانچہ ان کو علم کے ساتھ ساتھ مال بھی مل گیا اور بادشاہت بھی مل گئی)۔[ایضاً]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مَنْ رَأَى أَنَّ الغَدْوَ إِلَى طَلَبِ العِلْمِ لَيْسَ بِجِهَادٍ فَقَدْ نَقَصَ فِي رَأْيِهِ وَ عَقْلِهِ'' (جو شخص علم کی طلب کے لیے نکلنے کو جہاد نہیں سمجھتا، اس کی عقل اور رائے میں نقص پایا جاتا ہے)۔[ایضاً]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''عَلَيْكُمْ بِالعِلْمِ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ، وَرَفْعُهُ مَوتُ رُوَاتِهِ، فَوَ الَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَوَدَّنَّ رِجَالٌ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ شُهَدَاءَ أَنْ يَبْعَثَهُمْ عُلَمَاءَ لِمَا يَرَوْنَ مِن كَرَامَتِهِمْ'' (علم کے اُٹھ جانے سے پہلے پہلے اسے حاصل کرلو۔ علم کے اُٹھ جانا علماء کی موت سے ہوتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری

جان ہے، جب شہداء، بارگاہِ الٰہی میں علماء کے اعزاز واکرام کو دیکھیں گے تو یہ تمنا کریں
گے کہ کاش! ہمیں علماء کی صف میں اُٹھایا جاتا)۔[ایضاً]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''طَلَبُ العِلْمِ أَفْضَلُ مِنَ النَّافِلَةِ'' (علم حاصل کرنا، نوافل پڑھنے سے افضل ہے)۔[ایضاً]

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَا مِنْ طَرِيقٍ إِلَى اللهِ أَفْضَلُ مِنَ العِلْمِ'' (اللہ کی طرف جانے والے راستوں میں علم زیادہ فضیلت والا کوئی اور راستہ نہیں ہے)۔[ایضاً]

شیخ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

شیخ ابوالاسود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لَيْسَ شَيْءٌ أَعَزَّ مِنَ العِلْمِ، اَلْمُلُوكُ حُكَّامٌ عَلَى النَّاسِ، وَالعُلَمَاءُ حُكَّامٌ عَلَى المُلُوكِ'' (علم سے زیادہ عزت والی اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اس لیے کہ بادشاہ عوام الناس پر حکمرانی کرتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حکمرانی کرتے ہیں)۔[ایضاً]

شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

شیخ فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حاضرین مجلس سے فرمانے لگے:

''أَلَيْسَ المَرِيضُ إِذَا مُنِعَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ وَالدَّوَاءَ يَمُوتُ؟''

''اگر مریض کو کھانے پینے اور دوائی کے استعمال سے روک دیا جائے تو کیا وہ مر نہیں

جائے گا؟''

حاضرین مجلس نے عرض کیا:

''بلی

''کیوں نہیں۔''

فرمایا:

''كَذٰلِكَ الْقَلْبُ إِذَا مُنِعَ عَنْهُ الْحِكْمَةُ وَالْعِلْمُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ يَمُوتُ.''

''یہی حال دل کا بھی ہے، اگر اس سے حکمت اور علم کو تین دن تک روک دیا جائے تو یہ مر جاتا ہے۔''

[ایضاً]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

انسان کو شرافت علم کی وجہ سے ملتی ہے۔ یہ شرافت اس کی جسمانی قوت کی وجہ سے نہیں ہوتی، ورنہ تو اونٹ اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے...... اور نہ ہی جسم کے موٹے ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لیے کہ ہاتھی اس سے بہت زیادہ موٹا ہوتا ہے......اور نہ ہی اس کی بہادری شرافت کا سبب بنتی ہے، اس لیے کہ درندے تو اس سے زیادہ بہادر ہوتے ہیں، بلکہ اسے تو پیدا ہی علم کے لیے کیا گیا ہے۔ [ایضاً]

علم لدنی کسے کہتے ہیں؟

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْعِلْمُ اللَّدُنِّيُّ: وَ هُوَ عِلْمُ مَعْرِفَةِ ذَاتِهِ وَ صِفَاتِهِ الَّذِيْ لَا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ إِلَّا بِتَعْلِيْمِهِ إِيَّاهُ'' (علم لدنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کا علم ہے، اسے وہی شخص جان سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ سکھائیں)۔

عالم کون ہوتا ہے؟))

شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

❁ ''لَيسَ العَالِمُ المُتكلِّمُ الواصِفُ، إنَّمَا العَالِمُ الحَذرُ الخَائفُ'' (عالم صرف بیان کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ عالم خوفِ خدا رکھنے والا ہوتا ہے)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ مَنْ جَلَسَ عَلَى الْكُرْسِيِّ، إنَّمَا العَالِمُ مَنِ اجْتَنَبَ المَعَاصِيَ'' (عالم وہ نہیں ہوتا، جو صرف کرسی پر بیٹھے اور وعظ ونصیحت کرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو گناہوں سے پرہیز کرتا ہے)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ مَنْ صَاحَ فِي المَحَافِلِ، إنَّمَا العَالِمُ مَنْ عَرِفَ دَقَائِقَ الشُّبُهَاتِ مِنَ النَّوَازِلِ'' (عالم وہ نہیں ہوتا، جو محفلوں میں چیخ چیخ کے بولتا ہو، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو شبہات کی باریکیوں کو پہچانتا ہے)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ مَنْ يَّرْوِيْ، إنَّمَا العَالِمُ مَنْ يَّرْعَوِيْ'' (عالم وہ نہیں ہوتا، جو صرف روایت کرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو خلافِ شریعت چیزوں سے دور رہتا ہے)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ مَنْ جَمَعَ وَ مَنَعَ، إنَّمَا العَالِمُ مَنْ زَهَدَ وَ قَنَعَ'' (عالم وہ نہیں ہوتا، جس نے دنیا جمع کی اور دوسرے سے اسے روکے رکھا، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جس نے زہد اختیار کیا اور قناعت اپنائی)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ الطَّوِيْلُ اللِّسَانِ، إنَّمَا العَالِمُ كَثِيْرُ الْإِحْسَانِ'' (عالم طویل اللسان نہیں ہوتا، بلکہ کثیر الاحسان ہوتا ہے)۔

❁ ''لَيسَ العَالِمُ ذَا الْوَجْهَيْنِ، إنَّمَا العَالِمُ ذُو الجُهْدَيْنِ'' (عالم دو رُخ نہیں رکھتا یعنی دورنگا نہیں ہوتا، بلکہ یک رنگ ہو کر ڈبل مشقتیں اُٹھانے والا ہوتا ہے)۔

﴿ ''لَيسَ العَالِمُ من يَصِفُ الجنَّةَ وَ الحور وَ يُشوِّقُ إلَى الغلمان والقُصُور، إنَّمَا العالِمُ مَنْ لَا يَظْلِمُ وَلَا يَجُورُ وَلَا يَنطِقُ بِالكِذْبِ وَالفُجُورِ'' (عالم وہ نہیں ہے جو جنت اور حوروں کے تذکرے کرتا رہے اور جنت کے غلمان اور محلات کا شوق دلاتا رہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو ظلم نہیں کرتا، جھوٹ اور فسق و فجور کی باتیں نہیں کرتا)۔

﴿ ''لَيسَ العَالِمُ إذَا عَلِمَ أَكَلَ وَ نَامَ، إنَّمَا العَالِمُ إذَا عَلِمَ تَهَجَّدَ بِاللَّيلِ وَ بِالنَّهَارِ صَامَ'' (عالم وہ نہیں ہوتا کہ جب اس کے پاس علم آتا ہے تو کھاتا ہے اور سو جاتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس علم آتا ہے تو وہ رات کے وقت تہجد پڑھتا ہے اور دن کے وقت روزہ رکھتا ہے)۔

﴿ ''لَيسَ العَالِمُ مَنْ حَفِظَ الْأَحَادِيثَ وَالْأَخْبَارَ، إنَّمَا العَالِمُ مَنْ عَدَّ كَلَامَهُ وَخَافَ عُقُوبَةَ المَلِكِ الجَبَّارِ'' (عالم وہ نہیں ہوتا جو احادیث کو زبانی حفظ کرتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو اپنی باتوں کو گن گن کر بولتا ہے اور پروردگار کی سزا سے ڈرتا ہے)۔

﴿ ''لَيسَ العَالِمُ الَّذِيْ يَجْمَعُ الكُتُبَ وَالْكَرَارِيسَ، إنَّمَا العَالِمُ الَّذِي يَخَافُ أَنْ يُمْكَرَ بِهِ كَمَا مُكِرَ بِالشَّقِيِّ إبْلِيسَ'' (عالم وہ نہیں ہوتا جو فقط کتابیں اور رجسٹر جمع کرتا ہے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرتا ہو، جیسا کہ ابلیس بد بخت کے ساتھ خفیہ تدبیر کا معاملہ کیا گیا)۔

﴿ ''لَيسَ العَالِمُ الَّذِيْ يَفْتَخِرُ بِكَثْرَةِ الكَلَامِ، إنَّمَا العَالِمُ الَّذِيْ أَسْكَتَهُ إجْلَالُ المَلِكِ العَلَّامِ'' (عالم وہ نہیں ہوتا جو کثرتِ کلام پہ فخر کرتا پھرے، بلکہ عالم وہ ہوتا ہے جسے جلالِ خداوندی نے خاموش کرا دیا ہو)۔

﴿ ''اَلعَالِمُ هُوَ الَّذِيْ كُلَّمَا ازْدَادَ عِلْمًا، اِزْدَادَ تَوَاضُعًا وَّ حِلْمًا'' (عالم وہ ہوتا ہے

کہ جب جب اس کا علم بڑھتا رہے تو ساتھ ساتھ تواضع اور بردباری بھی بڑھتی رہے)۔

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلعالِمُ عِندَ اللّٰہِ مَن عَلِمَ عِلمَ الظاھِرِ والباطِنِ، وَمَنْ لَمْ یَجْمَعْ بَیْنَهُمَا فَلَیْسَ بِعَالِمٍ'' (اللہ تعالیٰ کے ہاں عالم وہ ہوتا ہے جو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں رکھتا ہو۔ اور جس نے دونوں کو جمع نہیں کیا، وہ عالم نہیں ہے)۔

علماء وفقہاء کے درجات:

شیخ احمد رفاعی کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علماء اور فقہاء کے کئی درجات ہیں:

پہلا درجہ: یہ اس شخص کا درجہ ہے جس نے علم مجادلہ اور مفاخرہ کے لیے حاصل کیا ہو، مال اور قیل وقال جمع کیا ہو...... یہ بہت بُرا عالم ہے۔

دوسرا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس نے علم مناظرہ کے لیے نہیں سیکھا، لیکن اس لیے کہ اس کا شمار علماء میں ہو...... یہ محروم عالم ہے۔

تیسرا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس نے مشکل مسائل کو حل کیا، منقولات اور معقولات کی باریکیاں کھول کھول کر بیان کیں، مناظرہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوا، شریعت کی زبردست مدد کی، لیکن اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتا رہا...... یہ مغرور عالم ہے۔

چوتھا درجہ: اس شخص کا درجہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، چنانچہ اس نے غافل کو غفلت سے نکالنے اور جاہل کی رہنمائی میں اپنے آپ کو تھکایا۔ اس نے خیر خواہی کو پھیلایا، نہی عن المنکر کیا اور یہ سب کچھ کسی دنیاوی غرض کے لیے نہیں کیا۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ شریعت جس کو اچھا قرار دے، وہی اچھا ہے اور جسے قبیح قرار دے، وہ قبیح ہے...... یہ عارف باللہ ہے۔

عالم کی موت:

حضرت امام محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "واللہ لموت عالم أحب إلی الشیطان من موت سبعین عابدا" (اللہ کی قسم! ایک عالم کی موت، شیطان کے لیے 70 عابدوں کی موت سے زیادہ پسندیدہ ہے)۔

علماء آخرت کی علامات:

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء آخرت کی پانچ صفات ہیں، جو پانچ آیات سے سمجھ میں آتی ہیں:

1- خشیت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰؤُا﴾ [فاطر:۲۸] (اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں)۔

2- خشوع: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ [آل عمران:۱۹۹] (اور بے شک اہل کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے)۔

3- تواضع: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [الحجر:۸۸] (اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، ان کے لیے اپنی شفقت کا بازو پھیلا دو)۔

4- خوش اَخلاقی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ﴾ [آل عمران:۱۵۹] (اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر اے پیغمبر! تم نے ان لوگوں سے نرمی کا

برتاؤ کیا)۔

زہد: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ [القصص: ۸۰] (اور جن لوگوں کو اللہ کی طرف سے علم عطا ہوا تھا، انہوں نے کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو، اللہ کا دیا ہوا ثواب اس شخص کے لیے کہیں زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے)۔

عالم ظاہری اور عارف ربانی میں فرق: (۱)

شیخ احمد بن عجیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

- ''اَلْعَالِمُ دُوْنَ مَا يَقُوْلُ، وَالْعَارِفُ فَوقَ مَا يَقُوْلُ'' (عالم جو کہتا ہے اس سے کم درجے کا ہوتا ہے، عارف جو کہتا ہے اس سے اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے)۔
- ''اَلْعَالِمُ مَحْجُوبٌ وَالْعَارِفُ مَحْبُوبٌ'' (عالم معرفتِ الٰہی سے حجابات میں پڑا ہوتا ہے اور عارف اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہوتا ہے)۔
- ''اَلْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ الْيَمِيْنِ، وَالْعَارِفُ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ'' (عالم اہل یمین میں ہوتا ہے جو اعلیٰ درجے کے جنتی ہیں، لیکن عارف مقربین میں ہوتا ہے جو اہل یمین سے کئی گنا بڑھے ہوئے ہیں)۔
- ''اَلْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ الْبُرْهَانِ، وَالْعَارِفُ مِنْ أَهْلِ الْعِيَانِ'' (عالم دلیل کی بنیاد پہ بات کرتا ہے اور عارف مشاہدہ کی بنیاد پہ بات کرتا ہے)۔
- ''اَلْعَالِمُ مِنْ أَهْلِ قَوْلِهٖ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ وَالْعَارِفُ مِنْ أَهْلِ قَولِهٖ ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾'' (ایاک نعبد میں عالم کا تذکرہ ہے اور ایاک نستعین میں عارف کا تذکرہ ہے)۔
- ''اَلْعَالِمُ يَدُلُّكَ عَلَى مُحَافَظَةِ الصَّلَوَاتِ، وَالْعَارِفُ يَدُلُّكَ عَلَى ذِكْرِ اللّٰهِ مَعَ

الأَنفَاسِ وَاللَّحظَاتِ'' (عالم نماز کی پابندی کے بارے میں آپ کی رہنمائی کرتا ہے، جبکہ عارف ہر ہر سانس میں یادِ الٰہی کی رہنمائی کرتا ہے)۔

۞... ''اَلعَالِمُ یَدُلُّكَ عَلَى الأَسبَابِ، وَالعَارِفُ یَدُلُّكَ عَلَى مُسَبِّبِ الأَسبَابِ'' (عالم آپ کی اسباب کی طرف رہنمائی کرے گا، جبکہ عارف آپ کی رہنمائی مسبب الاسباب کی طرف کرے گا)۔

۞... ''اَلعَالِمُ یُحَذِّرُكَ مِنَ الشِّرْكِ الجَلِيِّ، وَالعَارِفُ یُخَلِّصُكَ مِنَ الشِّرْكِ الخَفِيِّ'' (عالم آپ کو شرکِ جلی سے ڈرائے گا، اور عارف آپ کو شرکِ خفی سے چھڑائے گا)۔

۞... ''اَلعَالِمُ یُعَرِّفُكَ بِأَحكَامِ اللهِ، وَالعَارِفُ یُعَرِّفُكَ بِذَاتِ اللهِ'' (عالم آپ کو احکامِ الٰہی کی پہچان کرائے گا اور عارف آپ کو ذاتِ الٰہی کی پہچان کرائے گا)۔

صوفیاء کرام کی وصیتیں: ⑴

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے: ''جَالِسِ العُلَمَاءَ وَ زَاحِمْهُمْ بِرُكْبَتَيْكَ، فَإِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ يُحْيِي القُلُوبَ بِنُورِ الحِكْمَةِ كَمَا يُحْيِي الأَرْضَ بِوَابِلِ السَّمَاءِ'' (علماء ربانیین کے پاس بیٹھا کرو، اپنے گھٹنے ان کے گھٹنوں کے برابر رکھو، گویا ادب سے بیٹھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نورِ حکمت سے دلوں سے زندہ فرماتے ہیں جیسے بارش سے زمین کو زندہ فرماتے ہیں)۔

مزید فرماتے ہیں کہ بعض حکماء کا قول ہے: ''إِذَا مَاتَ العَالِمُ بَكَاهُ الحُوتُ فِي المَاءِ وَ الطَّيْرُ فِي الهَوَاءِ وَ يَفْقِدُ وَجْهَهُ وَلَا يَنْسَى ذِكْرَهُ'' (جب ایک عالم فوت ہوتا ہے تو مچھلیاں اور پرندے رو پڑتے ہیں اور اس کے چہرے کو گم پاتے ہیں، لیکن اس کا تذکرہ نہیں بھولتے)۔

عالم باللہ کون ہوتا ہے؟

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلعَالِمُ باللہ هُو من يَكُونُ ذاكرًا خائفًا مُسْتَحْيِيًا... أَمَّا الذِّكْرُ، فَذِكْرُ القَلْبِ لَا ذِكْرُ اللِّسَانِ، وَأَمَّا الخوفُ فخوفُ الرِّياءِ لَا خَوفُ المَعْصِيَةِ، وَأَمَّا الحَيَاءُ فَحَيَاءُ مَا يَخْطِرُ عَلَى القَلْبِ لَا حَيَاءُ الظَّاهِرِ'' (عالم باللہ وہ ہوتا ہے جو ذکر کرنے والا ہو، ڈرنے والا ہو، حیا کرنے والا ہو۔ ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے، خوف سے مراد ریاکاری کا خوف ہے، نہ کہ معصیت کا خوف۔ اور حیا سے مراد قلب پر آنے والے خیالات سے حیا مراد ہے، نہ کہ فقط ظاہری حیا)۔

عالم ربانی کسے کہتے ہیں؟

۞......شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم ربانی وہ ہوتا ہے: ''هُوَ الَّذِيْ يَعْلَمُ وَ يَعْمَلُ وَ يُعَلِّمُ النَّاسَ الخَيْرَ'' (جو علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھلائی کی باتیں سکھاتا ہے)۔

۞......شیخ محمد ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عالم ربانی وہ ہوتا ہے: ''مَنْ أَلْحَقَ الْأَصَاغِرَ بِالْأَكَابِرِ'' (جو چھوٹوں پر محنت کر کے انہیں اکابر کا جانشین بنا دیتا ہے)۔

[موسوعۃ الکسنزان: تحت مادۃ: ع ل م]

﴿قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴿۶۶﴾﴾

موسیٰ نے ان سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ استفادہ:

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا

کہا اس کو موسیٰ نے: کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات ہوئی اور سلام دعا ہوگئی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آگے کا مدعا بیان کیا کہ کیا میں اس شرط کے ساتھ آپ کے ساتھ ہو جاؤں کہ آپ کو جو علم مفید عطا کیا گیا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھا دیں۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے وہ علم سیکھنے کے لیے اجازت مانگی۔

اتباع کی تعریف:

اتباع کہتے ہیں کہ بندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر شیخ کامل کے سپرد کر دے، اعتراض سے بچے۔ جیسے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ (اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں)۔

اپنے شیخ کی ظاہراً اتباع کرے اور باطناً بھی۔ ظاہراً اتباع یہ ہے کہ ان کی حرکات و سکنات، اخلاق و صفات کو اپنائے۔ اور باطناً اتباع یہ ہے کہ شیخ سے رابطۂ قلبی رکھے۔ اس کی برکت سے باطنی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات قرآن مجید میں نقل فرمائی گئی ہے: ﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ [ابراہیم:۳۶] (لہٰذا جو کوئی میری راہ پر چلے، وہ تو میرا ہے)۔

اتباع کی اقسام مع ثمرات:

شیخ اسماعیل حقی بروسوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتباع سات قسم کی ہوتی ہے، جس سے سات چیزیں پیدا ہوتی ہیں:

(۱)...نفس کی اتباع: اس سے ندامت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کے قتل کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ [المائدۃ:۳۰] (آخرکار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہوگیا)۔

(۲)...خواہشات کی اتباع: اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا ہوجاتی ہے۔ جیسے بلعم بن باعوراء کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ [الاعراف:۱۷۶] (اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لیے اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی)۔

(۳)...شہوات کی اتباع: اس سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [مریم:۵۹] (اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے۔ چنانچہ ان کی گمراہی بہت جلد ان کے سامنے آجائے گی)۔

(۴)...اتباع فرعون: جس سے دنیا میں غرق ہونا پیدا ہوا اور آخرت میں جلنا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشا فرمایا: ﴿اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ﴾ [ہود:۹۷،۹۸] (فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی۔ حالانکہ فرعون کی بات کوئی ٹھکانے کی بات نہیں تھی۔ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان

سب کو دوزخ میں لا اُتارے گا)۔

⑤ گمراہ رہنماؤں کی اتباع: اس سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾﴾ [البقرۃ: ۱۶۶، ۱۶۷] (جب وہ پیشوا جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے۔ اور جنہوں نے ان پیشواؤں کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش! ہمیں ایک مرتبہ پھر دنیا میں لوٹنے کا موقع دے دیا جائے تو ہم بھی ان پیشواؤں سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں دکھا دے گا کہ ان کے اعمال آج ان کے لیے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں اور اب وہ کسی صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں)۔

⑥...... نبی علیہ السلام کی اتباع: اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوبیت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [آل عمران: ۳۱] (اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)۔

⑦...... شیطان کی اتباع: اس سے بندہ جہنم میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾﴾ [الحجر: ۴۲، ۴۳] (یقین رکھو کہ جو میرے بندے ہیں، ان

پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے۔ اور جہنم ایسے تمام لوگوں کا طے شدہ ٹھکانا ہے)۔

سچی پیروی کی برکت :

شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مرید، اپنے شیخ کی ظاہراً اور باطناً پیروی کرے تو مرید اور شیخ یک جان دو قلب ہوجاتے ہیں، چاہے نسبی طور پر ایک دوسرے سے اجنبی ہوں، جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اہل فارس میں سے تھے، لیکن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی پیروی کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''سَلمانُ مِنَّا أهلَ البَيتِ'' [مستدرک الحاکم، رقم: ٦٥٤١] (سلمان ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ہے)۔

ملنے والوں سے راہ پیدا کر:

مشائخ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ معلوم نہ ہو، اسے چاہیے کہ وہ صالحین کے نقش قدم پر چلتا رہے، ان کی پیروی کی برکت سے اس کو بھی وصل نصیب ہوجائے گا۔ اس لیے کہ صالحین کی اتباع کی برکت نے اصحابِ کہف کے کتے کو اتنا نفع دیا کہ اس کا تذکرہ اللہ نے قرآن مجید میں فرمادیا۔

فوائد السلوک :

آیت بتارہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفضول کو فاضل پر برتری حاصل ہوسکتی ہے اگر مفضول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لیے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لیے کسر شان نہ سمجھے۔ آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا: سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو اللہ نے فرمایا: وہ شخص

سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کر لے۔ ممکن ہے کہ اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچالے یا سیدھا راستہ دکھادے۔

❂ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''الكلمة الحكمة ضالة المؤمن، فحيث وجدها فهو أحق بها'' [جامع ترمذی، رقم: ۲۶۸۷] (حکمت کی بات مومن کی گم شدہ امانت ہے، جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے، اسے چاہیے کہ فوراً لے لے)۔

❂ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے ساتھ رہنے کی درخواست کی تو خضر علیہ السلام نے کہا: علم کے لیے تورات کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل کی ہدایت کا مشغلہ کافی ہے، مزید علم وعمل کی آپ کو ضرورت نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس کلام میں ادب وتہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطورِ انکسار اپنے آپ کو بے علم قرار دیا اور خضر علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجیے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔

[تفسیر مظہری]

❂ .....﴿قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ﴾ اسلوبِ کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں خضر علیہ السلام کے ساتھ کس قدر تواضع وادب اور لطف کی رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ اس سے شاگرد اور مرید کو سبق حاصل کرنا چاہیے۔

❂ .....اصل کلام اس طرح ہونا چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''میں آپ کے پاس آپ کے ساتھ رہنے کے لیے آیا ہوں، تا کہ ساتھ رہ کر آپ سے کچھ علم حاصل کروں۔'' لیکن ادب وتہذیب کو پیشِ نظر رکھ کر طلب اجازت کے طور پر کلام کا رنگ بدلا اور سوالیہ طرز اختیار کیا۔ [تفسیر مظہری]

ایک نووارد صاحب نے حاضر ہوکر کسی معاملہ میں حضرت اقدس تھانوی سے سفارش کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ سفارش کے متعلق ایک تمہید سنئے۔ پھر فرمانے لگے:

خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ جا کر علم سیکھو۔ آپ خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے پوچھا: کون؟ فرمایا: موسیٰ۔ پھر پوچھا: کون موسیٰ؟ فرمایا: بنی اسرائیل کا موسیٰ۔ پوچھا: کیسے آئے؟ فرمایا: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ یعنی میں علوم سیکھنے کے لیے تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔

اتنے بڑے نبی اولوالعزم اور خضر علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، مجھے کچھ علوم سکھا دیجیے۔ یقینی بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے علوم کے سامنے خضر علیہ السلام کے علوم کیا چیز تھے، مگر خیر جو کچھ بھی تھے، ان کے سیکھنے کی درخواست کی۔

اب اس میں دیکھنا یہ ہے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس گفتگو میں یہ نہیں فرمایا کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں، یہ فرماتے تو اعلیٰ درجہ کی سفارش ہوتی۔ اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ آج کل جو سفارش لکھوا کر لے جاتے ہیں یا جا کر کسی کا نام لے دیتے ہیں بعض اوقات اس سے دوسرے پر بوجھ ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہی حقیقی علوم کے حامل ہیں۔

دیکھیے! یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے آیا ہوں، اگر ایسے کہتے تو پھر احتمال تھا کہ خضر علیہ السلام اس پر کسی قسم کی چوں چرا نہ کریں گے، یعنی ان کی آزادی نہ رہے گی۔ چنانچہ خضر علیہ السلام نے نہایت آزادی سے شرطیں لگا دیں۔

✪.... اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بغیر اجازت کے کسی کی صحبت سے استفادہ نہیں کرنا

چاہیے۔

نیز دوسرے کے پاس جا کر یہ نہ کہے کہ میں فلاں شخص کا بھیجا ہوا ہوں۔ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دفعۃً کوئی آ جائے تو اور بات ہے۔ اور جب ایک مرتبہ اجازت لینے کا سلسلہ شروع ہو جائے تو پھر بغیر اجازت کسی کو بھی نہیں آنا چاہیے۔ ویسے تو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دفعۃً بھی نہ آئے، اس لیے کہ اس میں جانبین کو لطف رہتا ہے اور یہ قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا ذی مرتبہ کون ہوگا! اور پھر اللہ تعالیٰ کی اجازت، بلکہ حکم ہے، پھر بھی حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جا کر کہتے ہیں: کیا اب مجھے ساتھ رہنے کی اجازت ہے؟ دیکھیے: حضرت موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے اولوالعزم نبی اور خضر علیہ السلام جن کی نبوت میں بھی کلام ہے، ان سے اجازت لیتے ہیں۔ یہ شیخ کا کتنا ادب ہے!

اور جب وہ شیخ ہے تو اس کی اتباع کرنی چاہیے۔ دیکھیے: انہوں نے شرط کیا لگائی کہ جو کچھ میں کروں، بولنا مت۔ کسی بھی نبی کے لیے یہ سب سے بڑی شرط ہے، مگر مان گئے۔ اور پھر جب غلطی ہوئی تو یہ بھی نہیں کہ ایسے ہی ہونا چاہیے، بلکہ کہنے لگے کہ میں بھول گیا، مجھ سے غلطی ہو گئی۔ یہاں تک تیسری بار تو کہہ دیا کہ اگر پھر ہوا تو ساتھ نہیں رہوں گا۔ کیا کیا ادب ہے شیخ کا!!!

دیکھیے: اگر کوئی علامہ ہے، فلسفی بھی ہے، ہر فن کے اندر کمال رکھتا ہے اور ایک بڑھئی کے پاس بخاری سیکھنے گیا تو اس وقت گردن جھکا ہی دے گا، کیونکہ اس فن میں تو وہ شیخ ہے۔ امام عاصم رحمہ اللہ قراءت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیخ ہیں۔ جب وہ بوڑھے ہو گئے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے پاس جاتے تھے اور کہتے تھے: ''يَا أَبَا حَنِيفَةَ! قَدْ جِئْتَنَا صَغِيرًا وَ قَدْ جِئْتُكَ كَبِيرًا'' اور بڑے ادب سے بیٹھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد کا

بھی اتنا ہی ادب کرنا چاہیے جتنا شیخ کا ادب کیا جاتا ہے، کیونکہ اس فن میں وہ شیخ ہیں۔
حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک صاحب سے فارسی پڑھتا تھا اور وہ مجھ سے عربی پڑھتے تھے۔ جب میں فارسی پڑھتا تھا تو ان کا ادب کرتا تھا اور جب وہ عربی پڑھتے تھے تو وہ میرا ادب کرتے تھے۔

.....اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو کمالات حاصل کرتا ہے ان میں علم سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم انبیاء کرام میں سے ہیں، حق تعالیٰ سے شرفِ ہم کلامی انہیں حاصل ہے، تورات جیسی عظیم کتاب ساتھ ہے، بنی اسرائیل جیسی قوم کی سیادت وقیادت ہاتھ میں ہے جو اس وقت روئے زمین پر علمی لحاظ سے سب سے ممتاز قوم تھی۔ ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود اس واقعہ میں علم کے طالب دکھائی دیتے ہیں۔

.....صرف علم ہی نہیں، بلکہ علم میں اضافہ بھی کاملین کا مطلوب رہا ہے، جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کردار سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاجدارِ ختم نبوت علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا گیا: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ: ۱۱۴]... اور حدیث شریف میں آتا ہے: ''مَنْهُومَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُومٌ فِي عِلْمٍ لَا يَشْبَعُ وَ مَنْهُومٌ فِي دُنْيَا لَا يَشْبَعُ'' [مستدرک الحاکم، رقم: ۳۱۲] (دو بندے سیر نہیں ہوتے: علم کا شیدائی علم سے سیر نہیں ہوتا اور دوسرا دنیا کا پجاری، دنیا سے سیر نہیں ہوتا)۔

.....صرف وہی علم حاصل کرنا چاہیے جو انسان کے رُشد وہدایت کا ذریعہ بنے، یعنی علوم دین وآخرت۔ فرمایا: ﴿عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ [الکہف: ۶۶] (اس غرض سے کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟)... علومِ ضارّہ کی تحصیل وطلب محمود نہیں۔ فرمایا: ﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾ [البقرۃ: ۱۰۲] (وہ ایسی باتیں

سیکھتے تھے جواُن کے لیے نقصان دِہ تھیں اور فائدہ مند نہ تھیں)۔

...... اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی علوم کو سیکھنے کے لیے شہروں کا رخ کرنا پڑتا ہے، جبکہ علم الحقائق کے حصول کے لیے جنگلوں، بیابانوں اور سواحل کی فضا زیادہ مناسب ہے اور اس کے لیے تخلیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت خضر علیہ السلام کی اقامت گاہوں سے یہ بات بالکل واضح ہے۔ انبیاء علیہم السلام عموماً شہری معاشرے میں مبعوث ہوئے ہیں، جبکہ صحراء نشینوں کے بارے میں فرمایا: ﴿وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ [التوبۃ: ۹۷] (اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کیے اللہ نے اپنے رسول پر)۔

...... بچپن میں علم کا حصول زیادہ مفید ہوتا ہے، لیکن اگر عمر زیادہ ہو جائے تو اس وقت بھی تعلیم حاصل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام چالیس سال عمر ہو جانے کے بھی کافی بعد حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم کے حصول کے لیے تشریف لے گئے... بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تَفَقَّهُوا قَبْلَ أَنْ تُسَوَّدُوا'' (علم سیکھو، سردار بننے سے پہلے)، ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وَ بَعْدَ أَنْ تُسَوَّدُوا'' (اور سردار بننے کے بعد بھی)، پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''وَ قَدْ تَعَلَّمَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِبَرِ سِنِّهِمْ'' (کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑی عمر کے باوجود علم حاصل کیا)۔ [باب الاغتباط فی العلم و الحکمۃ]

...... تعلّم (سیکھنا) کو تعلیم (سکھانا) پر ترجیح دینی چاہیے، اگر دونوں پر بیک وقت عمل ممکن نہ ہو، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے کو ترجیح دی بہ نسبت اس کے کہ بنی اسرائیل کو سکھائیں۔ چونکہ دونوں پر بیک وقت عمل کرنا ممکن نہیں تھا، اس لیے سیکھنے کو

ترجیح دی۔

❁ بہتر یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تعلم کا سلسلہ بھی ممکنہ حد تک جاری رہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کے ساتھ معاملہ فرمایا کہ ان کو سکھا بھی رہے تھے اور ساتھ خود بھی حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے کی کوشش فرما رہے تھے۔

❁ علم دین بلا معاوضہ سکھایا جائے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں)۔ اس میں کسی قسم کی اُجرت کی بات نہیں ہے۔

❁ طالب علم کو چاہیے کہ متواضع ہو، استاذ کے سامنے سراپا احتیاج بنے، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے بڑی عاجزانہ درخواست کی: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾﴾ (کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں)؟

❁ ... اور چاہیے کہ ادب شناس ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی درخواست استفہام کے پیرایہ میں پیش کی، پھر درخواست میں اپنے تابع بننے کا ذکر سب سے پہلے فرمایا اور پھر حضرت خضر علیہ السلام کو عالم و معلم ظاہر فرمایا۔ پھر ﴿مِمَّا عُلِّمْتَ﴾ کے ضمن میں ان کے سرمایۂ علم میں سے کچھ عطا فرمانے کی اپیل کی، جیسا کہ فقیر کسی تونگر سے اس کے کچھ مال کا سوال کرتا ہے۔

❁..... اپنے شیخ اور استاد سے علمی استفادہ کے علاوہ اور کسی فائدے کی خواہش نہ رکھے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾﴾ [الكهف: ٦٦]

شیخ اور استاذ کے دین دار ہونے کا یقین ہو تو پھر مشروط طور پر اسے اپنی اطاعت اور خدمت کی پیشکش کرے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟

- ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید اپنے شیخ کی کامل اتباع کرے، حتی کہ افکار، اقوال، اعمال میں اس کا عکس جمیل و مظہر اتم بننے کی کوشش کرے۔
- ﴿هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓي اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ (کیا میں آپ کے ساتھ اس غرض سے رہ سکتا ہوں کہ آپ کو بھلائی کا جو علم عطا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ مجھے بھی سکھا دیں؟) سے معلوم ہوتا ہے کہ درخواست ایسی جامع ہونی چاہیے کہ مرید اور شاگرد کی سچی طلب و تڑپ ظاہر کرے، شیخ کا ادب ظاہر کرے، درخواست کا مقصد واضح کرے اور قابل قبول ہونے کی وجہ اس سے ظاہر ہو اور اس جامعیت کے ساتھ پھر مختصر بھی ہو۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

- علم جو بھی ہو اس کی تحصیل بتدریج ہونی چاہیے، کیونکہ ﴿تُعَلِّمَنِ﴾ باب تفعیل سے ہے، اور باب تفعیل کی ایک خاصیت تدریج بھی ہے۔
- ایسے لب ولہجہ سے احتراز کیا جائے جس سے تکبر و تعلّی تو درکنار، استاذ کے ساتھ برابری کی بو آتی ہو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿عَلٰٓي اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾ اس آیت مبارکہ میں "مِمَّا" میں "مِنْ" تبعیضیہ ہے تو مطلب یہ بنے گا کہ حضرت شیخ! آپ اپنے علوم میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیجیے۔

﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

انہوں نے کہا: مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہتے ہوئے صبر نہیں کر سکیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام کی پہلی پیشگی معذرت:

قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾

بولا: تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کیوں کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ یہ اس لیے کہا کہ ان کو پتا تھا کہ جو کام اللہ کے حکم سے ہوتے تھے، ان کی جو حقیقت ہے، وہ مجھے تو پتہ ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تشریعی دیا گیا ہے، ان افعال کا علم نہیں دیا گیا، اس لیے جب ان کے سامنے ایسی بات ہوگی جس کا علم نہیں دیا گیا تو یہ خاموش نہیں رہیں گے، فوراً بولیں گے، پوچھیں گے اور یہ صبر نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ رہیں تو سہی، لیکن آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکیدی طور پر کی (اِنَّ اور لَن وغیرہ نفی میں زور پیدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کر دی، تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں سوء ادب اور گستاخی کا تصور بھی نہ ہو سکے۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق:

یہاں طبعی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی تصریح کے مطابق ان کو جو علم عطا ہوا تھا، اس کی نوعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سے مختلف تھی، مگر جبکہ یہ دونوں علم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئے تھے تو ان دونوں کے احکام میں تضاد و اختلاف کیوں ہوا؟

اس کی تحقیق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے جو لکھی ہے، وہ اقرب الی الصواب اور دل کو لگنے والی ہے۔ ان کی تقریر کا مطلب جو میں سمجھا ہوں، اس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں ان میں عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاحِ خلق کی خدمت ہوتی ہے، ان پر کتاب اور شریعت نازل کی جاتی ہے، جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول وقواعد ہوتے ہیں۔ جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح نبوت و رسالت آیا ہے وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشریعی اور اصلاحی خدمات تھیں، ان پر جو وحی آتی تھی وہ بھی سب اسی سے متعلق تھی، مگر دوسری طرف کچھ تکوینی خدمات بھی ہیں جن کے لیے عام طور پر اللہ کے فرشتے مقرر ہیں، البتہ زُمرۂ انبیاء علیہم السلام میں سے بھی اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات کو اسی قسم کی تکوینی خدمات کے لیے مخصوص کرلیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زُمرہ میں سے ہیں۔ تکوینی خدمات واقعاتِ جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں ڈوبنے والے شخص کو بچالیا جائے یا فلاں کو ہلاک کردیا جائے، فلاں کو ترقی دے دی جائے، فلاں کو زیر کیا جائے۔ ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ ہی ان کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعاتِ جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشریعی قانون کے خلاف ہے، مگر تکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشریعی قانون سے مستثنیٰ کرکے اس شخص کے لیے جائز کردیا گیا۔ جس کو اس تکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور

جو شخص تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ تضاد نظر آتا ہے وہ درحقیقت تضاد نہیں ہوتا۔ بعض واقعات جزئیہ کا عام قانونِ شریعت سے استثناء ہوتا ہے۔ ابوحیان نے ''بحر محیط'' میں فرمایا:
''الجمهورُ علی أنَّ الخضِرَ نبيٌّ وَ كانَ عِلمُهُ معرفةُ بواطن قد أُوحِيت إليه و علمُ موسَى الأحكامُ وَ الفُتيا بِالظَّاهِرِ'' [بحر محیط: ۶/ ۱۴۷، بحوالہ معارف القرآن] اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ استثناء بذریعہ وحی نبوت ہو، کسی ولی کا کشف والہام ایسا استثناء کرنے کے لیے ہرگز کافی نہیں۔

اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو بظاہر ناحق قتل کرنا ظاہر شریعت میں حرام تھا، لیکن حضرت خضر علیہ السلام تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر کے مامور کیے گئے تھے، ان پر کسی غیر نبی کے کشف والہام کو قیاس کر کے کسی حرام کو حلال سمجھنا جیسے بعض جاہل صوفیوں میں مشہور ہے، بالکل بے دینی اور اسلام سے بغاوت ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ نجدہ حروری (خارجی) نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ خضر علیہ السلام نے نابالغ لڑکے کو کیسے قتل کر دیا؟ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نابالغ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ اگر کسی بچے کے متعلق تمہیں وہ علم حاصل ہو جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے عالم (خضر علیہ السلام) کو حاصل ہوا تھا تو تمہارے لیے بھی نابالغ کا قتل جائز ہو جائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ خضر علیہ السلام کو تو بذریعہ وحی نبوت اس کا علم ہوا تھا، وہ اب کسی کو ہو نہیں سکتا، کیونکہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا جس کو بذریعہ وحی

اس قسم کے واقعات کے متعلق کسی حکم خداوندی سے کسی خاص شخص کو مستثنیٰ کرنے کا اظہار ہو سکے۔

اس واقعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کسی شخص کو کسی حکم شرعی سے مستثنیٰ قرار دینے کا نبی صاحب وحی کے سوا کسی کو حق نہیں۔

[معارف القرآن مفتی محمد شفیع: قصہ موسیٰ و خضر، سورۃ الکہف]

فوائد السلوک: ١

جرح و تعدیل میں دامن احتیاط ہاتھ سے نہ چھوٹے، ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے مطلق صبر کی نفی نہیں فرمائی کہ آپ بڑے بے صبرے بندے ہو سکتے ہیں، بلکہ ''معی'' کی قید لگا دی کہ آپ میرے ساتھ رہ کر بے صبر ہو جاؤ گے، کیونکہ آپ شریعت کے ظاہر کو دیکھتے ہوں گے اور میں شریعت کے باطن سے باخبر ہوں۔

﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝٦٨﴾

اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام کی دوسری پیشگی معذرت: ١

﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝٦٨﴾

اور کیسے ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا

خضر علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو بظاہر ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاء اُمور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز

کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

اصلاحِ عام اور ذاتی اصلاح کی تعلیمات:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاحِ عامہ کے لیے بھیجا جاتا ہے، ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے، اس لیے ان کی حکمت و مصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہیے بھی، لیکن جو انبیاء کسی اُمت کی اصلاح کے لیے مبعوث نہیں ہوتے، ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہِ راست درستگی ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی دعوت تھے، ان کے انکار اور خضر علیہ السلام کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر علیہ السلام کا عمل شریعتِ موسوی کے خلاف تھا، دونوں کا مسلک جدا جدا تھا، اتحادِ مسلک اور ترکِ اعتراض استفادہ کے لیے ضروری ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اسی لیے خضر علیہ السلام بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی، یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سودمند نہ ہوگی۔

[تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

فوائد السلوک:

✿ ..... صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے۔ خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلافِ مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کیے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کر دے۔ یعنی مرید پر اگر ظاہر شریعت کا غلبہ ہو اور خلافِ شرع بات دیکھ کر وہ روکنے ٹوکنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تو

پیر کو کامل العرفان سمجھنے کے باوجود اس کو پیر کی صحبت سے ہٹ جانا چاہیے۔[مظہری]

✿..... اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین اور ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں۔مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے۔ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ [النور:١٢] اگر صحیح تاویل ممکن ہی نہ ہو تو ان مقالات کو حالتِ سکر پر محمول کیا جائے۔فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہو جائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دے دے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں، ان کے اس غلبۂ حال کے مقالات کیسے قابلِ گرفت ہو سکتے ہیں۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں، ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔[مظہری]

✿..... ''غیر ضروری علوم'' کی تحصیل سے ''ضروری'' کی تدریس و تعلیم زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ تفسیر ''معالم التنزیل'' میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنا مدعیٰ رکھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''كَفٰى بِالتَّوْرَاةِ عِلْمًا وَ بِبَنِيْٓ إِسْرَائِيْلَ شُغْلًا'' [معالم التنزیل، تحت الآیۃ ٦٨ من سورۃ الکھف] (تورات کا علم اور بنی اسرائیل کی تربیت میں آپ کا لگے رہنا کافی ہے)۔

✿..... انکار خشک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ معقول عذر اور دلیل کے ساتھ ہو، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا: ''﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿٦٨﴾﴾ (مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔اور جن

باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں)؟

- اپنی فراست یا اور کسی ذریعہ سے مرید میں مانع استفادہ کوئی بات معلوم ہو تو اسے صاف صاف بتلا دیا جائے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے صاف صاف بات بتا دی تھی کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے۔ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں)؟
- استاذ مفید سمجھے تو طلبہ پر مناسب سختی کر سکتا ہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف دو چیزوں کی نسبت سختی کی: قلت صبر اور علم تکوینی سے بے خبری۔
- شیخ اور مرید میں مزاجی ہم آہنگی نہ ہو تو افادہ اور استفادہ بہت مشکل ہے۔

﴿قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا ۝٦٩﴾

موسیٰ نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے کا بیان: (۱)

قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرًا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرًا ۝٦٩

کہا: تُو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا، اس لیے اللہ کی مشیت کے ساتھ اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صابر رہنے کا وعدہ کیا، کیونکہ صحبت خضر علیہ السلام اسی وقت نتیجہ خیز

ہوسکتی تھی، جب موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے فعل پر اعتراض نہ کرتے۔ اور خضر علیہ السلام کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا، لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا، اس لیے کہ حضرت خضر علیہ السلام کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلافِ مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا۔ | دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف |

معصیت کیا ہے؟

معصیت کا لغوی معنی ہے: "مُخَالَفَةُ الْأَمْرِ وَالْخُرُوْجُ عَنِ الطَّاعَةِ" (حکم کی مخالفت کرنا اور فرمانبرداری کے دائرہ سے باہر نکل جانا)۔

۞..... شیخ احمد زروق فرماتے ہیں: "اَلْمَعْصِيَةُ هِيَ مُخَالَفَةُ أَمْرِ اللّٰهِ الْوَاجِبِ" (اللہ تعالیٰ کے واجب کردہ احکام کی خلاف ورزی کرنے کا نام معصیت ہے)۔

۞..... شیخ محمود ابوالشامات یشرطی فرماتے ہیں: "اَلْمَعْصِيَةُ هِيَ الغَفْلَةُ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی" (اللہ تعالیٰ کی ذات سے غافل ہوجانے کا نام معصیت ہے)۔

فوائد السلوک:

۞..... استاذ کی نشان دہی کے بعد اپنی کمزوری کو رفع کرنے کی کوشش اور عزم کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ (ان شاء! اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا)۔

۞..... استاذ کی سختی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتا رہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کرسکیں گے۔ اور جن باتوں کی آپ کو پوری پوری واقفیت نہیں ہے، ان پر آپ صبر کر بھی کیسے

سکتے ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

☜ خود اعتمادی کے بجائے خدا اعتمادی کا اظہار کرے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان شاء اللہ! آپ مجھے صابر پائیں گے۔

☜ ﴿سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ صَابِرٗا وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرٗا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرید کی کامیابی کے دو بڑے سبب ہیں: اول مستقل مزاجی، دوم فرمانبرداری۔ اس لیے کسی شیخ کی صحبت اختیار کرتے وقت ان دونوں چیزوں کو بجالانے کا پختہ عزم کرے، وگرنہ محرومی کا باعث ہوگا۔

☜ بھول چوک سے بندہ گنہگار نہیں ہوتا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَلَآ أَعۡصِي لَكَ أَمۡرٗا﴾ (اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا)... اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿لَا تُؤَاخِذۡنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ (مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے) یعنی بھول چوک پر میری پکڑ نہ فرمائیے، کیونکہ یہ کوئی گناہ تو نہیں ہوتا۔ اور حدیث پاک سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَ مَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ'' [سنن ابن ماجہ، رقم: ۲۰۴۵] (اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے خطا، نسیان اور جس پر کسی کو مجبور کیا جائے، معاف کر دیا ہے)۔

﴿قَالَ فَإِنِ ٱتَّبَعۡتَنِي فَلَا تَسۡـَٔلۡنِي عَن شَيۡءٍ حَتَّىٰٓ أُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرٗا﴾

انہوں نے کہا: اچھا! اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں۔

شرطِ استفادہ کا بیان:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

بولا: پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا ذکر

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداء اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں، آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔ کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہوجاتا ہے۔

فوائد السلوک:

۞.....﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کو مرید سے مناسب شرطیں لگانے کا حق ہے۔

۞.....متعلم کو چاہیے کہ طلب میں صادق ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ کے انکار کے باوجود ان کے ساتھ رہنے پر اصرار کر رہے تھے، حالانکہ شیخ انہیں کہہ بھی رہے تھے کہ یہ آپ کے بس کی بات نہیں۔

۞.....شیخ جب تعلیم میں مصروف ہو تو سوال وغیرہ کر کے دخل اندازی نہ کرے، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی تنبیہا فرما دیا تھا:﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓي اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ (اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز

کے بارے میں سوال نہ کریں)۔

⁂ «حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا» سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ شبہ و خلجان ہو تو شیخ کی طرف سے جواب و ازالے کے انتظار میں رہے۔

⁂ حلقہ ارادت میں شمولیت کے بعد شیخ محقق کی تفویض ضروری ہے، ورنہ محرومی ہوگی، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: «فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا» (اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو جب تک میں خود ہی آپ سے کسی بات کا تذکرہ شروع نہ کروں، آپ مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال نہ کریں)۔

⁂ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور استاذ کو حق ہے کہ طلبہ کو ضابطۂ تعلیم اور انتظامی عمل کا پابند بنائے اور داخلہ کو مشروط رکھے۔

⁂ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ استاذ اور شیخ، طلبہ اور مریدین کو بعض جائز اور مباح اُمور سے روک سکتا ہے، جو استفادہ میں خلل کا باعث ہوں۔

⁂ شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی مشتبہ قول و عمل کی مناسب موقع پر وضاحت اور توجیہ کرے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿حَتّٰى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا﴾ ...ایک اور جگہ فرمایا: ﴿سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ (اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا)۔

مفتی محمد حسن رحمہ اللہ کی بیعت کا واقعہ:

جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ جب دارالعلوم دیوبند سے پڑھ کر

فارغ ہوئے تو وہیں پڑھانے بھی لگ گئے، حتیٰ کہ کچھ ہی عرصے میں ان کو حدیث کے اسباق مل گئے۔ اب جو استاد دار العلوم دیوبند میں استاذ الحدیث ہوں، ان کا علمی مقام کیا ہوگا؟

ان کے دل میں بڑی چاہت تھی کہ میں حضرت تھانوی سے بیعت ہو جاؤں۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے کئی مرتبہ خطوط بھی لکھے۔ حضرت تھانوی ﷫ ہمیشہ جواب میں فرماتے کہ مفتی صاحب! بیعت میں اصل مقصد تو محبت اور عقیدت ہے، وہ آپ کو پہلے ہی حاصل ہے تو بیعت کرنا کوئی ضروری تو نہیں ہے، یہ کہہ کر ٹال دیتے۔ پھر خط لکھتے پھر ٹال دیتے۔ اِدھر سے اصرار اُدھر سے انکار۔ مفتی صاحب کے دل میں پھر یہی ولولہ اُٹھتا۔ اگر کبھی اظہار کرتے تو حضرت تھانوی ﷫ جواب میں یہی بات فرما دیتے۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں تھانہ بھون چلا گیا اور عزم کیا کہ اب میں نے حضرت سے بیعت ہوئے بغیر واپس نہیں جانا۔ میری چاہت تھی کہ روزِ قیامت حضرت کے خدام اور غلاموں کی فہرست میں میرا نام بھی شامل ہو۔ یہ سوچ کر میں وہاں پہنچا اور حضرت کی خدمت میں پیش ہو کر عرض کیا: حضرت! آپ مجھے بیعت فرمالیں۔ حضرت ﷫ نے وہی پرانا جواب دیا کہ مفتی صاحب! بیعت کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضرت! آج تو ضروری ہے، میں بھی دل میں تہیہ کر کے آیا ہوں کہ بیعت ہو کر جاؤں گا۔ جب حضرت اقدس تھانوی ﷫ نے بھی دیکھا کہ مفتی صاحب ڈٹ گئے ہیں تو فرمانے لگے: مفتی صاحب! بیعت ہونے کے لیے تین شرائط ہیں، آپ کو وہ پوری کرنی ہوں گی۔ مفتی صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آج کے دور میں اگر کسی مرید سے یہ کہا جائے کہ بیعت ہونے سے پہلے یہ شرائط ہیں تو وہ کہے گا: جی! یہ تو بڑے متکبر پیر ہیں، بیعت ہی نہیں کرتے۔ دیکھو جی! ہم گھر سے بیعت ہونے کے لیے چل کر آئے ہیں اور پیر صاحب نے آگے بیعت ہی نہ کیا۔ یہ بھی نہیں سوچیں گے کہ ہمیں تنبیہ ہوگی، ہمارا علاج ہوگا، ہمارے نفس کو دوا پلائی جائے گی۔ نہیں! بلکہ آج تو یہ حالت ہے کہ اوّل تو پیروں کے پاس آتے ہی نہیں اور جب بھی آتے ہیں تو پہلے آکر اپنے حالات بتاتے ہیں اور پھر ان کے جوابات کا مشورہ بھی دیتے ہیں، گویا یوں کہہ رہے ہوں کہ حضرت! میں آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مجھے یہ مشورہ دیں۔ خیر! یہ تو ایک ضمنی بات درمیان میں آگئی۔

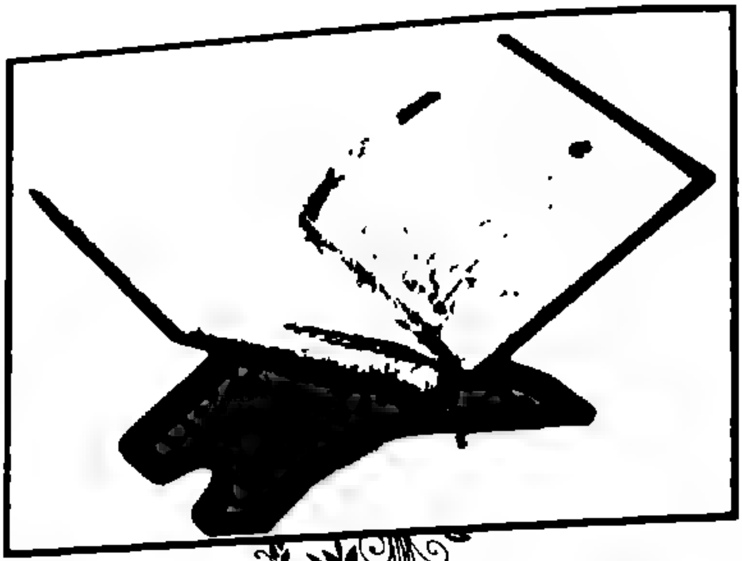
حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا: پہلی شرط تو یہ ہے کہ آپ چونکہ پنجابی زبان بولتے ہیں، عام طور پر اس زبان کے بولنے سے حروف کے مخارج بگڑ جاتے ہیں، جب تک سیکھے نہ جائیں، لہٰذا آپ کسی اچھے قاری سے تجوید وقراءت کا فن سیکھیں، حتیٰ کہ مسنون قراءت کے ساتھ آپ پانچوں نمازیں پڑھا سکیں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! میں حاضر ہوں۔

دوسری شرط کی تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ نے فلاں فلاں کتابیں ایک غیر مقلد عالم سے پڑھی ہیں اور غیر مقلدیت کے جراثیم آسانی کے ساتھ ذہن سے نہیں نکلتے۔ اب آپ یہ کتابیں دار العلوم میں طلبہ کے ساتھ بیٹھ کر اساتذہ سے پڑھیں...... اب دیکھیں! شرط کیا لگائی!! یہ بھی تو کہہ سکتے تھے کہ آپ تنہائی میں کسی سے پڑھ لیں، مگر نہیں! بلکہ فرمایا کہ جس دار العلوم میں آپ استاذ الحدیث ہیں، اسی دار العلوم کے طلبہ کے ہمراہ کلاس میں بیٹھ کر استاد سے اسی طرح پڑھیں، جس طرح طلبہ پڑھتے ہیں، تاکہ صحیح العقیدہ اساتذہ سے پڑھنے کی وجہ سے غیر مقلدیت کے اثرات زائل ہو جائیں...... میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔

پھر فرمایا کہ تیسری شرط یہ ہے کہ مجھے اجازت دیں کہ میں پردے میں آپ کی اہلیہ کو قسم دے کر آپ کی نجی زندگی کے بارے میں کچھ باتیں پوچھ سکوں۔ میں نے عرض کیا: حضرت! مجھے یہ بھی منظور ہے۔

مفتی صاحب نے جب یہ بات نقل کی تو فرمانے لگے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو تین شرطیں لگائی تھیں، اگر چوتھی شرط یہ بھی لگا دیتے کہ روزانہ دوپہر تک تم نے بیت الخلاء کی بدبودار اور گندی جگہ پر بیٹھنا ہے تو میں اس شرط کو بھی قبول کر لیتا، کیونکہ میں اپنے اندر کی بدبو سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔

اور جب مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے تمام شرائط پوری کر کے دکھا دیں تو اللہ رب العزت نے ان کے لیے نسبت کے راستے کو ہموار فرما دیا۔



تفسیر

دسواں رکوع

(آیات 71 تا 82)

رکوع نمبر 10:

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کے 8 مناظر میں سے بقیہ 4 منظر بیان کیے گئے ہیں:

پانچواں منظر...... حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو پھاڑنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس پر موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۱ تا ۷۳]

چھٹا منظر...... حضرت خضر علیہ السلام کا لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۴ تا ۷۶]

ساتواں منظر...... دونوں حضرات کا ایک یہودی بستی میں آنے کو بیان فرمایا گیا ہے کہ دونوں حضرات نے ان سے کھانا مانگا تھا، لیکن یہود نے اپنی کنجوسی کی وجہ سے انکار کر دیا۔ [آیت: ۷۷]

آٹھواں منظر...... حضرت خضر علیہ السلام کا بلا اُجرت ٹیڑھی دیوار کی مرمت کرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور پھر موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی نقل کیا گیا ہے۔ [آیت: ۷۷]

پھر حضرت خضر علیہ السلام کا گزشتہ واقعات کی حقیقت اشائی کو بیان کیا گیا ہے۔
| آیت: ۷۸ تا ۸۲ |

"فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا (۷۱)"

چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے تو ان صاحب نے کشتی میں چھید کر دیا۔ موسیٰ بولے: ارے! کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا، تاکہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟ یہ تو آپ نے بڑا خوفناک کام کیا۔

پانچواں منظر...... حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی کو پھاڑنا:

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَهَا

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا

یعنی ساحل پر کشتی پر سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیے۔ وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جو لوگ کشتی میں سوار تھے، انہوں نے کہا: "هٰؤُلَاءِ لُصُوصٌ" (یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو)، کشتی کے مالک نے کہا: "مَا هُمْ بِلُصُوصٍ وَ لٰكِنِّي أَرٰى وُجُوهَ الأَنْبِيَاءِ" (یہ لوگ چور نہیں ہیں، مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں)۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: "فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمْ، فَعَرَفُوا الخَضِرَ فَحَمَلُوهُمْ بِغَيْرِ نَوْلٍ" [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۵]

(ایک کشتی ان کی طرف سے گزری، موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کرلیا)۔

فوائد السلوک:

❁...﴿فَانْطَلَقَا﴾ سے معلوم ہو رہا ہے کہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ چلنے پھرنے سے بھی جاری رکھا جاسکتا ہے، ایک جگہ ٹھہرنا ضروری نہیں۔

❁...طالب علم چاہے جتنا بھی بڑا آدمی ہو، چاہے دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے، مخدوم بننے کی کوشش نہ کرے، بلکہ اپنے خادموں کو اپنے آپ سے الگ کر دے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، جیسے بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام کو رخصت کر دیا تھا، چنانچہ قرآن مجید کا اُسلوب بھی یہی بتا رہا ہے: ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰٓي إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ﴾ (چنانچہ دونوں روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے)...﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰٓي إِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ﴾ (وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اسے قتل کرڈالا)...﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰٓي إِذَآ أَتَيَآ أَهْلَ قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَآ أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا﴾ (چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی)... آگے قرآن مجید پڑھتے جایئے تو انداز سے پتہ چلے گا کہ دونوں حضرات کے ساتھ تیسرا کوئی نہیں تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ کسی حدیث سے متعلقہ اشکال کے لیے اپنے

ایک شاگرد کے پاس گئے تو دو زانو ہو کے بڑے ادب سے بیٹھ گئے۔ شاگرد نے فرمایا: حضرت شیخ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں تو آپ کا شاگرد ہوں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمیں اسی طرح ادب سکھایا گیا ہے کہ جب کسی سے کوئی مسئلہ پوچھنا ہو چاہے جو بھی ہو، اسی طرح ادب سے پیش ہونا پڑتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خادم کو بندہ کسی منزل پر پہنچ کر رخصت کر سکتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع علیہ السلام کو واپس بھیج دیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا اعتراض:

قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا

موسیٰ بولا: کیا تُو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبو دے اس کے لوگوں کو؟ البتہ تُو نے کی ایک چیز بھاری

وہ کشتی مسافروں کو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر لے کر جاتی تھی...... وہ جو مسافروں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لے کر جاتی تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی سمندر نہیں تھا، بلکہ ایک بڑا دریا تھا، کیونکہ دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر جا سکتے ہیں، سمندر میں کشتی نہیں جا سکتی۔

جب کشتی چلنے لگی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اس کشتی کے ٹکڑے کو اکھاڑ دیا۔ جب انہوں نے ایک ٹکڑے کو اکھاڑا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہو گئے کہ یہ کشتی ٹوٹ جائے گی اور پانی بھر جائے گا اور ہم سب کے سب ڈوب جائیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: کیا کشتی والوں کو ڈبونے کے لیے آپ نے کشتی کو پھاڑ دیا؟ انہوں نے تو ہم کو بلا کرایہ سوار کر لیا اور آپ نے کشتی کو توڑ دیا۔ اب پانی اندر آ جائے گا اور سب ڈوب جائیں گے، آپ نے یہ بڑی عجیب حرکت کی۔

امام بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''أَنَّ الْخَضِرَ أَخَذَ قَدَحًا مِنَ الزَّجَاجِ وَرَقَعَ بِهِ خَرْقَ السَّفِينَةِ''۞ (خضر علیہ السلام نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا، پیالہ سوراخ میں اڑ گیا اور پانی اندر نہ آسکا۔ جلال الدین محلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے، روایت میں آیا ہے: ''أَنَّ الْمَاءَ لَمْ يَدْخُلْهَا''۞ (کشتی کے اندر پانی نہیں آیا) چنانچہ یہ خضر علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

فوائد السلوک:

۞... ﴿خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا﴾ سے ثابت ہوا کہ بعض ایسے افعال جن کا ظاہر خلاف شریعت ہو اور واقع میں یہ خلاف شریعت نہیں ہوتے، اکابر سے صادر ہو سکتے ہیں۔

۞... اللہ تعالیٰ اس کائنات کا اکیلا خالق و مالک ہے اور اکیلا ہی بغیر اسباب کے اس کا نظام چلانے پر قدرت رکھتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس نظام کو چلانے کے لیے اسباب کے تحت ایک ترتیب بنائی۔ اس ترتیب کے تحت اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتوں کو تکوینی کاموں پر مامور فرمایا ہے۔ مثلاً بارش برسانا، بادل چلانا، ہوا چلانا، دریاؤں کی روانی قائم رکھنا وغیرہ۔ اسی طرح اپنے مقربین اولیاء میں سے بھی بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ کچھ تکوینی کاموں پر مامور فرماتے ہیں۔ ان کو ''اصحاب التکوین'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کو ''اصحاب الخدمت'' بھی کہا جاتا ہے۔ ''اصحاب التکوین'' کی سب سے واضح مثال حضرت خضر علیہ السلام کی ہے جن کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے جس میں وہ تکوینی امور سرانجام دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصحاب الخدمت کے بارے میں ایک واقعہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

۞..... [تفسیر معالم التنزیل: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

۞..... [تفسیر جلالین: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

صاحب نے صحیح بخاری کی شرح میں تحریر فرمایا ہے کہ ہمارے ہاں آرام باغ میں ایک مجذوب تھا جو دیوانگی کی حالت میں رہتا تھا۔ ایک مرتبہ 16 اکتوبر 1951 کو نو بجے کے وقت میرے بھائی مسجد میں گئے تو مسجد سنسان تھی، دیکھا کہ وہ پرجوش انداز میں تقریر کر رہا ہے اور لیاقت علی خان پر غصہ ہو رہا ہے کہ تو نے جو کیا وہ کیا، اب میری طرف سے تم سے سب کام سلب کر لیے گئے۔ اسی دن اس کو راولپنڈی میں گولی ماری گئی اور وہ شہید ہو گئے۔

☆ اسی طرح اورنگزیب عالمگیر کے حالات زندگی میں منقول ہے کہ جب ان کے اپنے بھائی دارا کے ساتھ سلطنت کے بارے میں اختلافات چل رہے تھے تو دارا کو کسی نے بتایا کہ وہاں ایک بزرگ ہیں، ان سے دعا کروائیں تو سلطنت آپ کو مل جائے گی۔ دارا اس بزرگ سے ملنے کے لیے گیا۔ بزرگ نے ملاقات کے بعد ان کو اپنے مسند پر بیٹھنے کی فرمائش کی، لیکن دارا نے ازراہِ ادب معذرت کر لی۔ بزرگ نے پھر فرمایا لیکن دارا نے انکار کیا۔ تھوڑی دیر بعد دارا نے کہا کہ حضرت! دعا فرمائیں کہ ہندوستان کا تخت مجھے مل جائے۔ تب بزرگ نے فرمایا کہ تخت تو میں آپ کو پیش کر رہا تھا، لیکن آپ نے قبول نہیں کیا۔ دارا محروم چلا گیا۔ ایک دو دن کے بعد اورنگزیب عالمگیر دعا کروانے کے لیے بزرگ کی خدمت میں پہنچے، ملاقات کے بعد بزرگ نے عالمگیر کو اپنے مسند پر بیٹھنے کا فرمایا۔ اورنگزیب عالمگیر فوراً بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد اورنگزیب نے تخت کے حصول کے لیے دعا کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ تخت تو میں نے آپ کو دے دیا۔ اورنگزیب نے کمال ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ تخت بغیر تاج کے بیکار ہے، تاج بھی دلوا دیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ تاج اس بندے کے پاس ہے جو آپ کا خادم ہے اور وضو کرواتا ہے۔ اورنگزیب فوراً وہاں سے گیا، اپنے خادم سے کہا کہ مجھے وضو کرواؤ۔ وضو سے پہلے اورنگزیب عالمگیر نے اپنی پگڑی اُتار کے رکھ دی۔ وضو کے بعد

خادم سے کہا کہ یہ پگڑی میرے سر پر رکھ دو۔ خادم نے معذرت کرلی کہ آپ کی پگڑی کو ہاتھ لگانا ادب کے خلاف ہے، لیکن اورنگزیب کا اصرار تھا۔ تب وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا کہ لگتا ہے آپ کو فلاں بزرگ نے سمجھایا ہے، پھر پگڑی اس کے سر پر رکھ دی۔ جس کے نتیجے میں ان کو تخت مل گیا اور تاج بھی۔

اگر شیخ کا کوئی ظاہری عمل شریعت کے خلاف ہو تو محقق عالم پورے ادب کے ساتھ اپنے فہم کے لیے عرض کرسکتا ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کشتی سے تختہ الگ کرنے کا منظر دیکھا تو کہہ دیا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا إِمْرًا ﴾ یہ تو آپ نے بظاہر بڑا نامناسب کام کیا ہے... اور جب بچے کا سر دھڑ سے الگ کرنے کا منظر دیکھا تو یوں فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴾ کہ آپ نے بظاہر بڑا نامعقول کام کیا ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شہید بالاکوٹ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خلیفہ سے فرمایا کہ بھئی! اگر مجھے کوئی خلاف شریعت کام کرتے دیکھو تو بتا دینا۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت! جس وقت آپ خلاف شریعت کام کرو گے تو یہ خلیفہ اس وقت آپ کے ساتھ ہوگا بھی نہیں، کب کا جا چکا ہوگا۔

کاملین کو ہمیشہ اپنی ذات کی نسبت دوسروں کے نفع و نقصان کی فکر زیادہ دامن گیر رہتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا﴾ (ارے! کیا آپ نے اس میں چھید کر دیا، تا کہ سارے کشتی والوں کو ڈبو ڈالیں؟) اپنے غرق ہونے کا ذکر صراحتاً نہ فرمایا۔

﴿قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴾

انہوں نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کرسکیں گے؟

پیشگی معذرت کی پہلی یاد دہانی: (۱)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (۷۲)

بولا: میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اے موسیٰ! میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ چل نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ شریعت کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ اور یہ بات میں نے آپ سے پہلے کہی تھی۔

فوائد السلوک: (۱)

- ..... اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر شیخ نے کوئی پیشگوئی کی ہو تو شیخ اس کے پورا ہونے پر یاد دہانی کرا سکتا ہے۔
- ..... کوتاہی پر شیخ تنبیہ کر سکتا ہے، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی تنبیہ کی: ﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (۷۲)﴾ (کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے؟)... دوسری تنبیہ کی: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (۷۵)﴾ (کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے)؟

﴿قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا (۷۳)﴾

موسیٰ نے کہا: مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنائیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہلی معذرت:

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿٧٣﴾

کہا: مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد یہ ہے کہ میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا، اس پر آپ میرا مؤاخذہ نہ کریں۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا، وَالْوُسْطَى شَرْطًا، وَالثَّالِثَةُ عَمْدًا'' [مسند الصحابۃ فی الکتب التسعۃ، مسند الزبیر بن العوام] (موسیٰ علیہ السلام کی پہلی حرکت از روئے نسیان تھی، دوسری حرکت بطورِ شرط اور تیسری حرکت قصداً)۔

اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے، یعنی تنگی اور مؤاخذہ کر کے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالیے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لیے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ میرے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کیجیے، آسانی کا سلوک کیجیے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

عجیب وغریب ہرن:

''قوت القلوب'' والے کہتے ہیں کہ اس دوران موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ اس لق ودق صحرا میں ہمارے کھانے پینے کا کیا انتظام ہوگا؟ اتنے میں انہوں نے دیکھا کہ ایک ہرن دوڑتا ہوا ان کی طرف آرہا ہے، آپ نے دل میں خیال کیا کہ اگر یہ ہرن شکار ہو جائے تو ہماری خوراک بن سکتا ہے، جب وہ ہرن قریب آیا تو موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ہرن ذبح شدہ ہے اور اس کا گوشت دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ

کہا ہے جبکہ دوسرا درست شدہ ہے۔ خضر علیہ السلام نے تلا ہوا گوشت اپنے سامنے رکھ دیا اور بچے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم خود اسے بھون کر خوراک بناؤ۔ مطلب یہ تھا کہ تمہیں اس سفر میں کھانے سے متعلق طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، جبکہ مجھے یہ حالت نہ ہوئی، مجھے تو اللہ نے بھونا ہوا گوشت بھیج دیا ہے اور تم خود اسے کھانے کے قابل بناؤ۔

[تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

فوائد السلوک:

❁ بظاہر خلافِ شرع کام شیخ سے دیکھنے میں آئے تو حتی الامکان تاویل سے کام لے اور جائز محامل پر حمل کرے، سوءِ ظن سے بچے۔ اگر تاویل سمجھ میں نہ آئے تو متکلم و متشابہ سمجھ جائے اور شیخ پر نقد و جرح سے احتراز کیا جائے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی توڑنے کے فعل پر، جو بظاہر خلافِ شرع تھا، اشکال کیا، لیکن پھر بھی عذر پیش کر کے ان کے ساتھ رہے اور صرف ایک بات کی وجہ سے الگ نہیں ہوئے۔

❁ ﴿لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ (مجھ سے جو بھول ہوگئی، اس پر میری گرفت نہ کیجیے، اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنایئے) سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیخ سے تسامح فرمانے کی درخواست کی جائے۔

❁ ﴿وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا﴾ (اور میرے کام کو زیادہ مشکل نہ بنایئے) سے معلوم ہوتا ہے کہ بھول چوک پر گرفت کرنا سخت گیری اور تشدد کے دائرے میں آتا ہے۔

﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾

"...دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی ملاقات ایک لڑکے سے ہوئی تو ان صاحب نے اسے قتل کر ڈالا۔ موسیٰ بول اٹھے: ارے کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان مار ڈالا، جبکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی، جس کا بدلہ اس سے لیا جائے؟ یہ تو آپ نے بہت ہی برا کام کیا۔"

چھٹا نکتہ: لڑکے کا قتل:

فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ

پھر دونوں چلے، یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا

آگے راستے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا۔ یہ پھر ایسا کام ہو گیا کہ جس کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حیران ہو گئے کہ یہ کیا کیا؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہر کام کو تشریعی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ شریعت تو ایسے کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لیے ان کا ایسے کاموں پر چونک پڑنا اور حیران ہو جانا ایک فطری چیز تھی۔

فوائد السلوک:

☆ "اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ إِلَّا بِالْیَقِیْنِ" (یقین، یقین ہی سے زائل ہوتا ہے)۔ یہ ایک شرعی قانون ہے، چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام کو تکوینی طور پر یقینی علم ہو چکا تھا کہ یہ بچہ یقیناً فسادی ہوگا، اس لیے قتل کر دیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر فساد کا یقین ہو تو کافر بوڑھا ہو، بچہ ہو یا عورت ہو تو انہیں قتل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا اعتراض:

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْــــًٔـا نُّكْرًا (۷۴)

موسیٰ بولا: کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری بغیر عوض کسی جان کے۔ بے شک تو نے کی ایک چیز نامعقول

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً بول پڑے: جی! آپ نے اس لڑکے کیوں مار دیا؟ یہ ابھی چھوٹا بچہ تھا، بالغ بھی نہیں ہوا تھا، شریعت کے اعتبار سے ابھی مکلف بھی نہیں تھا، بے گناہ بچہ تھا۔ آپ نے اسے جان سے مار کرنا مناسب کام کیا ہے۔

تزکیۂ نفس کا طریقہ:

تزکیۂ نفس سے ہی انسان دنیا میں اوصاف حمیدہ کا مستحق ہوتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب بھی اسی کی بدولت حاصل ہوگا۔ اور تزکیۂ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتی ہے۔

تزکیہ کی نسبت:

فعل تزکیہ کی نسبت تو انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے جیسے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (۹)﴾ [الشمس:۹] (فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے)۔

۞... اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اس کا فاعل ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ﴾ [النساء:۴۹] (حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔

۞... اور کبھی اس کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے

جن سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ [التوبہ:۱۰۳] (اس سے تم ان کو ظاہر میں بھی پاک اور باطن میں بھی پاکیزہ کرتے ہو)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ﴾ [البقرۃ:۱۵۱] (وہ پیغمبر تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور بذریعہ تعلیم اخلاقِ رذیلہ سے پاک کرتا ہے)۔

اور کبھی اس کی نسبت عبادت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ عبادت تزکیہ کے حاصل کرنے میں بمنزلۂ آلہ کے ہے۔ چنانچہ یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً﴾ [مریم:۱۳] (اور اپنی جناب سے رحمدلی اور پاکیزگی دی تھی)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ [مریم:۱۹] (تا کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں)۔ یعنی وہ فطرتاً پاکیزہ ہوگا اور فطرتی پاکیزگی بطریق اجتباء حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو عالم اور پاکیزہ اخلاق والا بنا دیتا ہے اور یہ پاکیزگی تعلیم وممارست سے نہیں، بلکہ محض توفیق الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اکثر انبیاء اور رسل کے ساتھ ہوا ہے۔ اور آیت کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ لڑکا آئندہ چل کر پاکیزہ اخلاق والا ہوگا، لہٰذا "زَكِيًّا" کا تعلق زمانۂ حال کے ساتھ نہیں، بلکہ استقبال کے ساتھ ہے۔

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

تزکیۂ نفس کی دو صورتیں:

① ایک تزکیہ بالفعل یعنی اچھے اعمال کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا، یہ طریقہ محمود ہے۔ چنانچہ آیت کریمہ: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ [الشمس:۹] اور آیت: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ [الاعلیٰ:۱۴] میں تزکیہ سے یہی مراد ہیں۔

❸ دوسرے تزکیہ بالقول ہے، جیسا کہ ایک ثقہ شخص دوسرے کے اچھے ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اگر انسان خود اپنے اچھا ہونے کا دعویٰ کرے اور خود ستائی سے کام لے تو یہ مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے تزکیہ سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ [النجم:۳۲] (لہٰذا تم اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ)۔ اور یہ نہی تادیبی ہے کیونکہ انسان کا اپنے منہ میاں مٹھو بننا، نہ تو عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک دانشمند سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی بات ہے جو باوجود حق ہونے کے زیب نہیں دیتی؟ تو اس نے جواب دیا: ''مَدْحُ الْإِنْسَانِ نَفْسَہٗ'' کہ خود ستائی کرنا۔ [مفردات القرآن للامام الراغب: تحت ہذہ الآیۃ]

تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب:

بعض صوفیاء مشائخ فرماتے ہیں کہ تصفیۂ قلب کی برکت سے تزکیۂ نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ تزکیۂ نفس پر ایک عمر طویل صَرف ہو جاتی ہے اور تصفیۂ قلب پر کچھ عرصہ صَرف ہو جاتا ہے۔ اور نبی علیہ السلام نے بھی فرمایا:

''أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ'' [صحیح بخاری، رقم:۵۲]

''انسان کے جسم میں گوشت کا لوتھڑا ہے، وہ ٹھیک ہو جاتا ہے تو پورا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہو جائے تو پورا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ دل ہے۔''

اس حدیث پاک سے معلوم ہو گیا کہ نفس دل کے تابع ہے۔ چنانچہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد ہی یہی حدیث ہے کہ اگر دل پر ''اللہ، اللہ، اللہ'' کی ضربیں لگائیں اور اسے ذکر کے نور سے مالا مال کر دیا جائے تو نفس پر طویل مجاہدات سے چھٹکارا مل

جاتا ہے اور نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔

فوائد السلوک:

از روئے شریعت نابالغ گناہوں سے پاک ہیں، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً﴾ (ارے! کیا آپ نے ایک پاکیزہ جان کو ہلاک کر دیا)۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ کا قتل ناجائز ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

... ''نُکر'' سے مراد وہ امر ہے جو شرعاً ناجائز ہو...... امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''نُکر'' کی بُرائی ''اِمر'' سے زیادہ ہوتی ہے، اسی لیے پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''اِمرًا'' فرمایا، کیونکہ کشتی کو توڑنے سے صرف لوگوں کے ڈوبنے کا خطرہ تھا اور دوسری مرتبہ ''نُکرًا'' فرمایا، کیونکہ حقیقت میں قتل کا صدور ہو چکا تھا...... بعض نے کہا کہ ''اِمر'' کا درجہ ''نُکر'' سے بڑھ کر ہے، کشتی توڑنے سے ایک جماعت کے ڈوبنے کا خطرہ تھا، اس لیے وہاں ''اِمرًا'' کہا اور دوسری بار صرف ایک شخص کا قتل تھا، اس لیے ''نُکرًا'' کہا۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾

انہوں نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کر سکیں گے؟

پیشگی معذرت کی دوسری یاددہانی:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا

بولا: میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

جس کا ڈر تھا، وہی ہو گیا۔ حضرت خضر علیہ السلام کہنے لگے کہ اے موسیٰ! میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ چل نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ شریعت سے ظاہر دیکھتے ہیں اور میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ اور یہ بات میں نے آپ سے پہلے کہی تھی۔

فوائد السلوک:

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ لگائی گئی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے، کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے شرط پوری نہ کرنے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ کی۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

دیکھیں! پہلے جو کہا تھا، اس وقت نرمی سے بات کی تھی۔ کہا تھا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ یعنی دو لفظ کہے تھے۔ زور تو دیا تھا، ان کو تنبیہ تو کی تھی، لیکن تنبیہ میں نرمی تھی۔ لیکن اب جب دوبارہ انہوں نے سوال پوچھا اور حضرت خضر علیہ السلام نے اب جو جواب دیا تو ذرا زیادہ تنبیہ کی۔ فرمایا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ﴾ یہاں ''لكَ'' کا لفظ ساتھ بڑھا دیا۔ یعنی ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے آپ کو نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ اس مرتبہ خضر علیہ السلام نے اپنے کلام میں ''لَكَ'' بڑھا دیا، تاکہ خطاب سے ترکِ معاہدہ پر عتاب کا اظہار پُرزور طریقے سے ہو جائے۔

﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾

موسیٰ بولے: اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دوسری معذرت:

قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي عُذْرًا﴿۷۶﴾

کہا: اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو مجھ کو ساتھ نہ رکھیو۔ تو اُتار چکا میری طرف سے الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ معاملہ اب مشکل ہو گیا ہے اس لیے انہوں نے جواب دیا: اچھا! اگر اب میں آپ سے سوال پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ ایک آخری چانس اور دے دیں۔ جیسے بندہ دوسرے سے کہتا ہے: جی! آپ ایک چانس اور دے دیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کہا: جی! آپ Last chance (آخری موقع) اور دے دیں۔ ہمارے ہاں محمد سرمد صبح سوتا ہے۔ اس کو سکول بھیجنے کے لیے جب اس کی ماں اس کو اٹھاتی ہے تو یہ جاگ کر کہتا ہے: امی! لاسٹ ٹائم، وَن ٹائم وَن ٹائم۔ یعنی پانچ منٹ مجھے اور سونے دیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کہہ دیا: جی! مجھے آپ ایک موقع اور دے دیں، اب اگر میں نے سوال کیا تو آپ مجھے اپنے سے الگ کر دینا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى مُوسَى، لَوْلَا أَنَّهُ عَجَّلَ لَرَأَى الْعَجَبَ، وَلٰكِنَّهُ أَخَذَتْهُ مِنْ صَاحِبِهِ ذَمَامَةٌ.'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰]

''ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو، اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے، لیکن ان کو اپنے ساتھی (خضر علیہ السلام) سے شرم آئی۔''

اور انہوں نے ﴿إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّي

عُذْرًا﴿۷۶﴾ فرمایا۔"

"عذر" کی تعریف واقسام:

حضرات نے عذر کی تعریف یوں کی ہے:

"اَلْعُذْرُ تَحَرِّی الإِنْسَانِ مَا یَمْحُو بِهٖ ذُنُوبَهٗ."

"'عذر' سے مراد ایسی کوشش ہے جس سے انسان اپنے گناہوں کو مٹا دینا چاہے۔"

عذر کی تین صورتیں ہیں:

① ..... "أَن یَقُوْلَ لَمْ أَفْعَلْ" (پہلی صورت یہ ہے کہ کسی جرم کے ارتکاب سے قطعاً انکار کردے)۔

② ..... "أَن یَقُوْلَ فَعَلْتُ لِأَجْلِ کَذَا" (دوم یہ کہ ارتکابِ جرم کی ایسی وجہ بیان کرے جس سے اس کی براءت ثابت ہوتی ہو)۔

③ ..... "أَن یَقُوْلَ فَعَلْتُ وَلَا أَعُودَ" (سوم یہ کہ اقرارِ جرم کے بعد آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرنے کا وعدہ کرلے)۔

عذر کی اس تیسری صورت کا نام "توبہ" ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ توبہ عذر کی ایک قسم ہے، لہٰذا ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں، مگر ہر عذر کو توبہ نہیں کہہ سکتے۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت ہذہ الآیۃ]

فوائد السلوک:

۞..... ﴿فَلَا تُصٰحِبْنِیْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور استاد پر "مُصاحِب"، مرید اور شاگرد پر "صاحِب" کا اطلاق کیا جائے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے "صاحب" کا لفظ استعمال کیا، چنانچہ فرمایا: ﴿إِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾[التوبۃ:۴۰]

عذر کے لیے تین مرتبہ ہونا کافی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیسری مرتبہ کہا تھا: ﴿اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ (اگر اب میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے۔ یقیناً آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ گئے ہیں)۔

﴿فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾

چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی، ان صاحب نے اسے کھڑا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اُجرت لے لیتے۔

ساتواں منظر......ایک بستی میں وُرود:

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

چنانچہ وہ دونوں پھر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا تو ان لوگوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک بستی والوں کے پاس سے گزرے تو اس وقت دونوں کو بھوک لگی ہوئی تھی تو انہوں نے بستی والوں سے بات کی کہ بھئی! اگر کھانے کی کوئی چیز ہے تو ہمیں دے دو۔ مگر بستی والے لوگوں نے جواب دے دیا کہ ہمارے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہم آپ کو دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی

مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ اب اس زمانے کے اعتبار سے یہ عجیب بات تھی کہ لوگ مہمان نوازی نہ کریں۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام حیران تھے کہ انہوں نے ہماری مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔

بستی اور بستی والے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بستی ''انطاکیہ'' تھی۔ ابن سیرین رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ''ایکہ'' تھی۔ کسی نے اس کا نام ''برقہ'' لکھا ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا، وہی مراد ہے۔

[دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے، دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے، ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا، لیکن انہوں نے نہیں دیا، حقِ مہمانی طلب کی تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شَرُّ الْقُرَى الَّتِي لَا تُضِيفُ الضَّيْفَ'' وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ لے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا، لیکن کسی نے نہیں دیا۔ آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دے دیا، اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (بددعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔ [حوالہ بالا]

حجاج بن یوسف کی غیرتِ ایمانی:

حجاج بن یوسف تاریخ کا ایک ظالم اور سفاک گورنر گزرا ہے۔ جیسا کیسا بھی تھا، مگر اس میں غیرتِ ایمانی تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّينَ

بِالرَّجُلِ الفَاجِرِ'' [صحیح بخاری، رقم:۳۰۶۲] (اللہ تعالیٰ کبھی کبھی فاسق وفاجر شخص سے بھی دین کا کام لے لیتا ہے)۔ چنانچہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف کے پاس یہودیوں کا ایک وفد آیا، وہ اس کو اسلام کا دشمن سمجھ رہے تھے، اس سے کہا کہ آپ ہمارا چھوٹا سا کام کردیں تو پوری یہودی امت پہ آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا، اور آپ وہ کام کرسکتے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے کہا: بتایئے۔ وہ کہنے لگے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ یہود کی ایک بستی والوں (جنہوں نے حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام کو کھانا نہیں دیا تھا) کے بارے میں فرمایا: ﴿فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا﴾ (یہود کی بستی والوں نے دو انبیاء کی مہمان نوازی سے انکار کیا)، آپ مہربانی فرمایئے کہ ''فَأَبَوْا'' میں ''باء'' کے نیچے والا نقطہ اوپر لے جائیں اور صرف ایک نقطہ اور بڑھادیں تو ہوجائے گا: ''فَأَتَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا'' کہ یہود کی بستی والوں نے انبیاء کی مہمان نوازی کی۔ اس نے کہا کہ میں ابھی تمہارا کام کردیتا ہوں۔ چنانچہ وہ گھر چلا گیا، تلوار لے آیا، سب کو قطار میں کھڑا کردیا اور کہنے لگا کہ تم مجھے اتنا گرا ہوا خیال کرتے ہو کہ مجھے خدا کے مقابلے میں لے آتے ہو!! اور مجھ سے یہ آخری سہارا ابھی چھیننا چاہتے ہو۔ اور سب کے سر قلم کردیے۔

فوائد السلوک: (۱)

۞...﴿اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ فوری ضرورت کے لیے سوال کرنا جائز ہے، خاص طور پر بندہ اگر مسافر ہو۔

۞...مکین کے شرف یا ذلت کا اثر مکان پر پڑتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا﴾ (یہاں تک کہ جب ایک بستی والوں کے پاس پہنچے تو اس کے باشندوں سے کھانا مانگا)۔ کنجوس یہودیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو ''قریة'' کہا اور عربی کلام میں ''قریة'' کے لفظ میں کوئی عظمت نہیں ہے، جبکہ آگے فرمایا:

"وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" (رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا)۔ نیک بندے کی نسبت اسی بستی کو "مدینة" کہا، کیونکہ "مدینة" کے لفظ میں عظمت ہے۔

مکان کو مکین سے ہے شرف اسدؔ
مجنون مر گیا جنگل اداس ہے

﴿أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾... ﴿لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ "شہر" پر "قریة" کا اطلاق ہوسکتا ہے۔

انفرادی غیبت کی طرح اجتماعی غیبت سے بھی گریز کیا جائے، یعنی کسی شخص کی غیبت کی طرح کسی متعین گروہ کی غیبت بھی مذموم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے بھی ﴿أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾ کا لفظ استعمال کیا اور ان مخصوص کنجوس لوگوں کو مخفی رکھا۔

شہر میں آمد محض برائے تفریح نہ ہو، بلکہ کوئی خاص مقصد ہونا چاہیے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ﴿أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ﴾ کہ بستی والوں کے پاس دونوں حضرات آئے... "أَتَيَا قَرْيَةً" نہیں فرمایا کہ بستی میں آئے۔

﴿اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا﴾ (بستی کے باشندوں سے کھانا مانگا) سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان، مہمان نوازی کا مطالبہ کرسکتا ہے، یہ سوال کے دائرے میں نہیں آتا۔

﴿فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کا اکرام کرنا حکمِ شرعی ہے اور اخلاقی فریضہ بھی... حدیث پاک میں آتا ہے: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ" [صحیح بخاری، رقم: ۲۰۱۸] (جو شخص اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کا اکرام کرے)۔

آٹھواں منظر ٹیڑھی دیوار کی مرمت کا واقعہ:

فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ

پھر پائی وہاں ایک دیوار جو گرنا چاہتی تھی، اس کو سیدھا کر دیا

وہاں پر ایک دیوار تھی جو بالکل گرنے کے قریب تھی۔ یعنی وہ ٹیڑھی ہو چکی تھی۔ اگر اس کو سیدھا نہ کیا جاتا تو وہ دیوار گر جاتی۔ وہ دیوار دو یتیم لڑکوں کی تھی۔ ان کا والد بڑا نیک بندہ تھا اور اس نے اس دیوار کے نیچے ان کے لیے خزانہ رکھا ہوا تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو وہ خزانہ ظاہر ہو جاتا۔ چونکہ وہ بچے چھوٹے تھے۔ اس لیے باقی لوگ اس پر قبضہ کر لیتے اور وہ بچے اس سے محروم ہو جاتے۔ اب وہ دیوار جو گرنے کے قریب تھی اس دیوار کو حضرت خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا۔

دیوار کی مرمت کا طریقہ کار:

۞ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قَالَ الخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ'' [صحیح بخاری، رقم:۱۲۲] (خضر علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے دیوار کو سیدھا کر دیا)۔

۞... حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مَسَحَ الجِدَارَ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ'' (دیوار کو ہاتھ لگا دیا تو وہ فوراً سیدھی ہو گئی)۔

۞... ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے: ''هَدَمَهُ ثُمَّ قَعَدَ يَبْنِيهِ'' (خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو گرا کر دوبارہ بنا دیا)۔

۞ سدی نے کہا: ''بَلَّ طِينًا وَ جَعَلَ يَبْنِي الحَائِطَ'' (گارا بنایا اور پھر دیوار کو بنانا شروع کیا)۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

طلباء کے لیے علمی نکات:

سوال: فرمان الٰہی "یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ" (دیوار گرنا چاہ رہی تھی) میں "چاہنے" کو دیوار کی طرف کیوں منسوب کیا گیا؟ حالانکہ چاہنا، ارادہ کرنا تو ذی روح کا فعل ہے نہ کہ بے جان کا۔

جواب: دیوار کی طرف ارادے کی نسبت مجازاً ہے، جبکہ بالکل آخری حالت میں دیکھا گویا آپ گر رہی ہے تو گویا وہ گرنا چاہتی ہے۔ اہل عرب عقلاء کے افعال کو مالا یعقل کی طرف بطور مجاز منسوب کیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر کا شعر ہے:

یُرِیْدُ الرُّمْحُ صَدْرَ أَبِی بَرَاءٍ
وَیَعْدِلُ عَنْ دِمَاءِ بَنِیْ عَقِیْلٍ

"نیزہ ابو براء کے سینے میں لگنا چاہتا ہے اور بنو عقیل کے خون سے اعراض کرتا ہے۔"

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۷]

فوائد السلوک:

۞...﴿فَاَقَامَهٗ﴾ (تو اس کو سیدھا کر دیا)... بخاری شریف میں ہے: سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے یوں دیوار کو سیدھا کیا۔ چنانچہ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "حَسِبْتُ أَنَّ سَعِيدًا قَالَ: فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ" [صحیح بخاری، تحت حدیث: ۴۷۲۶] (میرا خیال یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار پہ ہاتھ پھیرا تو وہ سیدھی ہو گئی)۔ اس سے معجزات کا ثبوت حاصل ہو رہا ہے، اور جن حضرات کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے، ان کے نزدیک کرامات کا ثبوت ہوگا۔

◆ ﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُّرِيدُ أَنْ يَّنْقَضَّ فَأَقَامَهٗ﴾ (پھر انہیں وہاں ایک دیوار ملی جو گرنا ہی چاہتی تھی، ان صاحب نے اسے کھڑا کر دیا) سے معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت آنے سے پہلے مصیبت کا تدارک ہونا چاہیے، یہی کاملین کی شان ہے۔

◆... اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمارت اگر گرنے کے قریب ہو تو فوراً اس کی درستگی کر دی جائے۔

◆... یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت مکان کی تعمیر مستحسن ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تیسرا اعتراض:

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴿٧٧﴾

بولا موسیٰ: اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری

جب دیوار کو سیدھا کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر یہ بات عجیب لگی کہ ان بستی والوں کا رویہ ہمارے ساتھ یہ تھا کہ انہوں نے مہمان نوازی بھی نہ کی، ہمیں کھانے کو بھی کچھ نہ دیا اور ہم اُلٹا ان کی Faver (فیور) کر رہے ہیں، ان کی دیوار کو سیدھا کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال پوچھ لیا۔ اگر آپ چاہتے تو آپ ان سے اس دیوار کی مزدوری بھی مانگ سکتے تھے۔ یعنی انہوں نے تو مہمان نوازی نہیں کی، مگر ہم نے تو ان کی دیوار سیدھی کی ہے، تو دیوار سیدھی کرنے پر ہم ان سے اجرت بھی مانگ سکتے تھے، اس لیے ہم ان سے اجرت ہی مانگ لیتے۔

فوائد السلوک:

◆... ﴿لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ سے معلوم ہوا کہ اکتساب معیشت اور اس کے اسباب کا اختیار کرنا کمال کے منافی نہیں۔

✿ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ (اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتے)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقدروں کے ساتھ حد سے زیادہ بھلائی کرنا پسندیدہ نہیں ہے، جیسے بستی والوں نے دونوں انبیاء حضرات کو کھانا تک نہیں کھلایا۔ اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ آپ نے خواہ مخواہ ان کی ٹیڑھی دیوار سیدھی کی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بظاہر یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ دیوار اور گھر بھی کسی کنجوس، بخیل اور ناقدرے یہودی کا گھر ہوگا۔ وہ اپنی بات میں سچے تھے، جبکہ حضرت خضر علیہ السلام کو حقیقت حال معلوم تھی کہ یہ تو یتیم بچوں کی دیوار ہے جن کے والد صاحب نیک آدمی تھے۔ تو وہ بھی اُجرت نہ لینے میں حق بجانب تھے۔

✿ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محنت و مزدوری کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، نیز اپنی محنت کی اُجرت لینا، نبوت و ولایت کے منافی نہیں۔

✿ حضرت خضر علیہ السلام کا اُجرت نہ لینا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کمزوروں، غریبوں کا کام بلا اُجرت کرنا اچھی بات ہے۔

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٧٨﴾﴾

انہوں نے کہا: لیجیے! میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا مقصد بتائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا۔

وقتِ جدائی:

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ

کہا: اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ

یعنی اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے، لہٰذا حسبِ وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہوجایئے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

؎ نہ تُو نے بےوفائی کی، نہ میں نے بےوفائی کی
آنسو کیوں بہاتے ہو، مقدر میں جدائی تھی

قرآن میں لفظ ''فراق'' کا 8 مقامات پر استعمال:

قرآن میں لفظ ''فراق'' 8 مختلف معانی کے لیے استعمال ہوا ہے:

(1)...طلاق کے ذریعے مرد و عورت کی جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ [الطلاق:۲]

(2)...کفار کا دین کو ٹکڑے کر دینا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾ [الانعام:۱۵۹]

(3)...حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ﴾ [الکہف:۷۸]

(4)...موت کے ذریعے کسی کا دنیا کو چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾﴾ [القیامہ:۲۸]

(5)...حق کی باطل سے جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ﴿۴﴾﴾ [المرسلات:۴]

(6)...طالب علم کی وطن سے جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ﴾ [التوبہ:۱۲۲]

(7)...موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے بارگاہِ الٰہی میں درخواست کے ذریعے جدائی۔ اللہ تعالیٰ

ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [المائدۃ: ۲۵]

⑧ ... مومنین اور کفار کے درمیان جدائی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [التوبۃ: ۱۰۷]

[بصائر ذوی التمییز: ۴/ ۱۸۸، ۱۸۹]

فوائد السلوک: ۱

... ﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ﴾ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب مرید سے خلاف و نزاع بار بار ظاہر ہونے لگے اور مرشد کو اس سے مناسبت و موافقت کی امید باقی نہ رہے تو اسے جدا کر دینا درست ہے۔

... حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس وقت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَ بَيْنِكَ'' ایسے اولوالعزم پیغمبر یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا تھا، محض عدمِ مناسبت کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ کر دیا۔

... ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ پر تنقید، علم یا اس کی برکت سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے، جب موسیٰ علیہ السلام نے بار بار اشکالات اُٹھائے تو حضرت خضر علیہ السلام کو کہنا پڑا کہ میری اور آپ کی جدائی کا وقت آچکا ہے۔ بخاری شریف میں ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى، لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا'' [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۲] (اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، ہم تو چاہتے ہیں کہ اگر وہ ضبط سے کام لے لیتے تو ہم پر دونوں کی بہت ساری میں کھل جاتیں)... مسلم شریف میں بھی ہے: ''لَوْ صَبَرَ لَرَأَى الْعَجَبَ'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰] (اگر موسیٰ علیہ السلام ایسے موقع پہ ضبط سے کام لے لیتے تو بڑے عجائبات کا مشاہدہ کر لیتے)۔

گزشتہ واقعات کی حقیقت کشائی کا بیان:

سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

اب جتائے دیتا ہوں تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا

اب میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاؤں گا جن پر تم صبر نہ کر سکے، کیونکہ بظاہر وہ خلاف شریعت نظر آتی تھیں حالانکہ واقعہ میں مآل اور انجام کے لحاظ سے وہ بُری اور غلط نہ تھیں۔

بعض تفاسیر میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کا دامن پکڑ لیا اور کہا: ''أخبرني بمعنى ما عملت قبل أن تفارقني''○ (ان واقعات کا جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے، جدا ہونے سے پہلے مجھے بھی بتایئے)، اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے ان کو تفصیل بتانا شروع کی۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحتیں:

حضرت خضر علیہ السلام نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہونے کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا: ''یا موسیٰ! تعلم العلم لتعمل به، ولا تعلمه لتحدث به'' (اے موسیٰ! علم حاصل کرو، اس پر عمل کرنے کے لیے اور لوگوں سے بحث کرنے کے لیے علم حاصل نہ کرو)۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے فرمایا: ''أدع لي'' (میرے لیے دعا کیجیے)۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''یسر الله علیك طاعته'' (اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنی اطاعت آسان فرمادیں)۔ [درمنثور]

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام

○......[تفسیر معالم التنزیل: تحت هذه الآیة من سورة الکهف]

سے فرمایا: "یا موسیٰ انزع عن اللجاجة ولا تمش في غير حاجة ولا تضحك من غير عجب والزم بيتك وابك على خطيئتك" (اے موسیٰ! لجاجت سے دور رہو اور بغیر ضرورت کے نہ چلو اور بغیر عجب کے نہ ہنسو اور اپنے گھر کو لازم پکڑو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو)۔

موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے جدائی کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: "كُنْ نَفَّاعًا وَلَا تَكُنْ ضَرَّارًا، كُنْ بَشَّاشًا وَلَا تَكُنْ غَضْبَانًا. اِرْجِعْ عَنِ اللَّجَاجَةِ وَلَا تَمْشِ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ وَلَا تُعَيِّرِ امْرأً بِخَطِيئَتِهِ وَابْكِ عَلَى خَطِيئَتِكَ يَا ابْنَ عِمْرَانَ!" (نفع بخش بن جا، تکلیف دینے والا نہ بن۔ خوش رہو اور غصہ مت کرو۔ لجاجت سے پھر جاؤ اور بغیر ضرورت کے مت چلو، کسی شخص کو اس کی غلطی پر عار نہ دلاؤ اور اپنے گناہوں پر رویا کرو اے عمران کے بیٹے!)۔

خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "يَا مُوسَى! إِنَّ النَّاسَ يُعَذَّبُونَ فِي الدُّنْيَا عَلَى قَدْرِ هُمُومِهِمْ بِهَا" (اے موسیٰ! لوگوں کو دنیا میں اپنے ارادوں کے مطابق عذاب دیے جاتے ہیں)۔

...ابن ابی حاتم نے بقیہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا کہ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے سنا کہ آخری کلمہ جس کے ذریعہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو جدا ہوتے وقت وصیت فرمائی، وہ یہ تھا: "إِيَّاكَ أَنْ تُعَيِّرَ مُسِيئًا بِإِسَاءَتِهِ فَتُبْتَلَى" (کسی گنہگار کو اس کے گناہوں کے ساتھ عار دلانے سے بچو، ورنہ آپ خود ان گناہوں میں مبتلا ہو جائیں گے)۔ [درمنثور]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں طواف کر رہا تھا، اچانک ایک آدمی کعبے کے

پردے سے لپٹ کر یہ کہہ رہا تھا:

''يَا مَنْ لَا يَشْغَلُهُ سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ، وَ يَا مَنْ لا تُغلطُهُ المَسَائِلُ، و يَا مَنْ لَا يَتَبَرَّمُ بِإِلْحَاحِ الْمُلِحِّيْنَ، أَذِقْنِي بَرْدَ عَفْوِكَ وَ حَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ''

''اے وہ ذات جس کو کوئی آواز دوسری آواز سے مشغول نہیں کرتی، اے وہ ذات کہ حاجت مندوں کی حاجات جس کو مغالطہ میں نہیں ڈالتیں، اے وہ ذات جو بار بار مانگنے والوں کے مانگنے سے تنگ نہیں ہوتی، مجھے اپنے عفو کی ٹھنڈک اور اپنی رحمت کی مٹھاس چکھادے۔''

میں نے کہا:

''يَاعَبْدَ اللهِ! أَعِدِ الْكَلَامَ'' ''اے اللہ کے بندے! یہی بات دوبارہ کہو۔''

اس نے کہا:

''وَ سَمِعْتَهُ؟'' ''کیا تونے سن لیا؟''

میں نے کہا:

''نَعَمْ'' جی ہاں! میں نے سن لیا ہے۔

اس نے کہا:

''وَالَّذِيْ نَفْسُ الْخَضِرِ بِيَدِهٖ - وَكَانَ هُوَ الْخَضِرُ - لَا يَقُوْلُهُنَّ عَبْدٌ دُبُرَ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ إِلَّا غُفِرَتْ ذُنُوْبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ وَعَدَدِ الْمَطَرِ وَوَرَقِ الشَّجَرِ.'' [درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکھف]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خضر کی جان ہے (اور وہ خضر علیہ السلام تھے) کوئی بندہ فرض نماز کے بعد ان کلمات کو کہے گا تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، اگر چہ

گناہ جھاگ، میدان کی ریت کی طرح ہوں اور بارش کے قطروں کی تعداد اور درخت کے پتوں کی تعداد کے برابر ہوں۔"

خضر علیہ السلام کی سخاوت کا واقعہ:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: کیا میں تم کو خضر علیہ السلام کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا: ضرور بتایئے یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بینما هو ذات یوم یمشي في سوق بني إسرائیل، أبصره رجل مكاتب، فقال: تصدَّقْ عليَّ بارَكَ اللهُ فيكَ"

"ایک دن وہ بنی اسرائیل کے بازار میں چل رہے تھے کہ ایک مسکین مکاتب آدمی نے ان کو دیکھ لیا اور کہا کہ مجھ پر صدقہ کیجیے، اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت دے۔"

خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"آمَنْتُ بِاللهِ مَا شَاءَ اللهُ مِنْ أَمْرٍ يَكُونُ مَا عِنْدِي شَيْءٌ أُعْطِيكَهُ"

"میں اللہ پر ایمان لایا جو امر اللہ چاہتا ہے ہو جاتا ہے میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ میں تجھ کو دے دوں۔"

مسکین نے کہا:

"أَسْأَلُكَ بِوَجْهِ اللهِ لِمَ تَصَدَّقْتَ عَلَيَّ؟ فَإِنِّي نَظَرْتُ السِّيمَاءَ فِي وَجْهِكَ، وَرَجَوْتُ الْبَرَكَةَ عِنْدَكَ"

"میں تجھ سے اللہ کے واسطے کے ساتھ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ پر صدقہ کریں کیونکہ فیاضی اور سخاوت کو میں تیرے چہرے پر دیکھ رہا ہوں اور میں نے تیرے پاس برکت

کو پایا ہے۔''

خضر علیہ السلام نے فرمایا:

''آمَنْتُ بِاللّٰهِ مَا عِنْدِي شَيْءٌ أُعْطِيكَهُ إِلَّا أَنْ تَأْخُذَنِي فَتَبِيعَنِي''

''میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی چیز نہیں جو میں تجھ کو دوں مگر یہ کہ مجھے لے جا کر بیچ دے۔''

مسکین نے کہا:

''وَهَلْ يَسْتَقِيمُ هٰذَا؟''

''کیا اس کی قیمت لگائی جائے گی؟''

فرمایا:

''نَعَمِ الْحَقَّ أَقُولُ، نَعَمِ الْحَقَّ أَقُولُ، لَقَدْ سَأَلْتَنِي بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، أَمَا إِنِّي لَا أُخَيِّبُكَ بِوَجْهِ رَبِّي، بِعْنِي''

''ہاں! میں سچ کہتا ہوں اور تو نے مجھ سے ایک بڑے کام کا سوال کیا ہے میں تجھ کو اپنے رب تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ناامید نہیں کروں گا۔''

وہ ان کو بازار کی طرف لے گیا اور چار سو درھم میں بیچ دیا اور خریدار کے پاس رہے ایک زمانے تک اور وہ ان سے کوئی کام نہ لیتا تھا۔

خضر علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

''إِنَّكَ إِنَّمَا ابْتَعْتَنِي الْتِمَاسَ خَيْرٍ عِنْدِي، فَأَوْصِنِي بِعَمَلٍ''

''تو نے مجھے خیر کو تلاش کرتے ہوئے خریدا ہے، مجھے کسی کام کا حکم کر۔''

اس نے کہا:

[illegible]

"میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں تجھ پر مشقت ڈالوں تو بڑی عمر کا ضعیف آدمی ہے۔"

خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"لَنْ يَشُقَّ عَلَيَّ" "مجھ پر کوئی مشقت نہیں۔"

اس نے کہا:

"قُمْ فَانْقُلْ هٰذِهِ الْحِجَارَةَ"

"کھڑے ہو جایئے اور یہ پتھر منتقل کیجیے۔"

وہ پتھر اتنے زیادہ تھے کہ اس کو ایک دن میں چھ آدمی بھی منتقل نہیں کر سکتے تھے، وہ آدمی اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلا پھر وہ لوٹ آیا تو وہ تمام پتھر منتقل ہو چکے تھے۔ اس نے کہا:

"أَحْسَنْتَ وَأَجْمَلْتَ، وَأَطَقْتَ مَا لَمْ أَرَكَ تُطِيقُهُ"

"تُو نے بہت اچھا کام کیا، تُو بہت طاقتور ہے، میں تجھے ایسا طاقتور نہ سمجھتا تھا۔"

پھر اس آدمی کو ایک سفر پیش آ گیا تو اس نے کہا کہ میں تجھے اپنے اہل وعیال کے بارے میں امانتدار خیال کرتا ہوں، میرے بعد تُو میرا خلیفہ ہے، ان کے ساتھ اچھائی کرنا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: مجھے کسی کام کا حکم کر۔ اس نے کہا: میں تجھ کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا: مجھ پر کوئی مشقت نہیں۔ اس نے کہا:

"فَاضْرِبْ مِنَ اللَّبِنِ لِبَيْتِي حَتّٰى أَقْدَمَ عَلَيْكَ"

"میری عمارت کے لیے اینٹیں بنا تا رہ، یہاں تک کہ میں تیرے پاس واپس آ جاؤں۔"

آدمی اپنے سفر کے لیے روانہ ہوگیا، جب لوٹا تو آپ تعمیر مکمل کر چکے تھے۔ اس شخص نے کہا:

''أَسأَلُكَ بِوَجْهِ اللهِ مَا سَبِيلُكَ، وَمَا أَمْرُكَ؟''

''میں تجھ سے اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، تیرا راستہ کیا ہے؟ تیرا معاملہ کیا ہے؟''

خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تُو نے مجھ سے اللہ کا واسطہ دے کر سوال کیا ہے اور اسی خدا کے واسطے نے مجھے غلامی میں ڈالا تھا۔ میں خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہے، مجھ سے ایک مسکین نے صدقے کا سوال کیا تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہیں تھی جو میں اس کو دیتا، اس نے مجھے خدا کا واسطہ دیا، میں نے اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا تو اسی نے مجھے بیچ دیا، میں تجھے بتاتا ہوں:

''مَنْ سُئِلَ بِوَجْهِ اللهِ، فَرَدَّ سَائِلَهُ وَهُوَ يَقْدِرُ وَقَفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جِلْدُهُ وَلَا لَحْمَ لَهُ وَلَا عَظْمَ يَتَقَعْقَعُ''

''جس سے خدا کے واسطہ سے مانگا گیا اور اس نے سائل کو رد کر دیا، حالانکہ وہ دینے پر قادر تھا تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑا ہوگا کہ اس کی نہ کھال ہوگی، نہ گوشت ہوگا اور نہ ہڈی ہوگی، تاکہ وہ وہاں ٹھہرا رہے۔''

اس آدمی نے کہا: میں اللہ پر ایمان لایا۔ اے اللہ کے نبی! میں نے آپ پر مشقت ڈالی اور میں نہیں جانتا تھا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا:

''لَا بَأْسَ، أَحْسَنْتَ وَأَبْقَيْتَ''

''کچھ حرج نہیں، تُو نے بہت اچھا سلوک کیا اور تُو نے فرمانبرداری کی۔''

آدمی نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ حکم کیجیے

میرے اہل وعیال اور میرے مال کے بارے میں۔ اس کے سبب جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دکھایا ہے میں آپ کو اختیار دیتا ہوں، پس تمہارا راستہ کھلا چھوڑ دیتا ہوں۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دے کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ اس نے ان کا راستہ چھوڑ دیا یعنی ان کو آزاد کر دیا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَوْقَعَنِي فِي الْعُبُودِيَّةِ ثُمَّ نَجَّانِي مِنْهَا" [معجم الطبرانی، رقم: ۷۴۰۶]

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ جس نے مجھے غلامی میں ڈالا پھر اس سے نجات عطا فرمائی۔"

حضرت خضر علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

روایات میں آتا ہے کہ دو آدمی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر آپس میں خرید و فروخت کرتے تھے، ان میں ایک کثرت سے قسمیں کھا رہا تھا، وہ اسی سودے میں مصروف تھے کہ اچانک ان پر ایک آدمی گزرا اور ان پر کھڑا ہو گیا اور اس آدمی سے کہا جو کثرت سے قسمیں کھاتا تھا:

"يَا عَبْدَ اللّٰهِ! اِتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُكْثِرِ الْحَلْفَ، فَإِنَّهُ لَا يَزِيْدُ فِي رِزْقِكَ إِنْ حَلَفْتَ وَ لَا يَنْقُصُ مِن رِزْقِكَ إِنْ لَمْ تَحْلِفْ"

"اے اللہ کے بندے! ٹھہر جا، اللہ سے ڈر اور کثرت سے قسمیں مت کھا، اس لیے کہ تیرے قسم کھانے سے وہ تیرے رزق میں زیادتی نہیں کرے گا اور قسم نہ کھانے سے اس میں کمی نہیں کرے گا۔"

سودا کرنے والے نے کہا:

"اِمْضِ لِمَا يَعْنِيْكَ"

''تُو اپنے کام سے کام رکھ۔''

اس نے کہا:

''إِنَّ ذَا مِمَّا يَعْنِينِيْ''

''یہی تو میرا کام ہے۔''

اس نے تین مرتبہ اپنی بات کو دھرایا، مگر سودا کرنے والا شخص اس کی بات کو رد کرتا رہا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو اس نے کہا:

''اِعْلَمْ أَنَّ مِنْ آيَةِ الإِيْمَانِ أَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكِذْبِ حَيْثُ يَنْفَعُكَ وَ لَا يَكُنْ فِي قَوْلِكَ فَضْلٌ عَلَى فِعْلِكَ''

''تُو جان لے کہ ایمان کی نشانی میں ہے کہ تُو سچائی کو اس وقت جھوٹ پر ترجیح دے، جبکہ سچائی تیرے لیے نقصان کا باعث ہو اور جھوٹ تیرے لیے نفع مند ہو اور تیرے قول کو تیری ذات پر فضیلت نہ ہو۔''

وہ شخص جانے لگا تو عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے ملو اور یہ کلمات لکھوا لو۔ اس نے کہا:

''يَا عَبْدَ اللّٰهِ! أُكْتُبْنِي هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ!''

''اے اللہ کے بندے! مجھے یہ کلمات لکھوا دے، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔''

اس آدمی نے کہا:

''مَا يَقْدِرُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَمْرٍ يَكُنْ''

''اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا فیصلہ فرماتے ہیں تو وہ ہو کر رہتا ہے۔''

وہ شخص اس کے سامنے ان کلمات کو دہراتا رہا، یہاں تک کہ اس نے ان کو یاد کر لیا۔

پھر اس شخص نے دیکھا کہ اس نے اپنا ایک پاؤں مسجد میں رکھا۔ میں نہیں جانتا کہ زمین نے اس کو نگل لیا یا آسمان نے اُٹھالیا۔ فرمایا:

كانوا يرونه الخضر أو إلياس عليهما السلام. [شعب الایمان، رقم: ۴۸۵۶]

''وہ ان کو خضر یا الیاس علیہما السلام سمجھتے تھے۔''

حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کے معمولات: (۱)

❁ ابن ابی رواد رحمہ اللہ سے روایت ہے: ''إلياس والخضر يصومان شهر رمضان في بيت المقدس ويحجان في كل سنة ويشربان من زمزم شربة تكفيهما إلى مثلها من قابل'' (الیاس اور خضر علیہما السلام بیت المقدس میں روزے رکھتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں اور زمزم میں سے اتنا پانی پی لیتے ہیں تو ایک سال کے لیے کافی ہوجاتا ہے)۔

❁ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يلتقي الخضر وإلياس كل عام في الموسم فيحلق كل واحد منهما رأس صاحبه ويتفرقان عن هؤلاء الكلمات'' (خضر اور الیاس علیہما السلام ہر سال موسمِ حج میں ملتے ہیں، ہر ایک ان میں سے ایک دوسرے کا حلق کرتا ہے اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں)۔ کلمات یہ ہیں:

''بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا يَسُوقُ الْخَيْرَ إِلَّا اللّٰهُ، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ إِلَّا اللّٰهُ، مَا شَاءَ اللّٰهُ مَا كَانَ مِن نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ، مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.''

''اللہ کے نام کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اس کے بغیر کوئی بھلائی نہیں لاسکتا جو اللہ

تعالیٰ چاہیں، تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کرسکتا جو اللہ تعالیٰ چاہیں، جو بھی نعمت ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اللہ تعالیٰ چاہیں، اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کوئی بُرائی سے بچنے کی طاقت ہے، نہ نیکی کے کرنے کی طاقت۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص ان کلمات کو تین مرتبہ صبح اور تین مرتبہ شام کے وقت کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو غرق ہونے سے، جلنے سے، چوری سے، شیاطین سے، بادشاہ سے، سانپ اور بچھو سے امن دیں گے۔

[دیکھیے: تفسیر در منثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

فوائد السلوک:

- ...... یہاں سے ایک مسئلہ بھی نکلا کہ اگر استاد اور شیخ کوئی ایسی بات کرے جو شاگرد اور مرید کو سمجھ میں نہ آئے اور استاد و شیخ یا شاگرد و مرید کے الگ ہونے کا وقت آجائے تو سمجھا ضرور دے کہ اس کی وجہ کیا تھی، اس میں راز کیا تھا۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے بتا دیا تھا۔
- ...... ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ رخصت کرتے وقت طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسنِ سلوک سے کام لیا جائے۔
- ...... یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سائل کے اضطراب کو رفع کرنا انبیاء علیہم السلام کے مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾

جہاں تک کشتی کا تعلق ہے وہ کچھ غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اس میں کوئی عیب پیدا کر دوں، (کیونکہ) ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر (اچھی) کشتی کو زبردستی چھین کر رکھ لیا کرتا تھا۔

پہلے واقعہ کی حکمت کا بیان:

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا کہ کشتی میں شگاف کرنے کی اصل وجہ کیا تھی کہ جب ہم کشتی میں سوار ہوئے تھے اور کشتی آگے دوسرے کنارے کی طرف جارہی تھی، وہاں پر جو وقت کا بادشاہ تھا اس نے بندوں کو کھڑا کیا ہوا تھا اور وہ کشتیوں کو اپنے قبضے میں لے رہے تھے، جو کشتی نظر آتی تھی اس کو وہ اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ اس کشتی والے غریب مسکین لوگ تھے، اگر ان سے وہ لوگ کشتی لے لیتے تو یہ آمدنی سے محروم ہو جاتے۔ اس لیے میں نے اس کشتی کے ایک پھٹے کو اُکھاڑ کر اس کو عیب دار بنا دیا تا کہ وہ لوگ اس کشتی کو نہ لیں۔ میں نے ان کشتی والوں کی Faver (فیور) کی تھی، ان کے ساتھ بُرا نہیں کیا تھا۔

مسکین کی تعریف:

بعض لوگوں نے مسکین کی تعریف یہ کی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مگر اس آیت

سے معلوم ہوا کہ مسکین کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی حاجاتِ اصلیہ ضروریہ سے زائد بقدرِ نصاب ہو جائے، اس سے کم مال ہو تو وہ بھی مسکین کی تعریف میں داخل ہے، اس لیے کہ جن لوگوں کو اس آیت میں ''مساکین'' کہا گیا ہے، ان کے پاس کم از کم ایک کشتی تو تھی جس کی قیمت مقدارِ نصاب سے کم نہیں ہوتی، مگر چونکہ وہ حاجاتِ اصلیہ ضروریہ میں مشغول تھی، اس لیے ان کو ''مساکین'' ہی کہا گیا۔

[دیکھیے :تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

اسلام اور جدید عصری تقاضے:

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے زمانے میں ذہین وفطین عالم گزرے ہیں، آپ صوبہ ''بہار'' کے ایک گاؤں ''گیلان'' کے رہنے والے تھے اور بیس پچیس سال قبل ہی فوت ہوئے، آپ حیدر آباد دکن میں اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ دینیات کے صدر رہے، آپ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، آپ نے کشتی کے واقعہ کے تناظر میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ جس طرح کشتی کی عیب ناکی ہی اس کی سلامتی کی ضمانت بنی، اسی طرح متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جدید تعلیم سے بے بہرگی ہی دین کے حق میں مفید ثابت ہوئی۔

مدارس دین کے قلعے ہیں:

حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنا کر اللہ کے حکم سے اس پر کام کرنے والے مزدوروں کی معیشت کی حفاظت کی، اسی طرح ہمارے بزرگوں نے دینی مدارس کو عصری تقاضوں سے الگ رکھ کر دین کی ایسی عملی خدمت کی جس کا بدل آج تک نہیں مل سکا، پاکستان کی تاریخ میں یہاں کی کوئی

حکومت بھی ان مدارس کا بدل پیدا نہیں کر سکی۔ ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، مصائب کو برداشت کرتے ہیں، مگر مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں، یونیورسٹیوں میں جدید تعلیم حاصل کرنے والوں پر فوراً جدت طاری ہو جاتی ہے اور وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ دین کے معاملہ میں ان پر انحصار کیا جا سکے، وہ خود خلافِ سنت کام کرتے ہیں، لہٰذا ان کے پیچھے تو نماز بھی ادا نہیں کی جا سکتی۔ بہر حال ان مدارس کے تربیت یافتہ لوگوں نے ہی دین کا علمی نمونہ پیش کیا ہے اور جدید عصری تقاضوں سے دور رہنا ہی دین کی حفاظت کا سبب بنا ہے۔

اس وقت پاکستان میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور واحد یونیورسٹی ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد دینی تعلیم پر رکھی گئی ہے، مگر گزشتہ بیس سال کے دوران اس یونیورسٹی نے بھی دین کا کوئی عملی نمونہ پیش نہیں کیا، اس یونیورسٹی اور ملک کی باقی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں میں کوئی فرق نہیں، وہاں بھی جدید علوم کے ساتھ ساتھ مخلوط تعلیم کا انتظام ہے، لہٰذا ایسے ادارے سے دین کی خدمت کی توقع عبث ہے، دین کے عملی نمونے کے لیے دارالعلوم دیوبند یا مظاہر العلوم سہارنپور کی طرز کے مدارس کی طرف ہی نظریں اُٹھتی ہیں جو حکومت کی سرپرستی کے بغیر دین کی ترویج پر کمربستہ ہیں۔ جس طرح واقعہ خضر میں کشتی کی عیب ناکی اس کی ہزار درستگی سے بہتر تھی، اسی طرح دینی مدارس کی جدید عصری تقاضوں سے علیحدگی کی عیب ناکی دین کے حق میں ہزار درجے بہتر ہے۔

[دیکھیے: تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ]

فوائد السلوک: (۱)

...﴿اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشہ کے لیے استعمال

ہونے والے آلات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، اس سے بندہ مالدار شمار نہیں ہوتا۔

﴿لِمَسٰكِيْنَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کشتی کئی بندوں کے درمیان مشترک تھی۔ اس سے شرکت کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

﴿يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے پیشے اختیار کرنا عندالضرورت جائز ہے جس میں جان کا خطرہ ہو، جیسے ملاّحی وغیرہ۔

گزشتہ آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسکینوں پر ترس کھانا چاہیے۔ خاص طور پر جب کوئی ان کا نقصان کرے۔

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ ستم رسیدہ شخص کی مدد فی الفور کرنی چاہیے۔ بندہ اپنی کوشش کرے، باقی اصل رزلٹ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شر اور ارادۂ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا بے ادبی ہے۔ اسی لیے تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے اسے عیب دار کرنے کا ارادہ کیا، ورنہ ہر خیر اور شر اللہ کے ارادے کا محتاج ہے، البتہ خیر میں اللہ کی رضا بھی شامل ہوتی ہے، جبکہ شر میں اللہ کا ارادہ شامل ہوتا ہے، مگر رضامندی نہیں۔

﴿يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ رعایا کے اموال کو ضبط کرنا اور بلا رضامندی استعمال میں لانا ظلم اور غصب ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

﴿وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ مامور (جس کو حکم دیا گیا ہو) کا فعل آمر (حکم دینے والے) کا فعل تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ بادشاہ خود تو کشتیاں لینے نہیں آتا تھا، وہ تو صرف بندے بھیجتا تھا۔ اس لیے آیت مبارکہ میں مامور کے فعل کی

نسبت آمر کی طرف کی جا رہی تھی۔

..... "کُلّ" وغیرہ میں استغراق کا حقیقی ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ ﴿کُلَّ سَفِیۡنَۃٍ﴾ ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے سفینوں کو شامل نہیں۔

..... جب کوئی لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے فردِ کامل مراد ہوتا ہے، جیسے "سفینۃ" (کشتی) کا لفظ مطلق ہے، اس سے ہر ایسی کشتی مراد ہے جو صحیح سالم ہو، اس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو۔

﴿وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤۡمِنَیۡنِ فَخَشِیۡنَاۤ اَنۡ یُّرۡہِقَہُمَا طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا ﴿۸۰﴾﴾

اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے، اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

دوسرے واقعہ کی حکمت کا بیان:

وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤۡمِنَیۡنِ فَخَشِیۡنَاۤ اَنۡ یُّرۡہِقَہُمَا طُغۡیَانًا وَّ کُفۡرًا ﴿۸۰﴾

اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے، پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کے

اس لڑکے کے ماں باپ ایمان والے تھے۔ ہمیں یہ اندیشہ ہوا کہ جب یہ لڑکا بڑا بنے گا تو یہ بڑا غالب آنے والا ہوگا، اس وقت یہ کہیں اپنے ماں باپ کو کفر اور سرکشی میں نہ لے جائے۔ کیونکہ جب بچے جوان ہو جاتے ہیں تو وہ ضد کر کے ماں باپ سے زبردستی باتیں منواتے ہیں۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں: ''اَلْغُلَامُ الَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ يَوْمَ طُبِعَ كَافِرًا'' [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۰] (جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، وہ کافر پیدا ہوا تھا)۔

فوائد السلوک:

…انسان کی فطرت کے متعلق صاحب تفسیر مظہری اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور صفت کے نتیجے میں ہوتا ہے، بعض لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم غالب ہوتی ہے اور وہ شخص عالم فاضل ظاہر ہوتے ہیں، اسی طرح جس شخص میں صفت رحم کا غلبہ ہوتا ہے وہ بڑا رحمدل واقع ہوتا ہے گویا ایسے اشخاص کا مبدأ تعین اللہ کی کوئی نہ کوئی صفت ہوتا ہے، اس مقتول بچے کا مبدأ تعین اللہ کی صفت مضل تھا، لہٰذا اس سے بڑا ہو کر اسی صفت کا ظہور متوقع تھا، یہ بچہ جوان ہو کر یقیناً کفر و گمراہی میں مبتلا ہوتا اور چونکہ والدین کو اس کے ساتھ بڑی محبت تھی، اس لیے وہ بھی اس کے پیچھے لگ کر کفر و ضلالت کا شکار ہو جاتے، لہٰذا اس کے قتل میں اللہ کی یہی حکمت کارفرما تھی کہ بچہ اور والدین دونوں سزا سے بچ گئے اور اس صفت مضل والے بچے کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انہیں مومن بچہ عطا کر دیا۔ [تفسیر معالم العرفان]

…کسی پوشیدہ بات کا یقینی علم ہو تو اس کی شہادت دی جا سکتی ہے، جیسے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ (اور لڑکے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کے ماں باپ مومن تھے)۔ چنانچہ ایمان ایک پوشیدہ چیز ہے، لیکن حضرت خضر علیہ السلام کو چونکہ یقینی علم تھا، اس لیے ان کے ایمان کی گواہی دی۔

…طغیان (سرکشی) کی راہ اختیار کر کے مؤمن، اپنے ایمان سے محروم ہو سکتا ہے، جیسے

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا﴾ (اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ یہ لڑکا ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے)۔

۞ آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سُوءِ خاتمہ کا اندیشہ رہنا چاہیے۔

۞ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اولاد اپنے والدین کی گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔

۞...ابتداء میں اولاد کی گمراہی سے تغافل خطرناک امر ہے۔

۞...ایمان صادق کی برکت سے اللہ تعالیٰ غیب سے ایمان کی حفاظت فرما دیتے ہیں۔

۞...﴿فَخَشِيْنَآ﴾ (اور ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لیے جمع کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

کچھ طغیان کے بارے میں:

شیخ ابو عثمان حیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلطُّغْيَانُ هُوَ الإِعْرَاضُ عَنِ الْاٰخِرَةِ وَالْإِقْبَالُ عَلَى الدُّنْيَا'' (طغیان کا معنی ہے آخرت سے منہ موڑنا اور دنیا سے دل لگا لینا)۔

شیخ ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طغیان کئی طرح کا ہوتا ہے۔ چنانچہ:

۞...علمی طغیان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''طُغْيَانُ العِلْمِ هُوَ التَّفَاخُرُ بِهٖ'' (علم کا طغیان یہ ہوتا ہے کہ اس پر فخر کیا جائے)۔

۞...عمل اور عبادت کے طغیان کے متعلق فرماتے ہیں: ''طُغْيَانُ العَمَلِ وَالعِبَادَةِ وَهُوَ الرِّيَاءُ وَالسُّمْعَةُ'' (عمل اور عبادت کا طغیان اسے کہتے ہیں کہ اس میں ریاکاری اور دکھلاوا مقصود ہو)۔

۞...مال کے طغیان کے متعلق ان کا فرمان ہے: ''طُغْيَانُ المَالِ هُوَ البُخْلُ بِهٖ''

(مال کا طغیان یہ ہے کہ اس کو خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا جائے)۔

نفس کے طغیان کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''طغيان النفس و هو اتباع هواه و شهواتها'' (نفس کا طغیان یہ ہے کہ اس کی خواہشات اور شہوات کی پیروی کی جائے)۔

قرآن میں لفظ ''طغیان'' کا 3 طرح استعمال:

قرآن میں ''طغیان'' کا لفظ 3 طرح استعمال ہوا ہے:

1. سرکشی کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ﴾ [الشمس:١١]
2. سیلاب کی طغیانی کے لیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ [الحاقۃ:١١]
3. خوفناک چیخ کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ﴾ [الحاقۃ:٥]

﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾

چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسن سلوک میں بھی اس سے بڑھی ہوئی ہو۔

بچے کا نعم البدل:

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا

پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر

شفقت میں

یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاق کی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو، ماں باپ اس پر شفقت کریں۔ وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے، جس سے ایک اُمت چلی۔

فوائد السلوک:

...بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے، پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی یقینی تھی۔ آدمی کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لیے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لیے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

...مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا رہے، اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے۔ اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔

...ساری نعمتیں اللہ کی طرف سے بندوں پر احسان ہیں، خصوصاً اولاد کی نعمت عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، چنانچہ اولاد کی نسبت صرف اللہ ہی کی طرف ہونی چاہیے، نہ کہ غیر اللہ کی طرف، جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا

مِنْهُ زَكٰوةً﴾ (چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے اس سے بہتر اولاد دے)۔

﴿فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ (چنانچہ ہم نے یہ چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس لڑکے کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں بھی اس سے بہتر ہو، اور حسن سلوک میں بھی اس سے بڑھی ہوئی ہو)۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی بہتری وفضیلت کا مدار عقیدہ اور کردار کی پاکیزگی پر ہے۔

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا﴾

رہی یہ دیوار، تو وہ اس شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا، اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں، اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ سب کچھ آپ کے رب کی رحمت کی بنا پر ہوا ہے، اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا۔ یہ تھا مقصد ان باتوں کا جن پر آپ سے صبر نہیں ہوسکا۔

تیسرے واقعہ کی حکمت کا بیان: (۱)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ

اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس شہر میں

اب رہی دیوار کی بات تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بچوں کی دیوار تھی، یہ بچے یتیم

تھے اور دیوار کے نیچے خزانہ تھا، اگر دیوار گر پڑتی تو شہر والے ان کا خزانہ لے اُڑتے اور وہ دونوں اپنے باپ کی میراث سے محروم ہو جاتے اور تنگدستی کا شکار ہو جاتے۔ اول تو یہ کہ بچے یتیم تھے، دوسری نیک آدمی کی اولاد تھے تو یوں بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کی ضرورت تھی، لہٰذا ہم نے دیوار کو کھڑا کر دیا، تاکہ بالغ ہو جائیں تو اپنا خزانہ نکال لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں یتیموں پر رحم فرمایا اور گرنے والی دیوار کو سیدھا کھڑا کروا دیا۔ اگر شہر کے بالغ لوگوں نے ہمیں کھانے کے لیے کچھ نہ دیا تو اس کا بدلہ ان یتیموں سے تو نہیں لینا چاہیے تھا، ان کا کام تو اجرت لیے بغیر ہی کرنا تھا۔

لڑکوں کے نام:

تفسیر مظہری میں امام بغوی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ ان دونوں لڑکوں کے نام ''اصرم'' اور ''صریم'' تھے۔

فوائد السلوک:

☆.....﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ﴾ (رہی یہ دیوار، تو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی) سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور تعمیرات میں شرکت جائز ہے۔

دیوار کے نیچے دبے خزانے کا بیان:

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا

اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت ''وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا'' کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ جو دیوار حضرت خضر علیہ السلام نے صحیح کی تھی، اس کے نیچے ان دونوں کا

خزانہ تھا، نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ خزانے سے مراد ''سونا اور چاندی'' ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس میں تحریر تھا:

''عَجَبًا لِمَنْ یُوقِنُ بِالمَوتِ کَیفَ یَفْرَحُ!''

''تعجب ہے کہ جس کا موت پر یقین ہو، وہ خوش کیسے ہوتا ہے!''

''عَجَبًا لِمَنْ أَیقَنَ بِالقَدَرِ کَیفَ یَنصَبُ!''

''تعجب ہے کہ جس کا تقدیر پر یقین ہو، وہ رنجیدہ کیونکر ہوتا ہے!''

''عَجَبًا لِمَنْ أَیقَنَ بِالرِّزْقِ کَیفَ یَتْعَبُ!''

''تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ تلاشِ رزق میں تھکتا کیوں ہے!''

''عَجَبًا لِمَنْ أَیقَنَ بِالحِسَابِ کَیفَ یَغْفُلُ!''

''تعجب ہے کہ جس کو آخرت کے حساب پر یقین ہے، وہ غافل کیسے رہتا ہے!''

''عَجَبًا لِمَنْ أَیقَنَ بِزَوَالِ الدُّنیَا کَیفَ یَطْمَئِنُّ إِلَیهَا!''

''تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ حاصل شدہ دنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے!''

''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ''

تختی کے دوسری طرف لکھا ہوا تھا:

''أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي لَا شَرِیكَ لِي خَلَقْتُ الخَیرَ وَالشَّرَّ فَطُوبٰی لِمَنْ خَلَقْتُهُ لِلْخَیرِ وَ أَجْرَیتُهُ عَلَی یَدَیهِ وَ وَیلٌ لِمَنْ خَلَقْتُهُ لِلشَّرِّ وَأَجْرَیتُهُ عَلَی یَدَیهِ.'' [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ]

''میں ہی اللہ ہوں، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی ساجھی نہیں، میں نے خیر و شر کو پیدا کیا،

[جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۲]

خوشی ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کرایا اور ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جس کو میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔''

یتیم کسے کہتے ہیں؟

یتیم کہتے ہیں، وہ بچہ جس کا والد فوت ہو چکا ہو، لیکن جانوروں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں، جس کی ماں مرگئی ہو۔

فوائد السلوک:

○... علم ایک خزانہ ہے، اور علمی مسائل بمنزلہ جواہر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ (اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا)۔ چنانچہ ''کَنْز'' کا معنی ہے: خزانہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ''کَنْز'' سے مراد علم کا خزانہ ہے۔ اور امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صُحُفٌ فِيْهَا عِلْمٌ'' ...اس آیت مبارکہ میں ''کَنْز''، ان صحیفوں کا نام ہے جن میں علمی مسائل تھے)۔ [زاد المسیر تحت ہذہ الآیۃ]

○... ﴿وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ (اور اس کے نیچے ان کا ایک خزانہ گڑا ہوا تھا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زمین میں اپنا مال بغرضِ حفاظت دفن کرنا جائز ہے۔

○... ﴿كَنْزٌ لَّهُمَا﴾ (ان دونوں کا خزانہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ دفینہ بندے کی ملکیت ہوتی ہے اور اگر مالک فوت ہو جائے تو پھر ملکیت ورثاء میں منتقل ہو جاتی ہے۔

والدین کی نیکی کا بیان:

وَكَانَ أَبُوْهُمَا صَالِحًا

اور ان کا باپ تھا نیک

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ جو دو یتیم بچے تھے اور ان کا باپ فوت ہو گیا تھا، ان کا اپنا باپ بہت زیادہ نیک نہیں تھا۔ وہ ایک عام نیک بندہ تھا۔ البتہ ان کے اوپر جو باپ دادا گزرے تھے، اس اوپر کی نسل میں ساتویں پشت میں کوئی اللہ کا ولی گزرا تھا، یہ اس کی نسل کے بچے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ولی کی ساتویں پشت کے بچوں کے مال کی حفاظت فرمادی تھی تو اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی اولاد کے ایمان کی کتنی حفاظت فرمائیں گے!!

بعض اہل علم نے اس شخص کا نام ''شح'' بیان کیا ہے۔

نیکی اور بدی کے اثرات:

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ''إِنِّي إِذَا أُطِعْتُ رَضِيتُ وَإِذَا رَضِيتُ بَارَكْتُ وَلَيْسَ لِبَرَكَتِي نَاهِيَةٌ وَإِذَا عُصِيتُ غَضِبْتُ وَ لَعَنْتُ وَلَعْنَتِي تَبْلُغُ السَّابِعَ مِنَ الوَلَدِ'' (جب تو اطاعت میری کرے گا تو میں راضی ہوں گا اور جب میں راضی ہوں گا برکت دوں گا اور میری برکت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جب تو نافرمانی کرے گا تو میں ناراض ہوں گا اور لعنت کروں گا اور میری لعنت اولاد میں ساتویں پشت تک جائے گی)۔ [درمنثور]

فوائد السلوک:

٭.....حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باپ کی نیکی کی وجہ سے اللہ کی طرف سے دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی، یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لیے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر علیہ السلام کو دیا۔

٭.....محمد بن منکدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''إِنَّ اللّٰهَ يَحْفَظُ بِصَلَاحِ العَبدِ وَلَدَهُ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ

وَعِتْرَتَهٗ وَعَشِيْرَتَهٗ وَأَهْلَ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ فِي حِفظ اللّٰهِ ما دام فيهم'' (بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے)۔

...سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''إِنِّي أُصَلِّي فَأَذْكُرُ وَلَدِي فَأَزِيْدُ فِي صَلاتِي'' (میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھا دیتا ہوں، تاکہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)۔[مظہری]

...تورات میں لکھا ہوا ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ لَيَحْفَظُ القَرنَ إِلَى القَرنِ إِلَى سَبْعَةِ قُرُونٍ وَإِنَّ اللّٰهَ يَهْلِكُ القَرنَ إِلَى القَرنِ إِلَى سَبْعَةِ قُرُونٍ'' (اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک اس کی نسل اور قوم کی حفاظت کرتا ہے اور کسی کی بدکرداری کی وجہ سے سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔[مظہری]

...آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لیے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں۔ اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں۔ دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا، اس قول کی تائید کر رہا ہے۔[مظہری]

...ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی نیکی کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد کی اصلاح فرماتے ہیں اور اس کی اولاد اور اردگرد دوسرے گھروں کی بھی حفاظت فرماتے ہیں اور وہ برابر اللہ کی طرف

سے پردے اور عافیت میں رہتے ہیں۔[درمنثور]

﴿.....حضرت شبلی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''أَنَا أَمَانُ هٰذَا الجَانِبِ؛ فَلَمَّا مَاتَ وَدُفِنَ عَبَّرَ الدَّيْلَمُ دَجْلَةَ ذٰلِكَ اليَومَ، وَاسْتَوَلَّوْا عَلَى بَغْدَادَ، وَيَقُولُ النَّاسُ: مُصِيْبَتَانِ مَوْتُ الشِّبْلِيِّ وَعُبُورُ الدَّيْلَمِ'' (میں اس شہر اور پورے علاقہ کے لیے امان ہوں۔ چنانچہ جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے دفن ہوتے ہی کفارِ دیلم نے دریائے دجلہ کو عبور کرکے بغداد پر قبضہ کرلیا۔ اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ہے، یعنی شبلی کی وفات اور دیلم کا قبضہ)۔[تفسیر قرطبی:۱۱/۲۹]

﴿.....درج بالا آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زائد از حاجت حلال مال کمانا اور اپنے پاس نیک مقاصد کے لیے رکھنا، خصوصاً اولاد کی کفالت کی نیت سے جائز ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس نبی علیہ السلام عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں بیمار ہوگیا ہوں اور میرے پاس مال بھی ہے اور میری ایک بیٹی بھی ہے، ''أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟'' (کیا میں اپنے مال کا دوتہائی حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کرسکتا ہوں؟) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کیا: ''بِالشَّطْرِ؟'' (آدھا حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کرسکتا ہوں؟) نبی علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ پھر نبی علیہ السلام نے سمجھایا: وصیت کرنی ہی ہے تو اپنے مال کا تیسرا حصہ صدقہ کرنے کی وصیت کرلو۔ اور فرمایا: ''إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ'' (اپنے ورثاء کو آپ مالدار چھوڑ دیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ آپ ان کو غریب چھوڑ دیں،

لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں... آپ جو بھی اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس پر آپ کو اجر ملتا ہے، حتیٰ کہ آپ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ ڈالتے ہیں اس پر بھی آپ کو اجر ملتا ہے)۔ [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۹۵]

بارگاہِ الٰہی کی رعایتِ ادب کی ایک مثال:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

پھر چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا۔ مہربانی سے تیرے رب کی

حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کیوں کہہ دیا کہ تیرے رب نے ارادہ کیا؟ اس لیے کہ وہ رب کے ارادے سے آگے کام کرتے تھے، اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ وہ تو ایک سرکاری ملازم کی حیثیت سے تھے۔ جیسے سرکاری ملازم سرکار کے حکم پر عمل کرتا ہے اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے الہام پر عمل کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کہہ دیا: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ [الکہف: ۸۲]

یہاں پر ایک خاص نکتہ یہ بھی یاد رکھیے کہ پہلے دو کام کیے تھے جن کے اندر ذرا کی کوتاہی تھی۔ کشتی میں عیب ڈال دیا، یا غلام یعنی بچے کو قتل کر دیا۔ وہاں پر انہوں نے رب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ کہا: ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾ (میں نے کشتی میں عیب ڈالنے کا ارادہ کرلیا)۔ تو حضرت خضر علیہ السلام نے عیب اور کمزوری والے کاموں کی نسبت اپنی طرف کی اور یہاں پر چونکہ دیوار کو سیدھا کرنا ایک اچھا کام تھا اس لیے یہاں انہوں نے نسبت اللہ کی طرف کی اور کہا: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾ [الکہف: ۸۲]

تو اس میں یہ خاص نکتہ سمجھیں کہ کبھی بھی انسان اچھائی کو اپنی طرف منسوب نہ

کرے، ہمیشہ اللہ کی طرف منسوب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس بات کے حق دار ہیں کہ جو بھی اچھا کام ہو وہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فہمِ قرآن کا کمال: (۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بغرض تکمیل علم کے سفر کرنا مذکور ہے، اس میں حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہی یہ وعدہ لے لیا تھا کہ وہ ان کے کسی کام پر ٹوکیں گے نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وعدہ پر کیوں قائم نہ رہے کہ بار بار ان کے کاموں پر ٹوکا؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ وعدہ کا پورا کرنا اس صورت میں واجب ہے جب اس میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو۔ خلافِ شرع تو وعدہ توڑنا لازم ہوجاتا ہے، اسی طرح ایسا وعدہ جس کے خلاف کرنے پر دوسرے فریق کا کوئی ضرر اور نقصان نہ ہو تو اس کا ایفاء بھی واجب نہیں ہوتا۔

تین واقعے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو ٹوکا، ان میں ایک واقعہ تو ظاہر شرع کے بالکل خلاف تھا کہ لڑکے کو قتل کر دیا اور دو اور واقعے (کشتی توڑنے کا اور دیوار سیدھا کرنے کا) گو خلافِ شرع اور ناجائز نہ تھے، مگر جب دوسری مرتبہ بچے کے قتل کا معاملہ سامنے آیا جو ظاہر شریعت کی رُو سے بالکل حرام تھا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر شدت سے ٹوکا اور حضرت خضر علیہ السلام نے پھر پچھلا قول وقرار یاد دلایا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی نسیان وغیرہ کا عذر بھی نہیں کیا اور آئندہ کے لیے اس وعدہ پر قائم رہنے کا فیصلہ بھی نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر میں آئندہ آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔

وجہ یہ تھی کہ ایک اللہ کا نبی اپنے منصبی فریضہ کی بناء پر کھلے ہوئے خلاف شرع پر خاموش نہیں رہ سکتا اور نہ اس کا وعدہ کرسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تو شریعت کے آداب کی پابندی اس طرح واضح ہوگئی اور دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی ظاہر شریعت کی پابندی کی، مگر حالات کے تابع خلاف استحباب و مروت تھے۔ پیغمبر ان چیزوں پر صبر نہیں کرسکتے اور نہ کرنا چاہیے، اس لیے مجبور ہو کر ٹوکا۔ خصوصاً یہ بھی معلوم تھا کہ ان چیزوں پر ٹوکنے میں حضرت خضر علیہ السلام کا کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔

یہاں دو یا تین ادب شریعت کے متعلق اور قابلِ نظر ہیں:

اوّل تو یہ کہ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تو معلوم نہیں تھا کہ واقعات ایسے پیش آئیں گے جو شریعت کے خلاف ہوں، اس لیے یہ وعدہ کرلیا: ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿٦٩﴾﴾ یعنی انشاء اللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

پھر جب کشتی توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو اس کو مروت و اخلاق کے خلاف سمجھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام بول اُٹھے: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾﴾ یعنی یہ کام تو آپ نے بہت عجیب کیا کہ اپنے احسان کرنے والے کشتی باتوں کو نقصان پہنچا دیا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے وعدہ یاد دلایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نسیان کا عذر کر کے آئندہ وعدہ کی پابندی کا اقرار کیا۔ دوسری طرف حضرت خضر علیہ السلام نے بھی احترام کو ملحوظ رکھا کہ لڑکے کا قتل، جو شریعت کی رُو سے حرام تھا، اس واقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جدا نہیں کیا، بلکہ تیسرے واقعہ میں جو دیوار کے سیدھا کرنے کا معاملہ تھا، وہ کسی طرح بھی خلاف شرع نہیں تھا، خلاف مصلحت کہا جاسکتا تھا، اس پر بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ٹوکا تو اس وقت فرمایا: ﴿هٰذَا

فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾(اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی کا موقع آ گیا)۔

رہا یہ معاملہ کہ اس واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام نے خلافِ شرع کام کو کیسے اختیار کر لیا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اعتراض کرنا پڑا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی اللہ کے نبی اور صاحبِ وحی تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پا کر اس پر عمل کر رہے تھے۔ اور شریعت کے مقررہ قانون میں خود وحیٔ الٰہی کے ذریعہ تبدیلی اور استثنائی صورتیں ہونا کوئی امر مستبعد نہیں، مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی خبر نہ تھی جس نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے شریعت کے عام قاعدہ سے اس واقعہ کو مستثنیٰ کر دیا تھا، اس لیے انہوں نے ضابطۂ شریعت کے مطابق اس پر اعتراض کرنا ضروری سمجھا۔

[اشرف التفاسیر: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

فوائد السلوک: ①

اس پورے واقعہ میں شریعت کے احترام کا دونوں طرف سے کس طرح اہتمام کیا گیا ہے!!! اب جاہل مدعیانِ تصوف نے اس واقعہ کا یہ نتیجہ نکال رکھا ہے کہ شریعت اور چیز ہے، طریقت اور چیز ہے۔ جو چیزیں شریعت میں حرام ہیں وہ طریقت میں جائز ہو سکتی ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ کھلا ہوا انکارِ شریعت ہے۔ طریقت کی حقیقت شریعت پر عمل کرنے سے زیادہ کچھ نہیں، جو طریقت، شریعت کے خلاف ہو، وہ الحاد و زندقہ ہے۔

بظاہر خلافِ شریعت پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ ایسا کرنے والا نبی اور صاحبِ وحی ہو۔ کوئی ولی صاحبِ کشف والہام ایسا ہرگز نہیں کر سکتا، کیونکہ کشف والہام کوئی حجت شرعی نہیں، اس کے ذریعہ شریعت کے کسی قاعدہ میں ترمیم یا استثناء نہیں ہو سکتا۔ جاہل صوفیوں نے جو اس واقعہ کو خلافِ شرع امور کے ارتکاب کے لیے وجۂ جواز بنا لیا ہے، وہ سراسر گمراہی ہے، اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ کسی پر وحی آ سکتی ہے، نہ شریعت

کے حکم کے خلاف کوئی استثناء ہو سکتا ہے۔

۞ ……﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا﴾ (اس لیے آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ جب تک بالغ اور سمجھدار نہ ہو تو ولی کو چاہیے کہ اس کا مال اس کے حوالے نہ کرے۔

۞ ……﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ (اور اپنا خزانہ نکال لیں) اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ انسان اپنی معاش کے لیے خود محنت کرے، اچھی طرح ہاتھ پاؤں مارے۔ باقی اللہ کی مرضی کہ اس کو رزق کیسے دیتے ہیں، کتنا دیتے ہیں اور کہاں سے دیتے ہیں۔

۞ ……﴿اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ (یہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی نیکی کی برکت سے اولاد کے رزق اور عمر میں بھی برکت ظاہر ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر جب اولاد خود بھی نیک ہو۔

۞ ……﴿وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال مال کا حصول، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے اور اس کی شانِ ربوبیت کا مظہر ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا تعجب بھی عجیب تھا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اس واقعہ کے چند نکات بھی سن لیجیے: پہلی بات تو یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ واقعات دیکھے، وہ ان کو تو عجیب لگے، مگر اسی طرح کے واقعات ان کی اپنی زندگی میں بھی گزر چکے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اُدھر اپنی طرف دھیان نہیں گیا۔

(1)……ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کی قوم کا

ایک بندہ مخالف قوم کے ایک بندے کے ساتھ جھگڑ رہا ہے۔ یعنی وہ آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے بندے کی مدد کرنے کے لیے مخالف بندے کو ایک مکّا مارا تو وہ بندہ مر گیا تھا۔ یعنی ان کی اپنی زندگی میں بھی ایسا واقعہ آیا تھا کہ جس میں ان کا ارادہ نہیں تھا اس کو قتل کرنے کا، لیکن بندہ تو بہر حال مر ہی گیا تھا۔ مگر اس کے مرنے پر ان کو اتنا تعجب نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ان کا اپنا ارادہ خیر کا تھا اور وہ اپنے ساتھی کی مدد کر رہے تھے۔ لیکن یہاں چونکہ بلا وجہ ایک بچے کو مارا گیا اس لیے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران ہو گئے اور فوراً کہنے لگے: ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ آپ نے جو اس بچے کو قتل کر دیا یہ تو اچھا کام نہیں ہے۔

دوسری طرف جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی مخالف قوم کا بندہ مر گیا ہے تو اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ [القصص:١٥] (یہ تو شیطان کا عمل ہے)۔ یعنی میں تو اس کو جان سے مارنا نہیں چاہتا تھا، لیکن شیطان نے ایسا کروا دیا۔

دیکھیں! ادھر یہ لفظ استعمال ہوا کہ شیطان کا عمل تھا اور یہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے یہ الفاظ استعمال کیے: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا﴾ یہ بھی گویا ناپسندیدہ کام کے لیے ہی لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ گویا ایک واقعہ ان کی اپنی زندگی میں بھی پیش آیا تھا۔ یہاں بھی ایسا ہی واقعہ ایک بچے کو مارنے کا پیش آیا، مگر یہ واقعہ دیکھ کر ان کو حیرت ہوئی اور انہوں نے سوال پوچھ لیا۔

②.....جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان دو بچوں کی دیوار کو ٹھیک کیا اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پوچھنے لگے کہ آپ اس پر ان سے اجرت کیوں نہیں لیتے؟ ہمیں بھوک لگی ہے، ہم ان سے اجرت لیتے اور ہمیں کھانا مل جاتا۔ مگر اسی

طرح کا ایک کام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کیا تھا...... وہ کیسے کیا تھا؟...... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف گئے تھے تو وہاں پر انہوں نے ایک کنواں دیکھا۔ اس کنویں پر لوگ آ رہے تھے اور اپنی بکریوں کو پانی پلا رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو لڑکیاں ہیں اور وہ اپنی بکریوں کو سنبھال کے کھڑی ہیں۔ یعنی ایک جگہ روک کر کھڑی ہیں۔ وہ ان کو پانی نہیں پلا رہی تھیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ بستی والوں کی طرف سے ان کو اجازت نہیں تھی۔ وہ ان کے دشمن تھے اور کہتے تھے کہ تم بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں۔ اس لیے وہ بچیاں بکریوں کو لے کر پہنچ تو گئی تھیں، مگر انہوں نے اپنی بکریوں کو روکا ہوا تھا۔

جب بستی والے پانی پلا کے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کنویں کے اوپر ایک بڑا سا پتھر رکھ دیا تا کہ یہ بچیاں بعد میں پانی کا ڈول نہ نکال سکیں۔ اب جب وہ چلے گئے تو جو بعد میں بچا کھچا پانی تھا، وہ بچیاں اپنی بکریوں کو وہ پانی پلانے لگیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ماجرا دیکھا تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ ان بچیوں کو بھی پانی پلانے کی اجازت ہونی چاہیے۔ چنانچہ وہ خود آئے اور انہوں نے آ کر ان سے پوچھا: تمہارے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہے؟ انہوں نے کہا: ہمارا والد ایک نیک آدمی ہے اور قوم نے ان کے ساتھ ایک طرح کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے، اس لیے ہم ان کی طرح بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتیں، جب یہ پلا کر چلے جاتے ہیں تو پھر بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلاتی ہیں۔ ہم کمزور لڑکیاں ہیں اور یہ وزنی پتھر نہیں ہٹا سکتیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوچا کہ چلو میں ان بچیوں کی مدد کر دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اکیلے اس پتھر کو اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس سے پانی کے ڈول نکالے اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ جب انہوں نے ان کی بکریوں کو پانی پلایا تو وہ بچیاں

خوش ہو گئیں۔ اس کے بعد جب وہ گھر گئیں تو انہوں نے اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کو یہ بات بتائی۔ یہ سن کر حضرت شعیب علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بچی کو بھیجا اور کہا کہ اس نوجوان کو بلا کر لاؤ۔ وہ بچی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی...... وہ بچی بڑی باحیا تھی، قرآن مجید نے اس کے حیا کے ساتھ چلنے کا تذکرہ کیا: ﴿تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ﴾ [القصص:۲۵] (وہ بڑی حیا کے ساتھ چلتی ہوئی آ رہی تھی)۔

وہ کتنی پاک دامن اور نیک بچی تھی کہ جس کی گواہی رب کا قرآن دے رہا ہے۔ اللہ ایسی بیٹی ہر ایک کو عطا فرمائے۔

اس بچی نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ﴾ [القصص:۲۵] (میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں)...... ﴿لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا﴾ [القصص:۲۵] (کہ آپ نے جو ہماری بکریوں کو پانی پلایا ہے، اس پر آپ کو کچھ اُجرت دے دی جائے)۔

اب ذرا دونوں قسم کے واقعات میں مشابہت دیکھیے!

☆..... ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو واقعہ دیکھا اس میں دو بچے تھے، چھوٹے اور کمزور تھے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں جو واقعہ پیش آیا، اس میں بھی دو بچیاں تھیں جو کمزور صنف ہوتی ہیں۔ وہ اپنی بکریوں کو پانی پلانا چاہتی تھیں۔

☆..... یہاں حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی دیوار کو بغیر اجرت کے ٹھیک کر دیا تھا اور وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر کسی مطالبے کے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا تھا۔

☆..... اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام سفر کر کے اس بستی میں تھکے ہوئے پہنچے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین

پہنچے تھے اور وہ بھی سفر کر کے تھکے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ اسی لیے انہوں نے درخت کے نیچے بیٹھ کر دعا کی تھی:

﴿رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ﴿۲۴﴾﴾ [القصص: ۲۴]

''اے اللہ! تو مجھے جو بھی عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔''

دیکھیے! ان واقعات میں کتنی مشابہت اور مماثلت ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں پہلے بھی پیش آیا تھا، لیکن ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ میں نے بھی تو بغیر اجرت کے ان کے ساتھ بھلائی کا کام کر دیا تھا، یہاں پر انہوں نے کر دیا تو کون سی بات ہوگئی۔ لیکن چونکہ یہ ایک نیا کام تھا اور اچانک ہوا تھا اس لیے ان کے ذہن میں بات آئی کہ بھئی! آپ ان سے اجرت کیوں نہیں مانگ لیتے؟ وہ یہ سوال کر بیٹھے۔

موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے احوال میں مشابہت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں بہت زیادہ مشابہت ہے......وہ کیسے؟

❶... بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں ڈال دیا تھا۔ قتل کیوں نہ کیا؟ اس لیے کہ بھائی نے کہا تھا: ﴿لَا تَقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ﴾ [یوسف: ۱۰] (اس کو قتل نہ کرو)، ہم اس کو کسی کنویں کے اندر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں کے اندر ڈال دیا گیا...... ادھر دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے دریا کے اندر ڈال دیا تھا۔ اِدھر بھی پانی اُدھر بھی پانی۔ اِدھر ماں نے ڈالا تھا، اُدھر بھائیوں نے ڈالا تھا۔

❷......حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک مسافر قافلے کے ایک بندے نے کنویں سے نکالا تھا۔

اس کے بارے میں قرآن مجید میں یوں تذکرہ کیا گیا: ﴿یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ﴾ [یوسف:١٠]......اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پانی میں بہہ رہے تھے تو اس کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ﴾ [القصص:٨] (ان کو فرعون کے لوگوں نے نکالا تھا)۔

③......جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں پہنچے تو قافلے والوں نے تو ان کو بیچ دیا تھا۔ بالکل اونے پونے بیچا تھا، مگر ان کو عزیز مصر نے خریدا تھا۔ جب عزیز مصر ان کو خرید کر گھر لے گیا تو اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [یوسف:٢١] (اس کا اکرام کرنا، یہ ہمیں نفع پہنچائے گا، اس کو ہم اپنا بیٹا بنائیں گے)۔ یہ عزیز مصر کے الفاظ تھے۔

اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ کیا ہوا؟...... جب ان کے بکسے کو کھولا گیا اور فرعون کی بیوی نے دیکھا کہ اس میں ایک بچہ ہے، بڑا پیارا اور خوبصورت بچہ ہے تو اس نے کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [القصص:٩] (اس کو قتل نہ کرو، یہ ہمیں نفع پہنچائے گا، اس کو ہم اپنا بیٹا بنائیں گے)۔ وہاں فرعون کی بیوی کے یہ الفاظ تھے اور یہاں عزیز مصر کے الفاظ تھے۔

اب ذرا دونوں باتوں میں غور کیجیے...... نکتہ بڑا عجیب ہے...... یہاں چونکہ عزیز مصر نے کہا تھا کہ ہم اسے بیٹا بنائیں گے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام واقعی ان کے لیے بیٹے کی طرح بن کر رہے۔ انہوں نے ان کی عزت کی بھی حفاظت کی اور جب جوان ہو گئے تو ان کے ملک کو بھی سنبھالا۔ جیسے بیٹا اپنے باپ کے کام کو سنبھالتا ہے۔ تو یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ملک کو سنبھالا اور بڑی امانت و دیانت کے ساتھ اس کو چلایا۔ واقعی انہوں نے بیٹا بننے کا حق ادا کر دیا تھا۔

وہاں جب موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا گیا تو فرعون کی بیوی نے کہا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں

نفع پہنچائے، ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ واقعی ایسا ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے گھر میں پلے اور ان کی وجہ سے ہی اس عورت کو فائدہ ہوا کہ وہ ایمان لے آئی اور اس کا وہ بیٹا ایمان پر لانے کا سبب بن گیا۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ وہاں پر فرعون کی بیوی نے کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنائیں گے، اس لیے فرعون کی نظر اس کے بارے میں نہیں بدلی، کیونکہ بیٹے پر ماں کی نظر اور ہوتی ہے۔ فرعون کی بیوی بھی خوبصورت تھی، وہ بادشاہ کی بیوی تھی۔ لیکن اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسی ویسی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہیں اس کے گھر میں پرورش پائی اور وہ اس کے لیے ایمان لانے کا سبب بن گئے اور اس کو موسیٰ علیہ السلام سے خیر مل گئی۔

یہاں پر عزیز مصر نے کہا تھا کہ ہم اس کو بیٹا بنائیں گے۔ اگر اس کی بیوی بھی جواب میں کچھ کہہ دیتی کہ ہاں ہم بیٹا بنائیں گے تو اس کی نظر بھی پاک ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ زلیخا کو بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے ایمان کی نعمت عطا فرما دیتے۔ مگر وہ چونکہ خاموش رہی اس لیے اس کا اپنا ارادہ ایسا نہیں تھا۔ چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام جوان ہوئے تو اس وقت زلیخا کی نظر ان پر اور طرح کی پڑ گئی اور وہ ان سے اپنی خواہش پوری کرنے کے چکر میں لگ گئی۔

④ ...... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلایا تھا تو ان کے بارے میں بچی نے اپنے والد سے جا کر کہا تھا کہ آپ کو ایک ایسا بندہ کام کرنے کے لیے چاہیے جو بڑا قوی ہو اور امین بھی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت صحت مند بھی تھے اور امین بھی تھے۔ امین اس لیے کہا کہ انہوں نے ان لڑکیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ جس کی وجہ سے بچی نے پہچان لیا کہ یہ بڑے باحیا انسان ہیں اور یہ دوسرے کی امانت کے اندر خیانت کرنے والے نہیں ہے۔ اس لڑکی نے کہا کہ یہ بندہ قوی بھی ہے اور امین بھی ہے:

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ [القصص:۲۶] یہاں ''قوی'' اور ''امین'' کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا۔

اُدھر جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے نکالا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا: ﴿إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ﴾ [یوسف:۵۵] (میں محافظ بھی ہوں، علم والا بھی ہوں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوی اور امین کہلائے اور حضرت یوسف علیہ السلام حفیظ اور علیم کہلائے۔ دیکھیے! ان دونوں کی شخصیتوں میں کس قدر مشابہت ہے!!!

⑤ ...... حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائی نے بچایا تھا، اس نے کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ [یوسف:۱۰] (یوسف کو قتل نہ کرو)، بلکہ اس کو کنویں کے اندر ڈال دو...... اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی بیوی نے بچایا تھا، اس نے بھی کہا تھا: ﴿لَا تَقْتُلُوهُ﴾ [القصص:۹] (اس کو قتل نہ کرو)۔

فرعون اپنی بیوی کی بات مان گیا کہ چلو ہم اس کو قتل نہیں کرتے۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ قرآن پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ بڑے بڑے فرعون بھی بیویوں کی بات مانا کرتے تھے۔ عورتیں جو یہ کہتی ہیں کہ خاوند سنتے ہی نہیں اور بات ہی نہیں مانتے، وہ غلط بات کہتی ہیں۔ بڑے بڑے فرعون اپنی بیویوں کی بات مانتے تھے۔ ہزاروں بچوں کو اس نے قتل کروایا تھا، لیکن جب اس کی بیوی نے کہ اس کو قتل نہیں کروانا تو اس نے فوراً ارادہ کر لیا کہ میں اس کو قتل نہیں کرواتا۔ وہ اس وقت یہ بات بھول گیا کہ یہی بچہ میرے تخت و تاج کو واپس لینے کا سبب بن سکتا ہے۔

⑥ ...... حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی یعقوب مصر کے اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ مصر کے رہنے والے نہیں تھے۔ ان کو تو قافلے والے وہاں لے کر گئے تھے۔ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر سے باہر نکلے تھے۔ تو ایک کی وجہ سے داخل ہونے کا موقع ملا اور دوسرے کی وجہ سے مصر سے باہر نکلنے کا ان کو موقع مل گیا تھا۔

تفسیری نکات:

اس واقعہ میں دیگر بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ اُستاد اور شاگرد کے آداب بھی سکھائے گئے ہیں؟ یہ آداب کئی تفاسیر میں لکھے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''انوار البیان'' میں تقریباً 40 نکات لکھے ہیں، جن میں سے کچھ یہاں درج کیے جاتے ہیں:

1 ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو سائل کے جواب میں فرمایا کہ مجھ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں، حالانکہ اس اعتبار سے ان کا یہ فرمانا صحیح بھی تھا کہ وہ صاحبِ شریعت تھے، ایک بڑی قوم کے نبی تھے اور ان پر ''تورات'' نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ الفاظ میں ایک قسم کا دعویٰ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم ہو اور حالاتِ ظاہرہ کے مطابق اس سے بڑا کوئی دوسرا جاننے والا نہ بھی ہو، تب بھی اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اس میں دعویٰ ہے جو کاملین کی شان کے خلاف ہے۔ عام بندہ تو ایسی بات کر سکتا ہے لیکن بڑوں کی پکڑ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہو جاتی ہے۔ ''حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ'' مقرب اگر وہی بات کر لیتے ہیں تو وہ ان کے لیے گناہ بن جاتا ہے اور عام بندے کر لیتے ہیں تو ان کے لیے حسنات ہوتی ہیں۔

ہمارے اکابر ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھتے تھے۔ چنانچہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اگر کوئی بندہ ایسا مسئلہ پوچھ لیتا جس کا جواب اُن کے پاس نہیں ہوتا تھا تو بلا تامل کہہ دیتے

تھے: ''لَا أَدْرِیْ'' (میں نہیں جانتا)۔ اور وہ ''لَا أَدْرِیْ'' کہنے سے خوش ہوا کرتے تھے۔ آج ہماری حالت یہ ہے کہ ہم جانتے بھی کچھ نہیں ہوتے اور جاننے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ میں تو سب جانتا ہوں۔ یہ ہماری جہالت کی دلیل ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وقت کے چیف جسٹس تھے۔ یہ ایک بڑا عہدہ تھا جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ مگر ان کی عادت تھی کہ جب کوئی بندہ ان سے کوئی بات پوچھتا اور وہ نہیں جانتے تھے تو وہ کہہ دیتے تھے: ''لَا أَدْرِیْ'' (مجھے نہیں پتہ)۔

ایک نوجوان نے امام صاحب سے کوئی مسئلہ پوچھا تو امام صاحب نے کہہ دیا: ''لَا أَدْرِیْ'' (مجھے نہیں پتہ)۔ یہ سن کر وہ نوجوان غصے میں آ گیا اور کہنے لگا: یہ کیا بات ہے؟ آپ کی تنخواہ آدھے بیت المال کے برابر ہے اور جب آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو آپ کہتے ہیں: ''لَا أَدْرِیْ'' (مجھے نہیں پتہ)۔ امام صاحب تحمل مزاج تھے، وہ اس بات پر غصے نہیں ہوئے، بلکہ جواب میں فرمایا: اے بھائی! یہ جو آدھے بیت المال کے برابر تنخواہ ہے، یہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملتی ہے، اگر یہ مجھے میری جہالت کی بنیاد پہ ملتی تو میری تنخواہ پورے بیت المال سے بھی زیادہ ہوتی۔ یہ سن کر وہ نوجوان ہنس پڑا اور اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

بھئی! ہمارے اکابر ہمیشہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ ہمارے علم سے ہماری جہالت زیادہ ہے۔ یعنی جتنا ہم جانتے ہیں، یہ کم ہے اور جتنا ہم نہیں جانتے وہ زیادہ ہے۔ ایسا کہنے سے انسان کے اندر عاجزی آتی ہے، وہ کبھی بڑا بول نہیں بولتا اور اس میں تکبر بھی پیدا نہیں ہوتا۔

② ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام یوشع بن نون کو ساتھ لے کر چلے جو اُن کے خادم تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی چھوٹے کو اپنی خدمت کے لیے ساتھ لے لینا اور اس کے

ذمے خدمت کو سپرد کرنا درست ہے۔ یوں بھی تنہا سفر کرنے کی ممانعت آتی ہے۔ تنہا سفر کرنا اچھا نہیں ہے، اگر کوئی ساتھ ہو تو بہتر ہوتا ہے۔

سرپرائز دینے کا بُرا انجام:

ایک صاحب امریکہ میں رہتے تھے۔ ان کے ذہن میں خیال آیا کہ میں اپنے ماں باپ کے پاس پاکستان واپس جاؤں...... وہاں کے لوگوں میں سرپرائز دینا بہت زیادہ پایا جاتا ہے، یعنی کسی بندے کو اچانک ملنا تا کہ وہ حیران ہو جائے...... اس نوجوان نے بھی سوچا کہ میں ماں باپ کو سرپرائز دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے کسی کو کچھ نہ بتایا۔ نہ اپنے دوستوں کو اور نہ ہی اپنے گھر والوں کو۔ خاموشی سے ٹکٹ بنوایا اور دفتر سے پندرہ دن کی چھٹی لے کر اس نے امریکہ سے سفر کرنا شروع کر لیا۔ بالآخر وہ فیصل آباد پہنچ گیا۔ جب وہ فیصل آباد پہنچا تو اس کے پاس سامان کے دو تین بڑے بڑے سوٹ کیس تھے اور رات کا وقت ہو چکا تھا۔ اس نے وہاں سے ایک ٹیکسی لی۔ وہ ٹیکسی لے کر اپنے گاؤں جانا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ اکیلا تھا اس لیے ٹیکسی والے کی نیت خراب ہو گئی۔ اس نے سمجھا کہ یہ مسافر ہے اور اس کے پاس کافی قیمتی سامان نظر آ رہا ہے۔ چنانچہ اس نے راستے میں اس اکیلے نوجوان کو قتل کر دیا اور اس کے سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعہ کا کسی کو پتا ہی نہیں تھا۔

اب ایک دن گزرا، دوسرا دن گزرا، جب پندرہ دن گزر گئے اور وہ نوجوان دفتر واپس نہ لوٹا تو دفتر والوں نے اس کے دوستوں سے رابطہ کیا کہ وہ بندہ پندرہ دن کی چھٹی گزار کر واپس کیوں نہیں آیا؟ تو دوستوں نے کہا کہ ہمیں تو پتا نہیں کہ وہ کہاں پہ ہے؟ اب جب انہوں نے پوچھ گچھ شروع کی تو انہوں نے گھر فون کیا کہ جی! وہ بندہ تو گھر چلا

گیا تھا۔ گھر والوں نے کہا کہ ہمیں تو اطلاع ہی نہیں تھی کہ وہ آیا ہے یا نہیں۔ ہمیں تو بالکل پتا نہیں ہے۔

اب نہ بھیجنے والوں کو پتا اور نہ گھر والوں کو پتا اور راستے میں یہ بندہ قتل بھی ہو گیا، اتنا بڑا واقعہ پیش آ گیا، مگر کسی کو پتا ہی نہیں تھا...... شریعت جو کہتی ہے کہ انسان اکیلا سفر نہ کرے، کوئی نہ کوئی اس کا ساتھی ہونا چاہیے، اس میں بڑی حکمت ہے، اس میں بندے کے لیے بڑی خیر ہے...... اس بندے کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ چونکہ اس نے نبی علیہ السلام کی سنت کی خلاف ورزی کی، جس کی وجہ سے اس کا یہ انجام ہوا۔

سنت یہ ہے کہ انسان سفر کرے تو جن کے ہاں جانا ہے ان کو پہلے سے بتا دے کہ بھئی! میں آ رہا ہوں، تا کہ وہ مہمان کو Receive (وصول) کرنے کی تیاری کر لیں، یہ سنت ہے۔ اس نے سنت کو چھوڑا اور نقصان اُٹھایا۔

(6)...... اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر شاگرد کو پتہ چلے کہ فلاں جگہ پر فلاں استاد ہیں جن سے میں پڑھ سکتا ہوں تو وہ خود اس استاد کے پاس چل کر جائے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کِتَابُ الْعِلْمِ'' میں ''بَابُ الْخُرُوْجِ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ'' کے ذیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ لکھا ہے۔

آج کے دور میں چونکہ لوگوں کے پاس مال پیسہ زیادہ ہے، اس لیے طالب علم کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے والد سے کہے کہ آپ فلاں استاد سے بات کریں، وہ مجھے گھر آ کر پڑھا دیا کریں۔ یعنی آج کا طالب علم یہ چاہتا ہے کہ اُستاد چل کر آئے اور گھر میں آ کر مجھے پڑھائے، خود چل کے جانا پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ شاگرد کا استاد کی طرف چل کر جانا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

④..... یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلب علم کے لیے کوئی عمر مخصوص نہیں، گو بچپن اور جوانی میں علم اچھی طرح حاصل ہوتا ہے، لیکن بڑھاپے میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو بھی عمر تھی، آپ نے اس عمر میں علم کے لیے سفر فرمایا۔ علم جہاں ملے، جب ملے اور جس سے ملے، اس کو حاصل کرنا چاہیے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے بڑی عمریں ہو جانے کے بعد بھی علم حاصل کیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی جب وہ ایمان لے آئے تھے۔ اب انہوں نے جتنی حدیثیں سنیں وہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد سنیں۔ یعنی انہوں نے جو علم حاصل کیا وہ ساٹھ سال کی عمر کے بعد حاصل کیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مولوی قسم کے صحابی تھے۔''

یعنی وہ ہر وقت علم کی طلب میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ حدیثوں کی روایت کرنے والے صحابی ہیں۔ یعنی جو سب سے بڑے محدث بنے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا۔ ساٹھ سال کے بعد کی عمر تو بڑھاپے کی عمر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے پنگھوڑے سے لے کر اپنی قبر میں جانے تک اپنے آپ کو طالب علم بنا کر ہی زندگی گزارے۔

⑤..... اگر کسی کو کسی بھی اعتبار سے کوئی فضیلت حاصل ہو اور اسے اپنے سے کم فضیلت والے کے پاس علم کی کوئی بات ملتی ہو تو اس کے حاصل کرنے میں عار نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام درجے میں حضرت خضر علیہ السلام سے بڑے تھے۔ خضر علیہ السلام اللہ کے ولی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، اور صاحبِ کتاب نبی تھے،

اُولوالعزم نبی تھے، مگر جب ان کو علم حاصل کرنا تھا تو وہ شوق کے ساتھ خضر علیہ السلام کے پاس گئے اور انہوں نے ان کے پاس جانے میں کوئی خفت محسوس نہیں کی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھی اکابر بھی اصاغر سے علمی فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ پڑھا رہے تھے۔ پڑھاتے پڑھاتے ایک ایسا پوائنٹ آیا کہ جو حل نہیں ہو رہا تھا...... کوئی ہمارے جیسا ہوتا تو وہ ویسے ہی بات گول کر جاتا، پتہ ہی نہ چلنے دیتا کہ یہ بھی کوئی حل طلب نکتہ ہے یا نہیں۔ طلبہ کو کیا پتہ؟ وہ تو پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ یہ تو استاد کا کام ہے کہ بتائے یا نہ بتائے، مگر وہ حضرات امین تھے۔ یہ علمی خیانت ہوتی ہے کہ اُستاد کے ذہن میں خود اشکال وارد ہو، جواب بھی سمجھ میں نہ آئے اور طلبہ کو بتایا بھی نہ جائے۔ ان حضرات سے تو وہ خیانت ہوتی نہیں تھی...... حضرت نے شاگردوں کو برملا بتا دیا کہ بھئی! دیکھو، اس مقام پر یہ اشکال وارد ہو رہا ہے، اگر آپ میں سے کوئی جانتا ہو تو وہ مجھے بتا دے...... آج کوئی استاد ایسا ہے جو شاگردوں کے سامنے یہ بات کرے؟...... ان کی بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے شاگردوں کو صاف بتا دیا، شاگردوں نے بھی عرض کیا: حضرت! ہمیں بھی معلوم نہیں ہے۔

اسی جامعہ کے ایک اور استاد تھے جو حضرت کے شاگرد تھے۔ وہ بڑے قابل تھے۔ حضرت نے اپنے اس شاگرد کا نام لیا اور کہا: اچھا! اگر آپ کے ذہن میں بھی اس اشکال کا جواب نہیں آ رہا تو میں ان سے پوچھ کر آتا ہوں...... دیکھیں! استاد اپنے شاگرد کی طرف چل کے جا رہا ہے...... چنانچہ انہوں نے بخاری شریف اُٹھائی اور اپنے اس شاگرد کی طرف جانے کے لیے چل پڑے۔

کسی طالب علم نے آگے بڑھ کر ان کو بتا دیا کہ حضرت آپ کے پاس یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ فوراً باہر آ گئے۔ چنانچہ برآمدے میں حضرت کی ان سے

ملاقات ہوگئی۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت نے ان سے کہا: مولانا! یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے، آپ کا علم تازہ ہے، آپ نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے بخاری شریف پڑھی ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کا جواب یاد ہو، اس لیے آپ مجھے بتادیجیے۔

وہ بھی حضرت کے ایک قابل شاگرد تھے، انہوں نے بخاری شریف کا جب وہ پوائنٹ دیکھا تو واقعی ان کو وہ پوائنٹ یاد تھا۔ اب انہوں نے ان کو یہ پوائنٹ بتانا تھا، مگر ان میں بھی تواضع تھی۔ انہوں نے یہ نہیں کہا: جی استاد صاحب! میرے خیال میں تو یہ ہے، میرے دل میں تو اس کا جواب یہ آرہا ہے، ایسا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے کتاب ہاتھ میں لے کر بات یوں شروع کی۔ ''حضرت! جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا اور آپ اس مقام پر پہنچے تھے تو اس وقت آپ نے اس اشکال کا جواب یوں دیا تھا۔'' اور اس کے بعد انہوں نے استاد کو اس مشکل مقام کا حل تفصیل سے بتادیا۔

اس جواب کو انہوں نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا تھا کہ میں بتارہا ہوں، بلکہ کہا کہ جب میں آپ کے پاس پڑھتا تھا اور اس وقت آپ اس جگہ پر پہنچے تھے تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا تھا۔ یعنی اس علم کو استاد کی طرف منسوب کیا، اپنی طرف منسوب نہیں کیا۔ یہ اصل علمیت ہوتی ہے۔

6۔ طلب علم کے لیے سفر کرنے میں سستی اور کوتاہی اختیار نہ کی جائے، جتنا بھی بڑا سفر ہو برداشت کیا جائے اور اس پر جو تکلیف پہنچے اسے بھی برداشت کیا جائے۔ جب انسان علم کی طلب میں مشقت اُٹھاتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اجر عطا فرماتے ہیں۔ آیت کریمہ میں جو الفاظ ہیں، أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا، اس کے بارے میں صاحب روح المعانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ یہ لفظ اسّی سال کی مدت کے لیے بولا جاتا ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ اگر مجھے یہ سفر اسّی سال تک جاری رکھنا پڑا تو

میں اس کو جاری رکھوں گا اور اس بندے سے ملوں گا جس سے مجھے علم حاصل ہوگا۔

❼ صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں یوں فرمادیا کہ میں اپنے سے بڑھ کر کسی عالم کو نہیں جانتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: ''بَلْ عَبْدُنَا الْخَضِرُ'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۳۸۰] (بلکہ، ہمارا ایک بندہ خضر ہے جو علم میں تجھ سے زیادہ ہے)۔ اس سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اس بندے کا نام پہلے سے بتادیا تھا۔

❽ ...لفظ ''خضر'' کا معنی ہے سبز۔ ان کا یہ نام کیوں مشہور ہوا؟ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرَ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلَى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَاهْتَزَّتْ تَحْتَهُ خَضْرَاءَ'' [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۱] (حضرت خضر علیہ السلام کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہ ایک جگہ بنجر زمین پر بیٹھے تو وہ نیچے سے ہری بھری ہوگئی)۔ گھاس چونکہ سبز ہوتی ہے اس لیے ان کا نام ''خضر'' پڑ گیا۔

❾ ......اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہمارا یہ بندہ ''مجمع البحرین'' میں ملے گا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جگہ دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ہے۔ بعض مفسرین نے بحر فارس اور بحر روم کے ملنے کی جگہ بتائی ہے۔

❿ ......چونکہ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم کے لیے مشقت اُٹھائیں، اس لیے جب مچھلی پانی میں چلی گئی تو یوشع بن نون نے سوچا کہ جب اُٹھیں گے تو میں ان کو بتادوں گا لیکن بعد میں شیطان نے بھلا دیا۔ اس طرح وہ اپنی منزل سے آگے چلے گئے اور پھر ان کو لوٹ کر واپس آنا پڑا۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے علم کا ایک مقام رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے علم حاصل کرنے کے لیے مشقتیں اُٹھائیں اور میں ان کو علم کے نور سے نوازوں۔

(11)...... جب حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں، تاکہ اللہ نے آپ کو جو علم دیا ہے اس علم سے آپ مجھے بھی کچھ سکھائیں۔ اسی طرح شاگرد کو چاہیے کہ جب وہ استاد کے پاس جائے تو اپنے آنے کا مدعا بیان کردے۔

(12)...... شاگرد کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے اگر استاد کوئی شرط لگانا چاہے تو اس کو شرط لگانے کی اجازت ہے۔ یا شیخ اپنے مرید کو ساتھ رکھنے کے لیے کوئی شرط لگانا چاہے تو اس کو بھی اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک شرط لگائی تھی کہ جب تک میں تمہیں خود نہ بتاؤں، آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھ سکتے۔

(13)...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ اگر آپ سے اب میں کوئی بات دریافت کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھیے، اس میں بڑی حکمت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میرا زیادہ دیر ان کے ساتھ رہنا اور سوال پوچھنا، یہ مشکل نظر آتا ہے تو انہوں نے خود ہی جدائی کی ایک خوبصورت شکل بتادی کہ اب میں اگر آپ سے سوال پوچھوں تو آپ مجھے الگ کردینا۔

یہاں سے مفسرین نے نکتہ نکالا ہے کہ اگر کبھی استاد اور شاگرد میں کسی بات پر اختلاف ہوجائے تو شاگرد کو جدائی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، مگر جدائی اختیار کرنے کا طریقہ بھی خوبصورت ہونا چاہیے، هَجْرًا جَمِيلًا (خوبصورت طریقے سے الگ ہو)۔ اسی طرح اگر کبھی کوئی مرید اپنے شیخ سے کسی بات پر اختلاف کر بیٹھے، کوئی ایسی وجہ پیش آجائے اور وہ الگ ہونا چاہے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ الگ ہو، مگر اس کو چاہیے کہ خاموشی اختیار کرے اور اگر کوئی پوچھے کہ آپ کیوں الگ ہوگئے ہو تو اتنا کہہ دے کہ اب مجھے مناسبت نظر نہیں آرہی...... بھئی! طبیعت کے اندر کبھی مناسبت ہوتی ہے اور کبھی

نہیں ہوتی۔ اگر طبیعت میں مناسبت نظر نہیں آرہی، کسی بات پر غصہ آگیا ہے یا کسی بات پر رنجش ہوگئی ہے تو انسان اتنی بات کردے کہ مجھے مناسبت نہیں ہے۔ بعض لوگ الگ ہوتے ہیں تو پتا نہیں کیا کیا غلط باتیں بنا کر اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے بندے کو بالکل ہی برا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ غلط کام ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۰) اگر طالب علم سے کوئی غلطی ہوجائے تو استاد کو اجازت ہے کہ وہ اس کو تنبیہ کرے۔ اور اگر وہ بار بار غلطی کرے تو تنبیہ میں سختی بھی کرسکتا ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی مرتبہ کہا تھا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ ؟﴾ صرف دو لفظ استعمال کیے تھے۔ اور اگر شاگرد دوبارہ غلطی کرے تو استاد اپنی تنبیہ کا Level (درجہ) بڑھا دے، مگر جواب ضرور دے۔ چنانچہ جب دوبارہ غلطی ہوئی تو پھر ایک تیسرا لفظ ساتھ بڑھا دیا اور فرمایا: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَكَ ؟﴾ اب تنبیہ بڑھا دی اور پھر آگے فرمایا: ﴿اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ البتہ ایک بات یاد رکھیں! تنبیہ کو تنبیہ ہی رہنا چاہیے، غصہ نہیں کرنا چاہیے۔ شاگرد اگر ہزار مرتبہ بھی کوئی بات پوچھے تو اچھا استاد وہ ہوتا ہے جو اسے ہزار مرتبہ بتائے اور غصہ نہ کرے۔ اس لیے کہ ہر طالب علم کی ذہنی سطح مختلف ہوتی ہے۔ کوئی ایسا شاگرد بھی ہوتا ہے کہ اس کو ایک مرتبہ کہی گئی بات سمجھ نہیں آتی، لہٰذا اگر اس کو بار بار سمجھانی پڑ رہی ہو تو اس سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ بتاتے رہنا چاہیے۔

باپ کی تحمل مزاجی بھی دیکھیے!

ایک نوجوان تھا۔ اس کا والد نابینا ہوگیا۔ وہ اپنے باپ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک وہ گراؤنڈ میں بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اپنے والد کو چائے پلا رہا تھا۔ اتنے میں چڑیا کی آواز آئی۔ باپ نے پوچھا: بیٹا! یہ کیا ہے؟ نوجوان نے کہا: ابو جی! یہ چڑیا ہے۔ پوچھا:

کس رنگ کی ہے؟ اس نے بتا دیا۔ تھوڑی دیر بعد باپ نے پھر پوچھا: یہ کس کی آواز ہے؟ اس نے کہا: چڑیا کی آواز ہے۔ باپ نے پھر پوچھا: اس کا رنگ کیسا ہے؟ بتا دیا کہ ایسا رنگ ہے۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا کہ یہ کس کی آواز ہے؟ اب تیسری مرتبہ پوچھنے پر اس نوجوان کو غصہ آ گیا اور اس نے غصے میں کہا: ابو! آپ کو بات سمجھ میں نہیں آ رہی، دو دفعہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں۔

جب وہ غصے ہوا تو اس کا والد کہنے لگا: بیٹا! تھوڑی دیر ادھر ہی ٹھہرو، میں آتا ہوں، چنانچہ وہ نابینا باپ اندر گیا...... اس نے الماری میں اپنی ڈائری رکھی ہوئی تھی، وہ جوانی میں اس ڈائری میں اپنی باتیں لکھا کرتا تھا...... وہ اپنی ڈائری اُٹھا کر لایا اور اس نے اپنے بیٹے سے کہا: بیٹا! اس کا فلاں صفحہ نکالو اور دیکھو کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ جب اس نے وہ صفحہ نکالا تو اس پر لکھا ہوا تھا کہ جب یہ نوجوان چھوٹا بچہ تھا، اس وقت اس کے باپ نے اس کو ایک گیند لے کر دیا تھا۔ اس وقت اس بچے نے اپنے باپ سے 30 مرتبہ پوچھا تھا کہ ابو! یہ کیا ہے؟ اور باپ نے ہر مرتبہ پیار سے کہا تھا: بیٹا! یہ گیند ہے۔

نوجوان نے جب یہ بات پڑھی تو والد نے کہا: دیکھو! جب تم بچے تھے تو تم نے مجھ سے 30 مرتبہ پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے اور میں نے ہر مرتبہ پیار سے تمہیں بتایا تھا کہ یہ گیند ہے، آج میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میں تم سے ایک بات تین مرتبہ پوچھتا ہوں اور تم غصے میں آ کر کہتے ہو کہ آپ کو میری بات کیوں سمجھ نہیں آ رہی۔

دیکھیے! باپ نے اپنے بچے کے ساتھ کتنا تحمل والا سلوک کیا ہوا ہوتا ہے، مگر جب وہ بچہ جوان ہو جاتا ہے تو اس بات کو بھول جاتا ہے اور اپنے باپ کے ساتھ بہت ہی بُرا سلوک کرنے لگ جاتا ہے۔

(15)...... جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام بستی میں پہنچے تھے اور تھکے ہوئے

تھے اور بھوک بھی لگی ہوئی تھی تو انہوں نے بستی والوں سے کھانا مانگا۔ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ایسے وقت میں جب بھوک لگی ہوئی ہو تو انسان اگر کسی سے کھانا مانگ بھی لے تو یہ کوئی بُری چیز نہیں ہے، بلکہ ضرورت کے وقت کھانا طلب کر لینا، یہ ایک شرعی چیز ہے۔

16 ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فرمایا کہ آپ چاہتے تو دیوار کے بنانے پر اُجرت لے لیتے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے کسی عمل پر اُجرت لینا بھی جائز ہے۔ اس لیے مزدور اگر مزدوری کرتے ہیں اور اُجرت لیتے ہیں تو ان کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔

17 ...... حضرت خضر علیہ السلام نے بستی والوں کی دیوار کو سیدھا کر دیا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ بُروں کے ساتھ اچھائی کرنا ہمارے بڑوں کا طریقہ رہا ہے۔ وہ صرف اچھوں کے ساتھ اچھائی نہیں کرتے تھے، بلکہ بُروں کے ساتھ بھی اچھائی کر لیا کرتے تھے۔

18 ...... اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ وقت کا بادشاہ کشتی کو غصب کر رہا تھا۔ کسی کے مال کو غصب کرنا، یہ حرام ہے۔

19 ...... یہ بھی پتہ چلا کہ اگر کوئی ظالم کسی سے کوئی چیز غصب کر رہا ہو تو اس کے غصب سے بچنے کے لیے تدبیر کرنے کی بھی اجازت ہے۔ جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار بنا دیا تھا۔

20 ...... یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک آدمی کی اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسی وجہ سے مشائخ اپنے مشائخ کی اولاد کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے لیے فکرمند رہتے ہیں، اگرچہ اولاد کے وہ احوال نہیں ہوتے جو اُن کے آباؤ اجداد کے تھے۔

21 ...... حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے اس کے والدین کو اولاد عطا فرمائی تھی۔ اس میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں یہ ہے کہ ان

کو ایک اور بیٹا ملا جو پہلے کی نسبت نیک بنا، ایمان والا بنا اور ماں باپ کا زیادہ فرمانبردار بنا۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹی عطا فرمائی، وہ بیٹی اتنی نیک بنی کہ اس کی اولاد میں اللہ نے ستر انبیاء کو پیدا فرمادیا۔ گویا کہ یہ ماں باپ کے لیے بڑا نفع کا سودا تھا کہ جن کی بیٹی کی اولاد سے اللہ تعالیٰ نے ستر انبیاء کو پیدا فرمادیا۔

⊕...... بہت سے جاہل صوفی یہ سمجھتے ہیں کہ طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور صاحبِ طریقت کے لیے شریعت پر چلنا لازم نہیں، یہ گمراہی اور کفر کی بات ہے، طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں، وہ تو شریعت کی خادمہ ہے، نفس کو احکامِ شریعت پر ڈالنے اور بشاشت کے ساتھ احکامِ شریعت کو ادا کرنے کی محنت کرنے کا نام ''تصوف'' ہے۔

⊕...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یوشع بن نون جو سفر پر ساتھ گئے، قرآن مجید کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تک پہنچنے میں تو وہ ان کے ساتھ رہے، اس کے بعد ان کا تذکرہ نہیں آیا۔ بلکہ ان کے کشتی میں سوار ہونے کے متعلق تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں نے آگے سفر شروع کیا۔ لگتا ہے کہ وہ غلام وہیں رہ گئے، اس سے آگے ساتھ نہیں چلے۔

⊕...... حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے۔ لیکن اس پر زیادہ علماء کا اجماع ہے کہ وہ ولی تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ''علم الافعال'' عطا فرمایا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے ان کے پاس یہ علم سیکھنے کے لیے بھیجا تھا۔

⊕...... اگر علم حاصل کرنے کا موقع ختم ہو جائے تو اچھا طالب علم وہ ہے کہ جو دل میں

اس بات پر افسوس کرے کہ میں مکمل علم حاصل نہ کر سکا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب نبی ﷺ پر وحی اُتری تو آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: "رَحِمَ اللّٰهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا" [صحیح بخاری، رقم: ۱۲۲] (اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے، اگر وہ کچھ صبر کر لیتے تو ہو سکتا ہے کہ خضر سے ہمیں اور باتوں کا بھی پتہ چل جاتا)۔ گویا کہ نبی علیہ السلام نے اس چاہت کا اظہار فرمایا کہ کاش! ہمیں مزید چیزیں سیکھنے کا موقع مل جاتا۔

دیوار کی اُجرت نہ لینے کا عذر:

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي

اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے

مطلب یہ ہے کہ میرا یہ بظاہر خلافِ شریعت فعل میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اور پچھلے دونوں افعال سب الہاماتِ الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔

فوائد السلوک:

۞..... بعض لوگ کاملین کے لیے خلافِ شرع امور جائز سمجھتے ہیں اور وہ حضرت خضر علیہ السلام کے اسی واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں، یہ ان کی کج فہمی ہے۔ کیونکہ حضرت خضر علیہ السلام کے یہ سب افعال بذریعہ وحی تھے، گویا کہ وہ شریعت تھی، بخلاف اولیاء کے ایسے کشف کے جو خلافِ شریعت ہو، یہ نور نہیں ہے ظلمت ہے، حق نہیں، باطل ہے۔ واجب العمل نہیں، واجب الترک ہے۔ لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وحی کی اطلاع نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے اعتراض کیا۔

۞..... ملکوتی صفات کے حامل اہل اللہ کی شان فرشتوں کی طرح ہوتی ہے۔ فرشتوں کے

بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا: ﴿وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے)... اور حضرت خضر علیہ السلام کا مقولہ نقل فرمایا ہے: ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ (اور میں نے کوئی کام اپنی رائے سے نہیں کیا)۔ وہ فنافی اللہ کے مقام پر ہوتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتے، بلکہ انہوں نے اپنی مرضی اللہ کی مرضی پہ قربان کی ہوتی ہے، اپنی چاہت کو اللہ کی چاہت میں فنا کیا ہوتا ہے۔

۞..... اہل اللہ کی تعبیرات لطیف اشارات کی حامل ہوتی ہیں، بہتر یہ ہے کہ ان کی تعبیرات بلفظہ نقل کی جائیں، روایت بالمعنیٰ نہ ہو، پہلا کلام بظاہر شر تھا، اور کشتی کو ظالم کے ہاتھ سے محفوظ رکھنا ماتحت الاسباب اُمور میں سے تھا، اس لیے فرمایا: ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا﴾... دوسرے واقعہ میں قتلِ غلام تو شر اور ماتحت الاسباب معاملہ تھا، لیکن اس کے بدلے میں نیک اولاد کا عنایت فرمانا خیر اور مافوق الاسباب امر تھا، تو فرمایا: ﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا﴾... تیسرا معاملہ خیر محض تھا تو فرمایا: ﴿فَاَرَادَ رَبُّكَ﴾... ''رَبُّهُمَا'' اور ''رَبُّكَ'' کی تعبیر میں پھر کتنی لطافت ہے، سبحان اللہ! ''قتل ولد'' کا معاملہ بظاہر کتنا ہی مکروہ تھا، مگر والدین کی روحانی تربیت کی یہ ایک لطیف تدبیر تھی، جس طرح کہ یہ سارے آپ کے لیے ناگوارِ طبع امور آپ کی تربیت و تعلیم کی صورتیں ہیں۔ نیز اہل قریہ سے ترکِ ضیافت پر اتنا ناراض نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے ساتھ احسان سے دست کشی اختیار کر لیں، کھلانے پلانے والی ذات تو کوئی اور ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

۞..... نبی علیہ السلام کے اپنے الفاظ اور ذاتی تعبیرات کی اپنی برکات ہیں۔ ہمارے اکابر روایت باللفظ کا بڑا خیال کرتے تھے، ایک ایک لفظ پہ تحقیق کرتے تھے۔ اگرچہ روایت

بالمعنی بھی جائز ہے۔ چنانچہ مسنون دعائیں جن الفاظ کے ساتھ منقول ہوتی ہیں، بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ پڑھی جائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کے بارے میں علماء اور طلبہ تحقیق کریں کہ اصل الفاظ کیا ہیں، اور یہ تحقیق کرنا بہت بڑی عبادت ہے۔ ایک مثال میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ ہم کھانا کھانے سے پہلے دعا پڑھتے ہیں: ''بِسْمِ اللهِ وَ عَلٰی بَرَكَةِ اللهِ'' حالانکہ حدیث پاک میں ''عَلٰی'' کا لفظ نہیں ہے، اگرچہ اس طرح پڑھنا جائز ہے، لیکن حدیث پاک میں صرف ''بِسْمِ اللهِ وَ بَرَكَةِ اللهِ'' ہے۔ چنانچہ اس طرح پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

روایت باللفظ کی اہمیت کا اندازہ بخاری شریف کی ایک حدیث سے لگا لیجیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی علیہ السلام نے مجھے ارشاد فرمایا کہ جب آپ رات کے وقت بستر پر سونے کے لیے آئیں تو ایسے وضو کرو جیسے نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، پھر اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جائیں، پھر یہ دعا پڑھ لیا کریں: ''أَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَ فَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَ رَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَ لَا مَنْجَأَ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، أَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَ بِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ'' (اے اللہ! میں نے تجھ سے اُمیدوار اور خائف ہو کر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور (اپنا) ہر کام تیرے سپرد کر دیا اور میں نے تجھے اپنا پشت و پناہ بنا لیا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) سوا تیرے پاس کے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اے اللہ! میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تُو نے نازل فرمائی ہے اور تیرے اس نبی پر (بھی) جسے تُو نے (ہدایت خلق کے لئے) بھیجا ہے)۔ پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ کو اسی رات موت آ گئی تو آپ کو فطرت اسلام پہ موت آئے گی۔ اور ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی کہ رات کو سوتے ہوئے آپ کے آخری الفاظ یہی

ہونے چاہئیں... حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے یہی دعا نبی علیہ السلام کے سامنے دہرائی، جب دعا پڑھتے پڑھتے میں ان الفاظ "أَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ" تک پہنچا تو میں نے "بِنَبِيِّكَ" کی جگہ "بِرَسُوْلِكَ" پڑھا۔ نبی علیہ السلام نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ نہیں، نہیں! "بِرَسُوْلِكَ" نہ پڑھیے، بلکہ آپ میرے سکھائے ہوئے الفاظ (وَ نَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ) ہی پڑھیے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۲۴۷]

اس میں علماء نے کئی نکتے لکھے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "نبی" عام ہے، تمام انبیاء اور رسولوں کو شامل ہے، جبکہ "رسول" خاص ہے، مخصوص انبیاء کو شامل ہے۔ کیونکہ بات ایمان رکھنے کی تھی، اس لیے "نبی" کے لفظ کا انتخاب فرمایا کہ میں تمام انبیاء (جن میں رسول بھی آجاتے ہیں) پر ایمان رکھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تنبیہ لطیف کا بیان: (۱)

ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾

یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تُو صبر نہ کر سکا

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تفسیر ہے ان واقعات کی حقیقت کی، جو آپ سے پوشیدہ رہی۔

فوائد السلوک: (۱)

.....علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہیں کرنا چاہیے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو تو اس کے انکار میں جلدی نہ کرے۔ ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو، اگر وہ عالم ہو،

دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، معلّم کا ادب کیا جائے، گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصوروار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہیے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔ [مظہری]

۞..... جس علم و فن سے انسان کو مناسبت ہو اسی کی طلب میں رہے، ورنہ طلب زیادہ نتیجہ خیز نہ ہوگی۔

۞..... اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کو چاہیے کہ مرید کو اس کی کمزوری کی طرف بار بار توجہ دلاتا رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال پر حضرت خضر علیہ السلام کا آنا:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آ گیا، سفید داڑھی، کھلتا ہوا رنگ، جسامت میں بھاری، آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا، پھر صحابہ کی طرف رخ کر کے کہا: ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے، اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے، تم انتظار کرو، دکھ ایسے شخص کا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ [مظہری]

حضرت خضر علیہ السلام دجال کا مقابلہ کریں گے:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ دجال مدینہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے

ایک شخص اس کے مقابلہ کے لیے نکلے گا، جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا۔ ابواسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یقال إنَّ هٰذا الرَّجل هو الْخَضِرُ علیہ السلام'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۸] (یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے)۔

حیات وموتِ خضر کا مسئلہ عقیدہ نہیں ہے:

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے مسئلہ ختم نبوت کو حیاتِ خضر کے منافی سمجھا ہے، اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ختم نبوت کے منافی نہیں، حضرت خضر علیہ السلام کی حیات بھی ایسی ہی ہوسکتی ہے۔

بعض حضرات نے حیاتِ خضر پر یہ شبہ کیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوکر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے، کیونکہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا۔ لیکن یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اور ان کی نبوت عام انبیاء شریعت سے مختلف ہو، ان کو چونکہ تکوینی خدمات منجانب اللہ سپرد ہیں، وہ ان کے لیے مخلوق سے الگ تھلگ اپنے کام پر مامور ہیں۔ رہا اتباعِ شریعتِ محمدیہ تو اس میں کوئی بعد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد سے انہوں نے اپنا عمل شریعت محمدیہ پر شروع کردیا ہو۔

ابوحیان نے تفسیر بحر محیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بھی نقل کیے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے: ''والجُمهُوْرُ علَى أنَّهٗ مَاتَ'' [تفسیر البحر المحیط: ۲/ ۱۴۸] (جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کی وفات ہوگئی)۔

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تمام اشکالات کا حل اس میں ہے جو حضرت سید احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے مکاشفہ سے فرمایا، وہ یہ کہ میں نے خود حضرت خضر علیہ السلام سے اس معاملہ کو عالم کشف میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس علیہ السلام ہم دونوں زندہ نہیں ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حضرت خضر علیہ السلام کی موت وحیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لیے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت ووضاحت نہیں کی گئی، اس لیے اس میں زیادہ بحث وتمحیص کی بھی ضرورت نہیں، نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے، لیکن چونکہ یہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے، اس لیے مذکورہ تفصیلات نقل کردی گئی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ میں سبق

علم کی انتہاء تک پہنچنا ناممکن: (۱)

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم دنیا میں جتنا بھی علم حاصل کرلیں، ہم سے زیادہ علم والا اور بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔ انسان کبھی بھی اشیاء کی حقیقت کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وقت کے نبی ہیں، اگر وہ بھی اشیاء کی حقیقت کا احاطہ نہ کرسکے تو ہماری کیا بات ہے؟ ہم کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟ ہماری کیا حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں اس واقعہ کو اس لیے بیان کردیا کہ سائنسی زمانہ آئے گا اور لوگ نئی نئی دریافتیں

کریں گے اور ان کو اپنے علم پہ بڑا ناز ہوگا کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں، ہم سب جانتے ہیں۔ جب وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم سب جانتے ہیں تو وہ دجال کے فتنے میں گرفتار ہو جائیں گے، اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کر دیا، تاکہ لوگو! سبق سیکھ لو کہ تم جتنا کچھ سیکھ جاؤ گے، تم سے اوپر بھی علم والا کوئی ہوگا، تم ہمیشہ سب کچھ سیکھنے کے بعد بھی یہ کہنا کہ اللہ ہی حقیقتِ حال کو بہتر جانتا ہے، تب تمہارا ایمان محفوظ رہے گا۔

آج بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو سائنسی ترقیات کی وجہ سے اپنے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ دین کے علم کو چھوٹا سمجھتے ہیں اور دنیا کے علم کو بڑا سمجھنے لگ جاتے ہیں، اس طرح وہ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہی دجالی فتنہ ہے۔ اس لیے سورۂ کہف انسان کو دجال کے فتنے سے بچانے کے لیے اس کی ذہن سازی کر دیتی ہے، ایسا ذہن بنا دیتی ہے کہ بندے کا ایمان محفوظ ہو جاتا ہے اور وقت کے فتنے اس کے ایمان میں رخنہ نہیں ڈال سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا وقت آئے تو اے اللہ! پہلے ہم سے راضی ہونا اور پھر ہمیں کلمے پہ موت عطا فرما دینا۔

انسان کا علم جتنا بھی بڑھ جائے، وہ چیزوں کے حقائق کا احاطہ کبھی بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝٧٦﴾ [یوسف:٧٦] (ان سب کے اوپر ایک بڑا علم رکھنے والا موجود ہے)۔ اس لیے انسان کبھی بھی اپنے علم پر ناز نہ کرے۔ بلکہ جو علم ملا ہے اس کو اللہ کا احسان مانے۔

مفت سے مفتی!!

ہمارے اکابر کو جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتا تو فوراً کہہ دیتے تھے: ''لَا أَدْرِيْ''

(مجھے نہیں پتہ)۔اور آج پتہ کچھ بھی نہیں ہوتا اور ہم مفتی بن کے ہر بات میں فتویٰ دے رہے ہوتے ہیں۔ مردوں کی بات تو مردوں تک ہے، گھر کی عورت سے بات پوچھ لو تو وہ بیچاری بھی مفتیہ بنی ہوئی ہوتی ہے، مگر وہ فتویٰ سے مفتیہ نہیں بنتی، وہ مفت سے مفتیہ بنتی ہے۔ پتہ نہیں ہوتا اور فتویٰ دے رہی ہوتی ہے کہ یہ تو ایسے ہے اور یہ تو ایسے ہے، ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہوتے ہیں کہ میرے خیال میں ایسے ہے۔ بھئی! شریعت کی بات پوچھ رہے ہیں، تمہارا خیال تو نہیں پوچھ رہے، اپنے خیال کو اپنے پاس رکھو، ہمیں تو شریعت کی بات چاہیے۔

انسان کائنات کے نظام کی حقیقت تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی حقیقت کو اللہ جانتا ہے یا جس کو اللہ وہ علم عطا فرمائے وہ بندہ جانتا ہے۔ اس واقعہ کو اس لیے بیان کیا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب سائنس کا زمانہ ہوگا، نئی نئی دریافتیں ہوں گی اور لوگ نئے نئے کام کریں گے اور یوں محسوس ہوگا کہ ہم یہ کام کر رہے ہیں۔

جینیٹک انجینئرنگ کے کرشمے: (۱)

آج کل سائنس کی ایک شاخ ہے۔ اس کو ''جینیٹک انجینئرنگ'' کہتے ہیں۔ یہ ''جینیٹک انجینئرنگ'' بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس طریقے سے پیدا کیا، ڈی این اے کے اندر وہ فائل ہے۔ اس کے اندر پورا کوڈ لکھا ہوتا ہے۔ انسان آج اس کوڈ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے اَن کوڈ کر رہا ہے۔ انسان نے اس کے تین ہزار سے زیادہ کوڈ کھول لیے ہیں۔ پتہ چل گیا ہے کہ بندے کی

......آنکھیں کالی کیوں ہوتی ہیں؟

......نیلی کیوں ہوتی ہیں؟

......رنگ سفید کیوں ہوتا ہے؟

......رنگ کالا کیوں ہوتا ہے؟

......بال سیدھے کیوں ہوتے ہیں؟

......آنکھیں کرلی (گھنگھریالے) کیوں ہوتے ہیں؟

اب پتہ چلتا جارہا ہے تو اگر انسان ڈی این اے کے اندر اپنی مرضی کی تبدیلی کرلے تو جیسی تبدیلی کرے گا، ہونے والا بچہ ویسا ہی پیدا ہوگا۔ گویا آنے والا بچہ انسان کی مَن مرضی کا پیدا ہوگا۔ اللہ نے انسان کو اتنا علم عطا فرمادیا ہے۔ یعنی ماں کے پیٹ کے اندر کاسمیٹک ورک ہوگا۔ ماں باپ پہلے جا کر ڈاکٹر کو بتائیں گے کہ ہم ایک ایسا بیٹا چاہتے ہیں، جس کی

......آنکھیں ایسی ہوں،

......رنگ ایسا ہو،

......بال ایسے ہوں،

اس طرح ڈاکٹر ان کی Specification دیکھ کر ڈی این اے کے اندر ویسی ہی تبدیلیاں کرے گا اور پھر اس کے ذریعے سے وہ عورت حاملہ ہوجائے گی اور اس کا بیٹا اسی طرح کا ہوگا جیسی اس کی Specification بتائی گئی ہوگی۔ چونکہ آنے والے وقت میں ایسا ہونا تھا جس کی وجہ سے انسانوں کے ایمان اللہ سے ہٹ جانے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خالق سمجھنا شروع کر دینا تھا، اس لیے اللہ نے ان کے ایمان کو بچانے کے لیے یہ واقعہ بیان فرمادیا کہ لوگو! تم علم جتنا بھی حاصل کرلو، تم کائنات کی حقیقتوں کا پورا علم کبھی بھی حاصل نہیں کرسکتے، تم اپنے آپ میں ہی رہو اور اپنی چادر سے

پاؤں باہر نہ نکالو۔ لہٰذا تم اللہ کو ہی اپنے سے بڑا علم والا سمجھو اور اللہ کے علم کے مطابق اپنی زندگی گزارو۔

یاد رکھیں! سائنس جتنی بھی ترقی کر جائے، یہ کبھی بھی تمام اشیاء کی حقیقتوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا اگر کسی کو علم ہو تو وہ اس کو اللہ کی طرف منسوب کرے اور یہی سمجھے کہ اللہ جو کرتا ہے اس میں خیر ہوتی ہے، اسی میں بہتری ہوتی ہے، ہم پوری طرح نہیں جانتے، اللہ ہی حکمت کو بہتر جانتے ہیں۔

فوائد السلوک: ۱

⊙.....اس سے معلوم ہوا کہ ایسے مغیبات پر مطلع ہو جانا اور ان کا منکشف ہو جانا مقاصد میں سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اکمل تھے، پھر بھی ان واقعات سے محجب رہے۔



تفسیر

سورة الرعد

رکوع نمبر 11

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

.....نبی علیہ السلام سے مشرکین کے سوال کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ذوالقرنین کون تھا؟
[آیت:۸۳]

ذوالقرنین کی مضبوط حکمرانی اور اس کی مادی طاقت کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۸۴]

..ذوالقرنین کے تین اسفار کا تذکرہ کیا گیا ہے:

پہلا سفر......مغربی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۸۵تا۸۸]

دوسرا سفر......مشرقی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۸۹تا۹۱]

تیسرا سفر......غالباً شمالی مہم کی فتوحات کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۹۲تا۹۷]

.....عقیدۂ آخرت پر یقینِ سکندری کو بیان کیا گیا ہے کہ میری بنائی ہوئی دیوار صورِ اسرافیل کے ساتھ ہی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔[آیت:۹۸]

.....مبادئ قیامت اور قیامت کو بیان کیا گیا ہے۔[آیت:۹۹]

⁂... کفار کا جہنم کو دیکھنے کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ [آیت:۱۰۰]

⁂... کفار کی دو علامتیں بیان کی گئی ہیں:

پہلی علامت...... اللہ کی یاد سے ان کی آنکھوں پہ پردہ پڑا ہوا ہے۔

دوسری علامت...... اور وہ سماعِ نافع کی طاقت نہیں رکھتے۔ [آیت:۱۰۱]

تین واقعات تین اُصول: (۱)

یہ بات گزشتہ سورت اور اس سورت کے مضامین کے سلسلہ میں بیان ہو چکی ہے کہ مشرکین مکہ نے یہودیوں کے ایماء پر حضور ﷺ سے تین سوال کیے تھے: پہلا سوال روح کے بارے میں تھا، جس کا مختصر جواب اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں دیا ہے۔ باقی دو سوالات اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق تھے، جن میں سے اصحابِ کہف کی تفصیل اسی سورت کی ابتدا میں بیان ہو چکی ہے اور ذوالقرنین کے متعلق بعض انکشافات اب آرہے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سورت میں مذکورہ تین واقعات میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے تین بنیادی قوانین بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ اصحابِ کہف کے واقعہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں استقلال کا قانون سمجھایا ہے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے والے اصحابِ کہف اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔

اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر ایماندار شخص کو اصحابِ کہف کے واقعہ سے استقلال کی تعلیم حاصل کر کے ایمان کے سلسلہ میں ہمیشہ مستقل مزاج رہنا چاہیے، جس طرح اللہ نے اصحابِ کہف کی حفاظت فرمائی، اسی طرح وہ ہر استقلال اختیار کرنے

والے شخص کی مدد فرمائے گا۔

دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا بیان ہوا ہے، جس میں ہمارے لیے صبر کی تلقین ہے۔ انسان کو چاہیے کہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ برداشت اُمور میں صبر کا دامن تھامے رکھے۔ مذکورہ واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کو بڑی پریشانی اُٹھانا پڑی، انہوں نے ہر چند برداشت کرنے کی کوشش کی، مگر وہ خضر علیہ السلام کی رفاقت کو قائم نہ رکھ سکے، خضر علیہ السلام نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میری معیت میں عجیب وغریب واقعات دیکھ کر صبر نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ ان تین واقعات کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام مزید معلومات حاصل نہ کرسکے اور دونوں حضرات میں جدائی واقع ہوگئی۔ گویا اس واقعہ میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ ہم صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑیں۔

اور تیسرا واقعہ ذوالقرنین کا ہے جس میں ہمیں شکر کی تلقین کی گئی ہے۔ جس طرح ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات پاکر اس کا شکر ادا کیا، اسی طرح ہمیں بھی ہمیشہ شکر کا التزام کرنا چاہیے۔ [تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ]

سکندر ذوالقرنین کا واقعہ

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۸۳﴾

اور یہ لوگ تم سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں ان کا کچھ حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

مشرکین مکہ نے نبی علیہ السلام سے جو تین سوالات پوچھے تھے، ان میں سے تیسرا سوال

یہ پوچھا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟

سوالِ مشرکین کا بیان: ①

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کے بارے میں

ذوالقرنین کا نام تھا سکندر۔ بعض مفسرین نے سکندر مقدونی کے بارے میں لکھا کہ شاید وہ سکندر ذوالقرنین تھا۔ مگر بہت سارے مفسرین نے اس کا انکار کیا؛ اس لیے کہ سکندر مقدونی ایک فاسق و فاجر آدمی تھا، جبکہ قرآنِ مجید میں سکندر ذوالقرنین کے بارے میں ہے کہ وہ ایک نیک آدمی تھا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مقبول درجہ رکھتا تھا۔ تو یہ ایک دوسرا ذوالقرنین ہے جس کا نام سکندر تھا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ ایک بڑھیا کا بیٹا تھا اور ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ کوئی بادشاہ نہیں تھا، بلکہ نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دلوں کی بادشاہی عطا فرمادی تھی؛ اس لیے کہ یہ جہاں بھی ہوتا تھا، لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچتے تھے اور یہ گویا ان کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ورنہ یہ کوئی حسب ونسب سے بادشاہ نہیں تھا۔

لفظ ''قرنین'' کی مختلف تفسیریں: ①

ان کو ''ذوالقرنین'' کیوں کہتے ہیں۔ ذوالقرنین یعنی دو قرن والا۔ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں:

① ...... عام لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید ان کے سر پر دو زخم تھے اور ان کو چھپانے کے لیے وہ عمامہ باندھا کرتے تھے، اس لیے ان کو ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

② ...... بعض مفسرین نے کہا: نہیں۔ چونکہ انہوں نے مشرق کا سفر کیا، END (آخر)

تک اور مغرب کا بھی سفر کیا END (آخر) تک۔ ان کو ''قرن'' کہتے ہیں۔ دو قرن کی وجہ سے ان کو ''ذوالقرنین'' کہتے ہیں۔ یعنی وہ بندہ جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے دونوں سروں تک جانے کی توفیق عطا فرما دی۔

③...... بعض مفسرین نے کہا: نہیں۔ اللہ رب العزت نے ان کو گورے اور کالے، ہر ایک کے اوپر ایک جیسا مقام عطا فرمایا تھا، اس وجہ سے ان کو ''ذوالقرنین'' کہا جاتا ہے۔

④...... بعض مفسرین نے لکھا کہ ان کے بالوں کی دو لٹیں تھیں۔ ان دو لٹوں کی وجہ سے ان کو ''ذوالقرنین'' کہا جاتا ہے۔

بہر حال اس سے تو بحث نہیں ہے کہ بنیادی وجہ کیا تھی، مگر ان کا نام ''ذوالقرنین'' بھی مشہور ہو گیا تھا۔

ذوالقرنین کی نبوت اور ولایت میں اختلاف: ①

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نبی تھے یا ولی تھے؟ اکثر مفسرین نے کہا کہ نبی نہیں تھے، بلکہ اللہ کے ولی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سکندر ذوالقرنین کون تھا؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا اور اس کی نیکی کی وجہ سے اس پر اللہ کی خاص رحمتیں تھیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اسباب کا علم بھی عطا کیا تھا اور اسباب مہیا بھی کیے تھے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سفر کرنا بھی آسان کر دیا تھا۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ بادلوں میں سفر کرتے تھے۔ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اُڑتا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی ایسا ملکہ دیا تھا کہ وہ بادلوں میں سفر کرتے تھے۔ حقیقتِ حال کو اللہ بہتر جانتے ہیں، لیکن کوئی ایسا سلسلہ ضرور تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک سفر کرتے تھے۔

ذوالقرنین کے چار فضائل:

ابن ابی حاتم نے بکر بن مضر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے ذوالقرنین کے بارے میں ان سے سوال کیا: کیا وہ نبی تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں، لیکن ان کو جو کچھ عطا کیا گیا تھا، وہ چار فضائل کی وجہ سے عطا کیا گیا تھا:

1. ...... ''كَانَ إِذَا قَدَرَ عَفَا'' (جب وہ کسی کو سزا دینے پر قادر ہوتے تھے تو معاف کر دیتے تھے)۔
2. ...... ''وَ إِذَا وَعَدَ وَفَى'' (جب وعدہ کرتے تھے تو اسے پورا کرتے تھے)۔
3. ...... ''وَ إِذَا حَدَّثَ صَدَقَ'' (جب بات کرتے تھے تو سچ بولتے تھے)۔
4. ...... ''وَ لَا يَجْمَعُ الْيَومَ لِغَدٍ'' (اور کل کے لیے جمع نہیں رکھتے تھے)۔

[تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

ذوالقرنین کی فقیری:

امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین ساری زمین کا بادشاہ تھا، سوائے مارب والی بلقیس کے۔ اور ذوالقرنین مسکینوں والے کپڑے پہنتا تھا، پھر وہ شہروں میں داخل ہوجاتا تھا اور وہ ان کے عیوب کو دیکھتا تھا، ان کے رہنے والوں کو قتل کرنے سے پہلے بلقیس کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے اپنا ایک قاصد بھیجا، تا کہ اس کی ایک تصویر بنا لائے، جب وہ اپنے مالک میں بیٹھا ہو اور ایک اس کی تصویر مساکین کے کپڑوں میں بنا لائے، بلقیس نے مساکین کو جمع کرنا اور ان کو کھانا کھلانا شروع کیا، اس کے پاس اس کا قاصد تصویر لے کر آیا، اس نے ایک تصویر اپنے قریب رکھی اور دوسری تصویر باب الاسطوانہ پر رکھی اور وہ ہر دن مساکین کو کھلاتی تھی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو

اس نے ایک ایک کو دیکھا، وہ باہر نکل رہے تھے، یہاں تک کہ ذوالقرنین مسکینوں کے لباس میں آیا اور اس کے شہر میں داخل ہوا، پھر مساکین کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھا، ان کی طرف کھانا قریب کیا گیا، جب وہ لوگ فارغ ہو گئے تو ان کو ایک ایک کر کے باہر نکالا گیا اور یہ اس کی صورت کی طرف مساکین کے کپڑوں میں دیکھ رہی تھی، یہاں تک کہ ذوالقرنین گزرے تو اس کی صورت کی طرف دیکھ کر کہا: ان کو بٹھا دو اور باقی مساکین کو نکال دو۔ ذوالقرنین نے اس سے کہا: تو نے مجھے کیوں بٹھایا؟ میں بھی تو مسکین ہوں۔ کہنے لگی: نہیں! تُو ذوالقرنین ہے، یہ تیری صورت مساکین کے کپڑوں میں بنی ہوئی ہے، اللہ کی قسم! مجھ سے جدا نہیں ہوگا، یہاں تک کہ تُو میرے لیے میری بادشاہت کے بارے میں امان لکھ دے یا میں تیری گردن اُتار دوں گی۔ جب ذوالقرنین نے یہ دیکھا تو اس کے لیے امان لکھ دی۔ سوائے بلقیس کے علاقہ کے اور کوئی علاقہ ذوالقرنین کی فتح سے نہیں بچا۔ [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

عجیب وغریب لوگ:

ذوالقرنین اپنے کسی سفر میں تھے کہ ایک قوم پر ان کا گزر ہوا، ان کی قبریں ان کے گھروں کے دروازہ پر تھیں اور ان کے کپڑے ایک ہی رنگ کے تھے اور وہ سب کے سب مرد تھے، ان میں کوئی عورت نہیں تھی۔ ان میں سے ایک آدمی سے انہوں نے ملاقات کی اور اس سے کہا: میں نے یہاں ایسی چیز دیکھی ہے جو میں نے اپنے سفروں میں کہیں اور نہیں دیکھی۔ پوچھا: وہ کیا ہے؟ ذوالقرنین نے جو کچھ اس قوم میں دیکھا تھا اس سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دروازوں پر قبریں اس لیے ہیں کہ ہم نے ان کو اپنے دلوں کے لیے نصیحت بنایا ہوا ہے، تا کہ کسی کے دل میں دنیا کا خیال نہ آئے۔

پس جب کوئی باہر نکلے تو اپنی قبروں کو دیکھ کر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے اور کہے کہ اس ٹھکانے کی طرف مجھے لوٹنا ہے اور اسی جگہ کی طرف مجھ سے پہلے والے لوگ لوٹ گئے ہیں، لیکن ہمارے ایک رنگ کے لباس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اعلیٰ کپڑے پہن کر اپنے ساتھی پر فضیلت نہ جتائے۔ باقی رہی یہ بات کہ یہاں سب مرد ہیں، ان کے ساتھ کوئی عورت کیوں نہیں؟ میری عمر کی قسم! ہمیں مرد اور عورت سے پیدا کیا گیا ہے، لیکن دل ایسا ہے کہ اگر کسی بھی چیز میں مشغول نہ ہو تو پھر بھی یہ عورت کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، اس لیے ہم نے اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو قریب ایک بستی میں بسایا ہوا ہے اور جب کوئی آدمی اپنے گھر والی کے ساتھ قرب کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنی بیوی کے پاس آتا ہے، ایک رات یا دو راتیں اس کے ساتھ گزارتا ہے، پھر یہاں واپس آجاتا ہے۔ اور ہم یہاں عبادت کے لیے اکیلے رہتے ہیں۔ میں تم کو کسی ایسی بات سے نصیحت نہیں کر سکتا جو تم نے خود اپنے نفسوں کے بارے میں تجویز کر رکھی ہے، مجھ سے آپ جو چیز مانگیں گے، میں آپ کو دے دوں گا۔ اس نے پوچھا: تُو کون ہے؟ کہا: میں ذوالقرنین ہوں۔ اس نے کہا: میں تجھ سے کیا سوال کروں جبکہ تو میرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہے؟ ذوالقرنین نے کہا: کس طرح؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز تک پہنچنے کا سامان عطا فرمایا ہے۔ پوچھا: کیا تُو اس بات پر قادر ہے کہ جو چیز میری تقدیر میں نہیں لکھی ہوئی، اس کو میرے پاس لائے اور کیا تُو مجھ سے وہ چیز دور کر سکتا ہے جو چیز میری تقدیر میں لکھی ہوئی ہے؟ [تفسیر در منثور]

تمہید قصہ:

قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾

کہہ! اب پڑھتا ہوں تمہارے آگے اس کا کچھ حال

مطلب یہ ہے کہ اس کی پوری تفصیل تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ساری تفصیل بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اختصار کے ساتھ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتلایا ہے وہ میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو زمین میں اقتدار بخشا تھا، اور انہیں ہر کام کے وسائل عطا کیے تھے۔

ذوالقرنین کی حکمرانی کا بیان: (۱)

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں

مطلب یہ ہے کہ ہم اس کو ایک مضبوط بادشاہت عطا فرمائی تھی، جس کی مثال تاریخ کفر میں نہیں ملتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنا دیا گیا تھا، ابر پر وہ سوار ہوتا تھا، اس کے ذرائع دراز کر دیے گئے تھے، اس کے لیے روشنی پھیلا دی گئی تھی، یعنی رات بھی اس کے لیے روشن کر دی گئی تھی، رات دن اس کے لیے برابر تھے، تمکین فی الارض کا یہی معنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لیے آسان کر دی گئی اور سارے راستے اس کے لیے کھول دیے گئے تھے۔ راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر

اندازہ نہ ہوتا تھا۔ [مظہری]

فوائد السلوک:

اس سے معلوم ہوا کہ مال و اسباب کا حاصل ہونا اور جاہ و سلطنت کا حصول، کمال کے منافی نہیں۔

ذوالقرنین کی مادی طاقت:

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾

اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان

اُسے ہر چیز کا سامان دیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ مقصد تک پہنچانے والے اسباب ہم نے ذوالقرنین کو دے دیئے تھے۔ چنانچہ:

......اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے وسائل کا علم بھی دیا تھا اور جب ان کو ضرورت پڑتی تھی تو ہر چیز ان کے لیے مہیا ہو جاتی تھی اور مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دے دیے تھے۔

......اسی طرح بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دے دی تھیں۔

......اور زمین کے کناروں کو ہم نے اس کے لیے قریب کر دیا تھا۔

فوائد السلوک:

......شیخ علی خواص فرماتے ہیں کہ اسباب کو ترک نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے، جنہوں نے اسباب کو اختیار کیا اور اس کے باوجود وہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (یعنی ایسے لوگ جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی)، لیکن اسباب کو اختیار کرنے سے پہلے صاحبِ دل بنے، اللہ والوں کی صحبت میں رہے اور اپنی فطرت کو نورانی کو چمکائے۔ پھر اسباب اختیار کرنا قربِ الٰہی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے: پہلے صاحبِ دل بنو، پھر بے شک صاحبِ مل بنو۔

اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا موازنہ:

٭ اصحابِ کہف، کافروں اور ظالموں سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین بادشاہ نے یاجوج ماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر دی تاکہ کوئی کافر، ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ و فساد برپا نہ کر سکے۔

٭ اصحابِ کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھکا تا ہوا چلا گیا۔

[معارف القرآن کاندھلوی: تحت ہذہ الآیۃ]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر:

ذوالقرنین، ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا اور ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا، مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی۔ ان کی دعا کی برکت سے مشرق و مغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارقِ عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ ساتھ علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے

تھے۔ [حوالہ بالا]

سکندر ذوالقرنین کے تین اسفار کا ذکر

﴿فَاَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾﴾

جس کے نتیجے میں وہ ایک راستے کے پیچھے چل پڑے۔

پہلا سفر...... مغربی مہم کا آغاز:

فَاَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے

یہاں سے ذوالقرنین کے پہلے سفر کے آغاز کو بیان کیا جا رہا ہے، جو کہ مغرب کی طرف ہوا تھا۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَۃٍ وَّ وَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ۬ؕ قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچے تو انہیں دکھائی دیا کہ وہ ایک دلدل جیسے (سیاہ) چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ اور وہاں انہیں ایک قوم ملی۔ ہم نے (ان سے) کہا: اے ذوالقرنین! (تمہارے پاس دو راستے ہیں) یا تو ان لوگوں کو سزا دو، یا پھر ان کے معاملے میں اچھا رویہ اختیار کرو۔

ذوالقرنین مغرب میں منتہائے آبادی پر:

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ

یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ

ذوالقرنین کو شوق ہوا کہ وہ دیکھے کہ دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے؟ چنانچہ اسی شوق میں وہ مغرب کی طرف اس جگہ پر پہنچا جہاں ایک دلدل تھی، جہاں نہ گزر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پا سکا۔

دنیا کا آخری کنارہ:

مجھے اپنی زندگی میں ایک ایسی جگہ دیکھنے کا موقع ملا، جس کو End of the World (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ لوگ لاکھوں روپے لگا کر اس کو دیکھنے کے لیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم عاجز مسکینوں کو دین کی نسبت سے وہاں پہنچا دیا...... وہ ایک ایسی جگہ ہے کہ جہاں پر آگے سمندر ہے...... اس کو دنیا کا آخری کنارہ کیوں کہتے ہیں؟...... اس کی وجہ بھی سمجھ لیجیے۔ وجہ یہ ہے کہ سورج عام طور پر ایک طرف سے طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف غروب ہوتا ہے۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں سال میں ایک دن ایسا آتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لیے آتا ہے اور غروب ہوتے ہوتے پھر طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے، وہاں پہ رات نہیں ہوتی۔ چونکہ اس جگہ پر یہ منظر دیکھا جا سکتا ہے اس لیے دنیا سے لاکھوں بندے اس دن خاص طور پر اس منظر کو دیکھنے کے لیے وہاں پہنچتے ہیں اور اس وجہ سے اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ وہ کنارہ ہے جہاں سے ہم سورج کو غروب ہوتے ہوئے اور طلوع ہوتے ہوئے آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

سورج غروب ہونے کا منظر: (۱)

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

پایا کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں

یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوب رہا ہے... دراصل اگر بندہ سمندر کے کنارے پر کھڑا ہو اور دور سے سورج کو ڈوبتا دیکھ رہا ہو تو یوں نظر آتا ہے کہ سمندر کے اندر سورج ڈوب رہا ہے، حالانکہ وہ سمندر کے اندر نہیں ڈوبتا، وہ تو دور ڈوب رہا ہوتا ہے، لیکن دیکھنے والے کو یوں لگتا ہے کہ سمندر کے اندر ڈوب رہا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ جیسے کوئی دلدل والا چشمہ تھا اور اس کے اندر سورج ڈوب رہا تھا۔

ذوالقرنین کی پہلی ملاقات، کافر قوم سے: (۱)

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا

اور پایا اس کے پاس لوگوں کو

حدیث پاک میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج کی طرف دیکھا۔ جب وہ غروب ہو رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نَارُ اللّٰهِ الحَامِيَةُ، لَوْ مَا يَزَعُهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ لَأَحْرَقَتْ مَا عَلَى الْأَرْضِ'' [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف] (اللہ کی گرم کی ہوئی آگ ہے، اگر اللہ نے اسے نہ روکا ہوتا تو یہ زمین پر سب کچھ جلا دیتا)۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے ایک گدھے پر سوار تھا، آپ ﷺ نے سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے پوچھا: ''أَتَدْرِي أَيْنَ تَغْرُبُ؟'' (کیا تو جانتا ہے یہ کہاں غروب ہوتا ہے؟) میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا

رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ پھر فرمایا: ''فإنها تغرب في عينٍ حامية، غير مهموزة'' (وہ ایک گرم چشمے میں غروب ہوتا ہے، یعنی بغیر ہمزہ کے پڑھا)۔[حوالہ بالا]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال نمبر 1: ﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ (ذوالقرنین کو سورج ایک سیاہ پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا)۔ سورج تو زمین سے بہت بڑا ہے، پھر زمین کے ایک چشمے میں ایسی وسعت کہاں کہ سورج اس میں غروب ہو جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَجَدَهَا﴾ (سورج کو پایا) کا مطلب ہے: ''وَجدها فی زَعْمِهٖ وَظَنِّهٖ'' (اپنے گمان وزعم کے مطابق غروب ہوتا ہوا پایا)۔ یعنی درحقیقت سورج اس میں غروب نہیں ہو رہا تھا، بلکہ ذوالقرنین کی نظر میں ایسا لگ رہا تھا۔ جیسا کہ سمندر میں سفر کرنے والا اگر سمندر کے وسط میں جا[illegible]آس پاس کے ساحل نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو سورج کو سمندر سے طلوع اور سمندر ہی میں غروب ہوتا دیکھے گا۔ اسی طرح ذوالقرنین چلتے چلتے مغرب تک پہنچ گئے، وہاں ایک عظیم چشمہ پایا اور دیکھا گویا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔

سوال نمبر 2: ذوالقرنین علی اختلاف الاقوال، نبی، مردِ صالح یا حکیم ہیں۔ ایسے عظیم آدمی پر سورج کے غروب ہونے کا معاملہ کیسے مشتبہ ہوا؟ حتیٰ کہ عقلاً ایک محال چیز (سورج کا زمین کے چشمے میں غروب ہونے) کا گمان کرنے لگے۔

جواب اوّل: انبیاء، اولیاء اور دانا لوگوں کے گمان بھی کبھی غلط ہوتے ہیں۔ اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیکھیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تینوں واقعات میں حضرت خضر علیہ السلام پر نکیر فرمائی۔

جواب ثانی: اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں، بڑے سے بڑے جسم کو چھوٹا کر سکتے ہیں اور سورج کے عظیم جسم کو چھوٹا کر کے زمین کو وسعت دینے پر قادر ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سورج کو سکیڑ کر زمین میں غروب کر دیں اور ہمیں اس کا ادراک نہ ہو۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۸، ۲۴۹]

فسادی قوم سے سلوک میں اختیار:

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو تُو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی

اللہ رب العزت نے الہام فرما کر ذوالقرنین کو یہ چوائس دیا تھا کہ یہ لوگ ایمان پہ نہیں ہیں، اگر آپ چاہیں تو ان کا قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو ان پر دین کی دعوت کو پیش کریں، جو دین قبول کر لیں وہ مامون ہو جائیں گے اور جو دین قبول نہیں کریں گے تو اگر آپ چاہیں تو پھر ان کو آپ سزا دے دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجتماعی نظام کے لیے ضروری ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے اور بدمعاشوں کی سرکوبی کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو نظامِ سلطنت بگڑ جائے گا اور ملک میں بدامنی پیدا ہو جائے گی، البتہ انگریزی قانون میں اس اصول کی پابندی نہیں کی جاتی، وہاں تو مفاد کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ کس طرف ہے، بعض اوقات مفاد کی خاطر غنڈوں کو بھی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں فتنہ وفساد کا بازار گرم ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ (ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! یا تو تُو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی)۔ یہ آیت ذوالقرنین کے نبی ہونے پر دلالت کررہی ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کیا۔

جواب: جولوگ ان کی نبوت کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ خطاب اس وقت کے نبی کے واسطے سے کیا۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ وغیرہ۔ بنی اسرائیل کو یہ خطاب وقت کے نبی کی وساطت سے ہے۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۹]

﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا﴾

انہوں نے کہا: ان میں سے جوکوئی ظلم کا راستہ اختیار کرے گا، اسے تو ہم سزا دیں گے، پھر اسے اپنے رب کے پاس پہنچا دیا جائے گا، اور وہ اسے سخت عذاب دے گا۔

ظالم کا انجامِ دنیوی:

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

بولا: جوکوئی ہوگا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے

یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار ملنے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دے دی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جوکوئی کفر پر جما رہا اور شرک کی

صورت میں اپنے او پر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے۔

ظالم کا انجامِ اُخروی:

ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾

پھر لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو برا عذاب

جو دعوتِ ایمانی کے باوجود کفر و شرک پر ڈٹا رہے گا تو آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے علم میں نہیں، وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔

﴿وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾﴾

البتہ جو کوئی ایمان لائے گا، اور نیک عمل کرے گا تو وہ بدلے کے طور پر اچھے انجام کا مستحق ہوگا، اور ہم بھی اس کو اپنا حکم دیتے وقت آسانی کی بات کہیں گے۔

مومن صالح کا انعامِ اُخروی:

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى

اور جو کوئی یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام، سو اس کا بدلہ بھلائی ہے

چنانچہ جو شخص ایمان اور عملِ صالح والا ہوگا تو اس کے لیے پھر اچھا بدلہ ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اگر اچھا عمل نہیں کیا تو نقصان کا باعث ہوگا۔ اور اگر ایمان ہی نہیں ہے تو پھر بربادی ہی بربادی ہے...... اِنْ كَانَ خَيْرًا فَخَيْرٌ وَاِنْ كَانَ شَرًّا فَشَرٌّ.

فوائد السلوک:

شیخ ابن عطاء ادمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "جزاء الحسنیٰ" سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رضا بالقضاء، مصائب پر صبر اور نعمت پر شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں اور اس کے دل سے دنیا اور نفس وشیطان کے وساوس کی محبت کو نکال دیتے ہیں۔

مومن صالح کا انعامِ دنیوی:

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی

یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہیں کریں گے، بلکہ اپنے کام کے لیے جب کوئی بات اس سے کہیں گے تو سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بُروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی روِش اختیار کی۔

﴿فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾﴾

اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔

دوسرا سفر...... مشرقی مہم کا آغاز:

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے

یعنی پہلے وہ مغرب کی طرف گئے اور جہاں سورج غروب ہوتا تھا وہاں پہنچ گئے۔

وہاں انہوں نے ایک قوم کو پایا اور اس کو دین کی دعوت دی۔ پھر دوبارہ سفر شروع کیا تو اللہ نے ان کو وہاں تک پہنچا دیا جہاں سورج طلوع ہوتا ہے۔

سورج ہمارے اعتبار سے مغرب میں غروب ہوتا ہے اور مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ یہ ہمارے حساب سے ہے، جہاں پہ ہمارا ملک ہے، لیکن ہر جگہ پر ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کے ملک تو مختلف جگہوں پہ ہیں۔ اس لیے کئی جگہ پہ ہوسکتا ہے کہ سورج ان کے حساب سے مغرب سے طلوع ہوتا ہو اور مشرق میں غروب ہوتا ہو۔ یہ تو الگ معاملہ ہے۔ کوئی قانون نہیں ہے۔ البتہ ہمارے ملک کے حساب سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ مشرق میں کہاں سے طلوع ہوتا ہے؟ مشرق کی سائیڈ پہ ملائیشیا، انڈونیشیا ملک ہیں، جزائر ہیں، پھر ان سے آگے جائیں تو آسٹریلیا ہے، پھر آسٹریلیا سے بھی آگے ایک ملک ہے جس کو ''فجی'' کہتے ہیں۔ ''فجی'' کے اندر وہ سمندر ہے جہاں کھڑے ہو کر دیکھیں تو دنیا میں سب سے پہلے سورج طلوع ہوتا ہوا بندے کو نظر آتا ہے۔ تو سورج طلوع ہوتا ہے مشرق میں فجی کے ملک سے اور غروب ہوتا ہے مغرب میں۔

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے مشرق میں فجی تک بھی جانے کی توفیق عطا فرمائی اور مغرب میں جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہاں بھی جانے کی توفیق عطا فرمائی۔

﴿حَتّٰٓي اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝﴾

یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جسے ہم نے اس (کی دھوپ) سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ مہیا نہیں کی تھی۔

ذوالقرنین مشرق میں منتہائے آبادی پر:

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ

یہ ذوالقرنین کے دوسرے سفر کا ذکر ہے، اس سفر میں وہ دنیا کی انتہائی مشرقی آبادی تک جا پہنچے تھے۔

ذوالقرنین کی دوسری ملاقات، وحشی قوم سے:

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ

پایا اس کو کہ نکلتا ہے ایک قوم پر

انتہائے مشرق میں ان کی ملاقات ایک ایسی قوم سے ہوئی، جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں، یہ لوگ وحشی جانگلو ہوں گے، گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا، جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب ذوالقرنین مطلع الشمس پر پہنچا تو فرشتے نے اسے کہا: اے ذوالقرنین! ''صِفْ لِيَ النَّاسَ'' (تو میرے لیے لوگوں کی صفات بیان کر)۔ ذوالقرنین نے کہا: ''إِنَّ مُحَادَثَتَكَ مَنْ لَا يَعْقِلُ بِمَنْزِلَةِ مَنْ يَضَعُ الْمَوَائِدَ لِأَهْلِ الْقُبُوْرِ، وَ مُحَادَثَتَكَ مَنْ يَعْقِلُ بِمَنْزِلَةِ مَنْ يَبُلُّ الصَّخْرَةَ حَتّٰى تَبْتَلَّ،

أَوْ يَطْبِخُ الحَدِيدَ يَلْتَمِسُ أُدْمَهُ وَ نَقْلُ الحِجَارَةِ مِنْ رُؤُوسِ الجِبالِ أَيسَرُ مِنْ مُحادَثَتِكَ مَنْ لَّا يَعْقِلُ'' [تفسیر درمنثور، تحت ہذہ الآیۃ] (تیرا ایک کم عقل سے بات کرنا اس شخص کی طرح ہے جو قبر والوں کے سامنے کھانا رکھتا ہے اور تیرا عقل مند آدمی سے بات کرنا اس طرح ہے جو چٹان کو پانی سے تر کرتا ہے، تاکہ وہ گیلی ہوجائے یا لوہے کو پکاتا ہے، تاکہ سالن حاصل کرے اور پتھر کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے منتقل کرنا زیادہ آسان ہے، بے عقل شخص کے ساتھ گفتگو کرنے سے)۔

قوم کے طرزِ زندگی کا بیان:

لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝۹۰

کہ نہیں بنادیا ہم نے ان کے لیے آفتاب سے ورے کوئی حجاب

یعنی اس قوم کے پاس دھوپ سے بچاؤ کے لیے کوئی اوٹ نہیں تھی، بلکہ سورج کی کرنیں ان پر براہِ راست پڑتی تھیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم کو ذکر کیا گیا کہ وہ لوگ اپنی زمین میں تھے کہ ان کے لیے کوئی چیز قائم نہیں رہتی تھی، جب سورج طلوع ہوتا تو وہ لوگ سرنگوں میں داخل ہوجاتے، یہاں تک کہ جب سورج غروب ہوجاتا تو اپنی کھیتیوں اور اپنے گزر بسر کے سامان کی طرف چلے جاتے۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ سرخ رنگ اور چھوٹے قد کے تھے، ان کے ٹھہرنے کی جگہیں غاریں تھیں اور ان کی معیشت کا دارومدار مچھلی پر تھا۔

﴿كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝۹۱﴾

واقعہ اسی طرح ہوا، اور ذوالقرنین کے پاس جو کچھ (سازوسامان) تھا، ہمیں اس کی پوری پوری خبر تھی۔

ذوالقرنین کی وسعتِ سلطنت کا بیان:

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر

یعنی ذوالقرنین کے پاس جو کچھ تھا، سامانِ سفر، وسعت اقتدار، فوج، مال واسباب، آلاتِ جنگ، علمی ذرائع، غرض اس کی ساری بیرونی اور اندرونی طاقت یا جو صلاحیتیں تھیں، ہم اس سے پوری طرح باخبر ہیں، ہمارا علم اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ہمارے سوا کسی کو کیا معلوم۔ مطلب یہ ہے کہ فی الحقیقت واقعہ اتنا ہے جتنا ہم نے بتلا دیا، باقی تاریخ والے اس کے سوا جو کہتے اور لکھتے ہیں، وہ یقینی نہیں۔

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾﴾

اس کے بعد وہ ایک اور راستے کے پیچھے چل پڑے۔

تیسرا سفر......غالباً شمالی مہم کا ذکر:

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے

یہ اب پھر تیسرا سفر شروع ہوا۔ یعنی ایک سفر تھا غروبِ شمس کی طرف، ایک سفر تھا

طلوع شمس والی جگہ کی طرف اور اب ان کا تیسرا سفر پھر شروع ہوا۔

﴿ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ ﴾

یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں ان پہاڑوں سے پہلے کچھ لوگ ملے جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔

ذوالقرنین کی تیسری ملاقات، یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم سے:

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ، پائے ان سے ورے ایسے لوگ، جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات

"سَدَّیْن" سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی تھی، تا کہ یاجوج و ماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں، بیچ میں دیوار حائل ہو جائے۔

ذوالقرنین جس قوم کے پاس پہنچے اس قوم کے لوگ ان کی بات تو نہیں سمجھ سکتے تھے، لیکن لگتا ہے کہ انہوں نے ذوالقرنین کو جب دیکھا تو اشاروں سے ان کو اپنا مسئلہ بتایا۔ ذوالقرنین ان لوگوں کی بات نہیں سمجھتے تھے اور وہ لوگ ذوالقرنین کی زبان سے واقف تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اگلی آیات میں ذوالقرنین اور اس قوم کے درمیان مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔

ترجمان کی ضرورت:

ظاہر ہے کہ یہ بات چیت کسی ترجمان کی وساطت سے ہوئی ہوگی۔ مختلف زبانیں

جاننے والوں کے درمیان ترجمانی کا طریقہ قدیم زمانے سے رائج ہے۔ حضور ﷺ نے دعوتِ اسلام کے سلسلے میں ۷ ہجری میں مختلف سلاطین کو خطوط بھیجے تھے، ایک خط قیصر روم کے نام بھی تھا، جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ دحیہ رضی اللہ عنہ نے حسب ہدایت قیصرِ روم کے گورنر کے ذریعے وہ خط پہنچایا۔ قیصر اپنی نذر پوری کرنے کے لیے بیت المقدس گیا ہوا تھا، واپسی پر اسے خط پیش کیا گیا اور خط پڑھنے کے لیے ترجمان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ خط کے مندرجات سے آگاہی حاصل کرنے سے قبل ہی اس نے حکم دیا کہ اس کے علاقے میں اگر کوئی عرب شخص موجود ہو تو اسے بھی پیش کیا جائے، تاکہ وہ اس سے خط بھیجنے والے کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکے۔ ان دنوں ابوسفیان رضی اللہ عنہ (حالتِ کفر میں) ایک تجارتی قافلے کے ساتھ موجود تھے، ان کو بادشاہ کے دربار میں پیش کر دیا گیا۔ بادشاہ نے ابوسفیان کی عزت افزائی کی، ان کو آگے بٹھایا اور ان کے ساتھیوں کو پیچھے جگہ دی، پھر ترجمان کو بلایا گیا جو عربی اور رومی زبانوں سے واقف تھا، اس کے بعد ساری گفتگو اسی کے ذریعے ہوئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین اور اس شمالی قوم کے درمیان گفتگو بھی کسی ترجمان کے ذریعے ہی ہوتی ہوگی؛ کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے تھے۔

﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝۹۴﴾

انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں۔ تو کیا ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کر سکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنا دیں؟

یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم کی درخواست:

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

بولے: اے ذوالقرنین! یہ یاجوج ماجوج دھوم اُٹھاتے ہیں ملک میں

اس قوم کا مسئلہ یہ تھا کہ وہاں پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم تھی جس کو یاجوج ماجوج کہتے ہیں۔ وہ ان کے پاس آجاتے تھے، ان سے قتال کرتے، تنگ کرتے، لوٹتے تھے اور پھر واپس چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ ان کے ساتھ لڑ کر مقابلہ نہیں کر سکتے تھے؛ اس لیے یہ ان سے بہت تنگ تھے اور نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

''یاجوج ماجوج'' کو ''یاجوج ماجوج'' کیوں کہتے ہیں؟

''یاجوج ماجوج'' عجمی الفاظ ہیں، بعض کے نزدیک عربی ہیں۔ یہ دونوں لفظ ''أجیج النّار'' (آگ کا شعلہ، بھڑک، شرارہ) سے ماخوذ ہیں۔ کثرتِ تعداد کی وجہ سے ان کو آگ کے شعلوں اور چنگاریوں سے تشبیہ دی گئی۔ [تفسیر مظہری]

فساد کسے کہتے ہیں؟

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اَلْفَسَادُ هُوَ إِظْهَارُ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى'' (فساد یہ ہے کہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے)۔

اہل فساد کی اقسام:

حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''أَهْلُ الْفَسَادِ سَبْعَةٌ: اَلْمُشْرِكُ وَ الْمُنَافِقُ وَ الْمُبْتَدِعُ وَ السُّلْطَانُ الْجَائِرُ وَ السُّوقِيُّ الْغَشُومُ وَ الْعَابِدُ الْمُرَائِي وَ الزَّاهِدُ

''المتکبر'' (سات قسم کے لوگ فسادی شمار ہوتے ہیں: مشرک، منافق، بدعتی، ظالم بادشاہ، ایسا بازاری شخص جو دوسروں کو بے وقوف بنانے والا ہو، ریا کار عبادت گزار اور متکبر زاہد)۔

دل، نیت اور روح کا فساد:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں:

- ''فَسَادُ القُلُوبِ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا'' (دل کا فساد... دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے)۔
- ''فَسَادُ النِّیَّةِ مِنَ الحِرْصِ وَ الطَّمَعِ وَ اتِّبَاعِ الھَوٰی'' (نیت کا فساد... حرص، لالچ اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے ہوتا ہے)۔
- ''فَسَادُ الْأَرْوَاحِ مِنْ حُبِّ الْبَقَاءِ وَ طُوْلُ الْأَمَلِ'' (روح کا فساد... ہمیشہ زندہ رہنے اور لمبی اُمیدوں کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے)۔

دیوار بنانے کی فرمائش:

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾

سو تُو کہے تو ہم مقرر کر دیں تیرے واسطے کچھ محصول، اس شرط پر کہ بنا دے تُو ہم میں اور اُن میں ایک آڑ

جب انہوں نے سکندر ذوالقرنین کو دیکھا تو آ کر ان کو اپنا مسئلہ بتایا اور کہا کہ ہمیں ان سے بچاؤ کا کوئی راستہ بتا دیں، ہم آپس میں پیسے جمع کرتے ہیں، ہم آپ کو وہ پیسے دے دیں گے، چاہے آپ ٹیکس لگا کر ہم سے وصول کر لیں۔

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾﴾

ذوالقرنین نے کہا: اللہ نے مجھے جو اقتدار عطا فرمایا ہے، وہی (میرے لیے) بہتر ہے۔ لہٰذا تم لوگ (ہاتھ پاؤں کی) طاقت سے میری مدد کرو، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنادوں گا۔

تعاون سے استغنائے سکندری:

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

بولا: جو مقدور دیا مجھ کو میرے رب نے، وہ بہتر ہے

ذوالقرنین نے کہا کہ جس مال میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے، وہ بہت کچھ ہے، لہٰذا مال کی تو مجھے ضرورت نہیں۔

اس سے مفسرین کرام یہ بات بھی اخذ کرتے ہیں کہ کسی اچھی حکومت کے مناسب حال نہیں کہ وہ لوگوں سے بلاوجہ ٹیکس وصول کر کے اپنی عیاشی کے کاموں میں خرچ کرے، بلکہ اچھی حکومت وہ ہے جو سکندر ذوالقرنین کی طرح لوگوں کی بے لوث خدمت کرے۔

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
اگر کوئی زرہ محفوظ رکھتی ہے تو استغناء

جانی تعاون کا مطالبہ:

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ

سو مدد کرو میری محنت میں

ذوالقرنین نے ان سے کہا کہ مجھے تمہارے مال کی بجائے بندوں کی ضرورت ہے، تم مل کر اس کام میں میری مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا

دوں گا۔

وعدۂ سکندری کا بیان: (۱)

أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

بنادوں تمہارے ان کے بیچ ایک دیوار موٹی

مقصد یہ تھا کہ میں تم سے مالی امداد نہیں چاہتا، بلکہ عملی امداد چاہتا ہوں، تا کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کردوں، جس سے ان کا راستہ بند ہوجائے اور پھر وہ تمہاری سرزمین میں نہ آسکیں۔

آج کل کے سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں کی طرح معاملہ نہیں کیا کہ وعدے تو کر جاتے ہیں، لیکن بعد میں یا تو مکر جاتے ہیں یا ٹال مٹول کرتے ہیں، لوگوں کو اُلو بناتے ہیں۔ آئے روز کے واقعات ہیں کہ کاغذات میں کئی مرتبہ سکول، ہسپتال، پُل وغیرہ بنائے گئے، وہاں کے عملہ کے لیے تنخواہیں ماہانہ دی جاتی رہیں اور مرمتیں ہوتی رہیں، لیکن حقیقت میں ان چیزوں کے نام ونشان تک نہیں تھے۔

لوگوں کو اُلو بنانے کا طریقہ بھی ان کو آتا ہے۔ ایک کامیاب سیاستدان کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے پاس لوگ آئے کہ ہمارے علاقے میں سوئی گیس کے لیے انتظامات کریں تو وہ کہنے لگا کہ دیکھو بھائی! سوئی گیس لائن بچھانے کے لیے روڈ کو توڑنا پڑتا ہے اور تمہارے پاس تو روڈ ہی نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اب تو لائن بچھانا آسان ہے، کہنے لگا: نہیں جی! یہ تو قانون کے خلاف ہے کہ جب روڈ ہی نہیں ہے تو پائپ لائن کیسے بچھائیں؟ یہ تو مشاہدے کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا: چلو! پہلے روڈ بنائیں۔ وہ کہنے لگا: کمال کرتے ہو، جب روڈ بنیں گے تو انہیں توڑنا بھی تو پڑے گا، یہ تو نقصان

ہے۔ دیکھو! آپ کے پاس روڈ ہی نہیں ہے، اب لائن تو بچھ نہیں سکتی۔ اور اگر روڈ بنائیں تو اسے توڑنا پڑے گا، یہ بھی نقصان ہے۔ لہٰذا آپ کے ہاں سوئی گیس لائن نہیں بچھ سکتی۔ اور لوگ بھی یہ منطق تسلیم کر کے وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔

﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾﴾

مجھے لوہے کی چادریں لا دو، یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلا کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ، یہاں تک کہ جب اس (دیوار) کو لال انگارا کر دیا تو کہا کہ: پگھلا ہوا تانبا لاؤ، اب میں اس پر انڈیلوں گا۔

آلاتی تعاون کا مطالبہ: (1)

اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ

لا دو مجھ کو تختے لوہے کے

مطلب یہ کہ تم لوگ میری جسمانی اور آلاتی مدد کرو۔ لوہے کی چادریں یا ٹکڑے لے آؤ۔

تعمیر کا پہلا مرحلہ: (1)

حَتّٰٓي اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا

یہاں تک کہ جب انہوں نے دونوں پہاڑی سروں کو ایک دوسرے سے ملا دیا تو کہا کہ اب آگ دہکاؤ

انہوں نے ایک سائیڈ پر پتھر کی بھی دیوار بنائی اور اس کے ساتھ لوہے کی چادروں کو بھی کھڑا کرتے گئے۔ پھر جہاں لوہے کی چادروں کو جوڑ آتا تھا وہاں پر انہوں نے لکڑی اور کوئلے کو بھی رکھ دیا۔ جب اس طرح پوری دیوار بن گئی تو اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب ان لکڑیوں کو جلاؤ۔ چنانچہ اس لکڑی اور کوئلے کو جلایا گیا۔ اس سے وہ اتنے گرم ہو گئے کہ وہ جو لوہے کی چادریں تھیں، گرم ہو کر بالکل سرخ ہو گئیں۔ جب وہ گرم ہو کر سرخ ہو گئیں تو ذوالقرنین نے کہا کہ اب مجھے پگھلا ہوا تانبا دو۔ چنانچہ انہوں نے پگھلا ہوا تانبا انڈیلا تو جہاں جہاں جوڑ تھے، وہاں تانبا جا کر بیٹھ گیا اور جو چادریں تھیں وہ آپس میں جڑ گئیں اور یوں دو پہاڑوں کے درمیان لوہے کی دیوار بن گئی۔

آج کے زمانے میں جو لوگ جانتے ہیں کہ لوہے کو جوڑنے کے لیے ویلڈنگ کا کام ہوتا ہے، اس میں بھی یہی طریقہ ہے۔ چونکہ گیس موجود ہے۔ گیس کے سلنڈروں کے آگے آگ لگا دیتے ہیں جس سے ایک تیز شعلہ بن جاتا ہے۔ پھر اس شعلے سے لوہے کو گرم کیا جاتا ہے، اس طرح لوہے کی چادر سرخ ہو جاتی ہے۔ ایک ویلڈنگ راڈ ہوتا ہے جو دراصل تانبا ہی ہوتا ہے، اس تانبے کو پگھلاتے ہیں اور وہ لوہے کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتا ہے۔ یعنی آج کے دور میں جو کچھ سائنسی طور پر کیا جاتا ہے، سکندر ذوالقرنین نے اپنے وقت میں موٹے انداز سے وہی کام کیا تھا کہ آگ جلا کے لوہے کو گرم کیا تھا، پگھلا ہوا تانبا ڈالا تھا اور لوہا آپس میں جڑ کر ایک مضبوط دیوار بن گیا تھا۔

سدِ سکندری کہاں واقع ہے؟

اس دیوار کو قرآن مجید میں ''سد'' کہا گیا۔ یہ دیوار دنیا میں آج بھی موجود ہے۔

۞......بعض مفسرین کہتے ہیں کہ چین کی دیوار ''سد'' ہو سکتی ہے۔ مگر نہیں، چونکہ چین کی

دیوار فقط پتھر کی بنی ہوئی ہے، اس میں لوہا استعمال نہیں ہوا، قرآن مجید میں جس کو 'سد' کہا گیا، اس میں لوہے کا استعمال یقینی ہے، اس لیے وہ دیوار سد سکندری نہیں ہوسکتی۔

ایک دیوار اور بھی ہے۔ وہ ''بخارا'' اور ''ترمذ'' کے درمیان ''دربند'' علاقہ میں ہے۔ وہاں پہ بھی ایسے ہی تھا۔ لوگوں کو ڈاکوؤں سے تنگی تھی اور ایک درہ تھا جہاں سے ڈاکو آجایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس درکو بند کردیا تھا اور اس شہر کا نام ''دربند'' پڑگیا تھا۔ یہ ''دربند'' کی سدّ بھی مشہور ہے، مگر یہ بھی فقط پتھروں کی بنی ہوئی ہے، یہ بھی وہ سد سکندری نہیں ہوسکتی۔

...... ایک اور دیوار بھی ہے جو ''قفقاز'' کے علاقہ میں ہے۔ یہ علاقہ ''چیچنیا'' کے قریب ہے۔ وہاں پر دو پہاڑ ہیں اور ان کے درمیان ایک دیوار ہے، اس دیوار کی ایک سائیڈ پر پتھر بھی ہیں اور دوسری سائیڈ پر اس میں لوہا آج بھی نظر آتا ہے۔ چونکہ اس میں لوہا بھی ہے، اس لیے بہت سارے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ دیوار وہی سد سکندری تھی جسے سکندر ذوالقرنین نے بنایا تھا، لیکن حقیقتِ حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

تعمیر کا دوسرا مرحلہ:

حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾

یہاں تک کہ جب کردیا اس کو آگ، کہا: لاؤ میرے پاس کہ ڈالوں اس پر پگھلا ہوا تانبا

جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہوکر تپنے لگا، اس وقت پگھلا ہوا تانبا اوپر سے ڈالا جو لوہے کی درزوں میں بالکل پیوست ہوکر جم گیا اور سب مل کر پہاڑ سا بن گیا۔

یہ سب کام اس زمانہ میں بظاہر خارق عادت طریقہ سے انجام پائے ہوں گے، جسے ذوالقرنین کی کرامت سمجھنا چاہیے۔ یا ممکن ہے کہ اس وقت اس قسم کے آلات و اسباب

پائے جاتے ہوں، جن کا ہمیں اب علم نہیں۔

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

چنانچہ (وہ دیوار ایسی بن گئی کہ) یاجوج ماجوج نہ اس پر چڑھنے کی طاقت رکھتے تھے، اور نہ اس میں کوئی سوراخ بنا سکتے تھے۔

پائیداری تعمیر کی گارنٹی کا بیان:

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا

پھر نہ چڑھ سکیں اس پر اور نہ کر سکیں اس میں سوراخ

جب یہ دیوار بن گئی تو یاجوج ماجوج کے لیے اس دیوار کو توڑنا مشکل بن گیا۔ اس لیے کہ اگر صرف پتھر کی ہوتی تو توڑ کر شگاف بنا لیتے، لیکن وہ تو آگے سے لوہے کی موٹی چادر تھی۔ اب لوہے کی چادر کو توڑنا تو ان کے بس میں نہیں تھا۔ لہٰذا وہ جہاں بند تھے وہ وہیں پہاڑوں کے درمیان بند رہ گئے اور وہ ان لوگوں پر آ کر حملہ نہیں کر سکتے تھے۔

﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾

ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسی دیوار بنانے کی توفیق دی) پھر میرے رب نے جس وقت کا وعدہ کیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دے گا، اور میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

شکرِ سکندری کا بیان:

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ

بولا: یہ ایک مہربانی ہے میرے رب کی

یہ عظیم کام سرانجام دینے کے باوجود سکندر ذوالقرنین نے اسے اپنا کمال نہیں جتلایا، بلکہ کہا کہ یہ تو میرے پروردگار کی مہربانی کا نتیجہ ہے، میں نے یہ کام اس کی توفیق سے پورا کیا ہے۔

عقیدۂ آخرت پر یقینِ سکندری:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ

پھر جب آئے وعدہ میرے رب کا گرا دے اس کو ڈھا کر

یعنی محض خدا کی مہربانی سے یہ روک قائم ہوگئی اور میعادِ معین تک قائم رہے گی۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا تو اس لوہے کی دیوار کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی نیند سے اس حال میں بیدار ہوئے کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور آپ فرمار ہے تھے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهٖ'' (لا الٰہ الا اللہ، ہلاکت ہے عرب کے لوگوں کے لیے اس شر سے جو قریب آچکا، آج یاجوج ماجوج کی دیوار اتنی کھل گئی ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنایا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''أَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ؟'' (کیا ہم ہلاک ہوں گے اور ہمارے درمیان نیک لوگ بھی موجود ہوں)؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''نَعَمْ! إِذَا كَثُرَ

الخَبَثُ'' [صحیح مسلم، رقم:۷۰۵۹] (ہاں! جب بُرائی بہت ہوجائے گی)۔

ایک صحابی کا سدِّ سکندری دیکھنا: ⑪

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِنْعَتْهُ لِیْ'' (وہ کیسی ہے)؟ انہوں نے کہا: ''كَأَنَّهُ البُرْدُ المُحَبَّرُ، طَرِيقَةٌ سَوداءُ، وَ طَرِيقَةٌ حَمْرَاءُ'' (دھاری دار چادر جیسی، جس میں سرخ و سیاہ دھاریاں ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قَدْ رَأَيْتَهُ'' (ہاں! واقعی تم نے دیکھی ہے)۔ [تفسیر ابن جریر طبری: تحت آیۃ من سورۃ الکہف]

وعدۂ خداوندی پر یقینِ سکندری:

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿۹۸﴾

اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا

ذوالقرنین نے جو یہ فرمایا کہ میرے رب کا وعدہ بالکل سچا ہے، اس سے مراد قیامت کا وعدہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو ابھی معلوم نہیں ہے کہ اس دیوار کے ٹوٹنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کونسا وقت مقرر فرمایا ہے، لیکن ایک وعدہ واضح طور پر معلوم ہے کہ قیامت آنے والی ہے۔ اور جب وہ آئے گی تو ہر مضبوط سے مضبوط چیز بھی ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوجائے گی۔ ذوالقرنین نے اس پر قیامت کا جو حوالہ دیا، اس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آگے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق: ⑫

''یاجوج ماجوج'' کون ہیں؟ کس ملک میں رہتے ہیں؟ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی سد

(آہنی دیوار) کہاں ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے متعلق مفسرین ومؤرخین کے اقوال مختلف رہے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے اور جیسا کہ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اور امام نووی نے فتاویٰ میں جمہور علماء سے نقل کیا ہے، ان کا سلسلۂ نسب باپ کی طرف سے آدم علیہ السلام پر منتہی ہوتا ہے، مگر ماں کی طرف سے حواء تک نہیں پہنچتا، گویا وہ عام آدمیوں کے محض باپ شریک بھائی ہوئے۔ کیا عجیب ہے کہ دجالِ اکبر بھی اسی قوم کا ہو، جسے تمیم داری نے کسی جزیرہ میں مقید دیکھا تھا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام (جو محض ایک آدم زاد خاتون [مریم صدیقہ] کے بطن سے بتوسط نفخہ ملکیہ پیدا ہوئے) نزول من السماء کے بعد دجال کو ہلاک کردیں گے، اس وقت یہ قوم یاجوج ماجوج دنیا پر خروج کرے گی اور آخرکار حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا سے غیر معمولی موت مرے گی۔

اس وقت یہ قوم کہاں ہے؟ اور ذوالقرنین کی دیوار آہنی کس جگہ واقع ہے؟ جو شخص ان سب اوصاف کو پیشِ نظر رکھے گا جن کا ثبوت اس قوم اور دیوارِ آہنی کے متعلق قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ میں ملتا ہے، تو اس کو کہنا پڑے گا کہ جن قوموں، ملکوں اور دیواروں کا لوگوں نے رائے سے پتہ دیا ہے، یہ مجموعۂ اوصاف ایک میں بھی پایا نہیں جاتا، لہٰذا وہ خیالات صحیح معلوم نہیں ہوتے۔ اور احادیثِ صحیحہ کا انکار یا نصوص کی تاویلاتِ بعیدہ دین کے خلاف ہے۔

رہا مخالفین کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو چھان ڈالا، مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا۔ اور اسی شبہ کے جواب کے لیے ہمارے مؤلفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے، اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور

ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہوں اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام خشکی وتری پر محیط ہو چکے ہیں، واجب التسلیم نہیں۔ عقلاً ممکن ہے کہ جس طرح اب سے پانچ سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہیں چلا تھا، اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سکندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمالی مشرقی ساحل پر واقع ہے، آج کل برطانوی سائنسدان ڈاکٹر سی، ایم، ینگ کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہیں، یہ دیوار ہزار میل سے زیادہ لمبی اور بعض بعض مقامات پر بارہ بارہ میل تک چوڑی اور ہزار فٹ اونچی ہے۔ جس پر بے شمار مخلوق بستی ہے۔ جو مہم اس کام کے لیے روانہ ہوئی تھی، حال میں اس نے اپنی یک سالہ تحقیق ختم کی ہے، جس سے سمندر کے عجیب وغریب اسرار منکشف ہوتے ہیں اور انسان کو حیرت واستعجاب کی ایک نئی دنیا معلوم ہو رہی ہے۔ پھر کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ہم کو خشکی وتری کی تمام مخلوق کے مکمل انکشافات حاصل ہو چکے ہیں!؟

بہر حال مخبر صادق نے...... جس کا صدق دلائل قطعیہ سے ثابت ہے...... جب اس دیوار کی مع اس کے اوصاف کے خبر دی تو ہم پر واجب ہے کہ تصدیق کریں اور ان واقعات کے منتظر رہیں جو مشککین ومنکرین کے علی الرغم پیش آکر رہیں گے۔

سَتُبْدِیْ لَکَ الْأَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا
وَ یَأْتِیْکَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

[تفسیر عثمانی: تحت الآیۃ ۹۴ من سورۃ الکہف]

سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں سبق

سکندر ذوالقرنین بادشاہ نہیں تھا۔ وہ اللہ کا ایک نیک بندہ تھا۔ عبد صالح تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی نعمتیں عطا فرمادی تھیں۔ لوگوں کے دلوں پر ان کو حکومت عطا فرما دی تھی۔ اسباب کا علم بھی دے دیا تھا اور اسباب بھی دے دیے تھے۔ جہاں ان کو اسباب کی ضرورت ہوتی تھی وہ سب اسباب ان کو مہیا ہو جاتے تھے اور وہ ان کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کر لیتے تھے۔ اسی علم کی وجہ سے انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان لوہے اور پتھر کو ملا کر ایک دیوار بنائی۔ سکندر ذوالقرنین کے اس واقعہ سے ہمیں دو سبق ملتے ہیں:

①......اللہ کی رضا کا حصول:

ایک سبق تو یہ ملتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں تمہیں ایسی حیثیت دے کہ تم مخلوق کے کام آسکتے ہو تو اللہ کے بندوں کو اللہ کے لیے فائدہ پہنچاؤ۔ ﴿وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ﴾[الرعد:۱۷] (لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے)۔ چنانچہ سکندر ذوالقرنین جہاں گئے تھے وہاں ان کے رشتہ دار نہیں تھے، وہ ان کے دوست نہیں تھے، وہ تو ان کو جانتے بھی نہیں تھے، حتیٰ کہ ان کی زبان سے بھی واقف نہیں تھے:

﴿لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝﴾[الکہف:۹۳]

''جن کے بارے میں ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی بات نہیں سمجھتے۔''

مگر ان لوگوں نے ان سے فریاد کی کہ آپ ہمیں ان ظالموں سے بچایئے، ہم آپ کو

پیسہ دیتے ہیں، خراج دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا: مجھے خراج کی ضرورت نہیں ہے، تم میری ہیلپ کردو، میں تمہیں دیوار بنا دیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین اللہ کے بندوں کو اللہ کی رضا کے لیے نفع پہنچاتے تھے، وہ ان سے پیسہ نہیں مانگتے تھے۔

نیک لوگوں کا شیوہ:

اچھا! دیکھو کہ جو بھی نیک لوگ ہوتے ہیں وہ اللہ کے لیے کام کرتے ہیں۔ مثلاً:

- ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا۔ کیا انہوں نے اس پر ان سے پیسے مانگے تھے؟ نہیں، بغیر پیسوں کے اللہ کی رضا کے لیے پانی پلایا تھا۔
- ...... حضرت خضر علیہ السلام نے دو یتیم بچوں کی دیوار بنائی تھی۔ کیا اس پر انہوں نے ان سے پیسہ مانگا؟ نہیں مانگا۔ کیوں بنائی؟ اللہ کی رضا کے لیے بنائی تھی۔
- ...... سکندر ذوالقرنین نے دو پہاڑوں کے درمیان دیوار بنائی تھی۔ یہ کوئی چھوٹا کام نہیں تھا، بلکہ بڑا کام تھا۔ یہ کام انہوں نے کس لیے کیا؟ کیا پیسے لینے کے لیے کیا تھا؟ نہیں، فقط اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ حالانکہ قوم تو یہ کہتی تھی کہ ہم آپس میں پیسے جمع کرکے آپ کو دے دیں گے، لیکن انہوں نے پیسے لینے سے انکار کر دیا کہ مجھے پیسہ نہیں چاہیے، مجھے اللہ کی رضا چاہیے۔

خدمت خلق کا جذبہ بیدار کریں:

اس سبق کو ہم نے زندگی کا مقصد بنانا ہے کہ اللہ کے بندوں کی خدمت اللہ کی رضا کے لیے کرنی ہے، اللہ کے بندوں سے تکلیف ہٹانی ہے اللہ کی رضا کے لیے، شہرت کے

لیے نہیں، بڑا بننے کے لیے اور ووٹ مانگنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ کی رضا کے لیے۔
نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ.'' [کنز العمال، رقم: ۴۴۱۵۴]
''سب سے بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں کو نفع پہنچائے۔''

آج تمام حضرات اس بات کا عہد کریں کہ ہم آئندہ ایسی زندگی گزاریں گے کہ ہم اپنے گھر والوں کو،

......محلے والوں کو،

......شہر والوں کو،

...... پورے وطن والوں کو،

......ایمان والوں کو،

......بلکہ اللہ کی ساری مخلوق کو اللہ کی رضا کے لیے نفع پہنچائیں گے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.'' [جامع ترمذی، رقم: ۱۹۲۴]
''جو زمین میں ہیں تم ان پہ رحم کھاؤ، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔''

بقولِ شاعر:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

2 ......اللہ کی زمین پر اللہ کا حکم لاگو کرنا:

اس واقعہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم میں سے کسی کو یہ حیثیت دے تو

وہ اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کو جاری کرے۔ چنانچہ سکندر ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ تم چاہو تو ان لوگوں کو قتل کردو، یا چاہو تو ان کو دین کی دعوت دو۔ انہوں نے کہا تھا: میں ان کو دین کی دعوت دوں گا۔ جو نیک بنے گا اس کو دنیا میں بھی اجر ملے گا اور آخرت میں بھی اجر ملے گا۔ گویا انہوں نے اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کو پسند فرمایا تھا۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ جو بندہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون لاگو کرتا ہے، وہ اللہ کا بڑا پسندیدہ ہوتا ہے۔

مختلف نظامہائے زندگی:

آج دنیا میں زندگی گزارنے کے مختلف نظام رائج ہیں، کہیں پر کمیونزم ہے، کہیں پر سوشلزم ہے اور کہیں جمہوریت ہے۔ ہمارے ملک میں بھی جمہوری نظام رائج ہے۔ چونکہ یہ ہمارے ملک کا نظام ہے، اس لیے ہم بھی اس کی تائید کرتے ہیں، ہم مخالف نہیں ہیں...... بات سمجھ گئے نا...... ہم اس نظام کے مخالف نہیں ہیں، کیونکہ یہ ہمارا ملکی نظام ہے اور اسی کی بنیاد پر ہماری حکومت چل رہی ہے، ہم چونکہ ملک میں امن چاہتے ہیں، لہٰذا ہم بھی جمہوری نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

نفاذِ شریعت...... ہمارا دردِ دل:

لیکن اگر کوئی ہم سے دل کی خواہش پوچھے تو وہ یہ ہے کہ ہمارے پیارے ملک پاکستان میں اللہ کی شریعت کو نافذ کر دیا جائے۔ یہ اللہ کی عطا کردہ سرزمین ہے، اس پر اللہ کا حکم نافذ ہونا چاہیے۔

طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلاہی چاہیے
جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

ہم اللہ کے بندے ہیں اور ہمیں اس زمین پر اللہ کی بادشاہی چاہیے۔ ہم تو دعائیں مانگتے ہیں: ''اے اللہ! آپ نے ہمیں اتنا خوبصورت ملک دیا ہے، ایک نعمت دی ہے، اب اس ملک کو دین کا قلعہ بنا دیجیے، تا کہ ہم آپ کے احکام کے مطابق یہاں زندگی گزار سکیں۔'' ہم تو بھی اس دن کو دیکھنے کے لیے ترستے ہیں جب اس ملک میں شریعت نافذ ہوگی۔

کلمے کی بنیاد پہ حاصل کیا جانے والا ملک:

آپ غور کریں کہ پوری دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں جو دین کے نام پر بنا ہو۔ یہ ہمارا ملک ہی ایسا ملک ہے جو دین کے نام پر بنا تھا۔

پاکستان کا مطلب کیا؟......لا الٰہ الا اللہ

پاکستان کا مطلب کیا؟......لا الٰہ الا اللہ

پاکستان کا مطلب کیا؟......لا الٰہ الا اللہ

ہمارے باپ دادا نے یہ ملک بنایا ہی اسی لیے تھا۔ انہوں نے اس کو ''لا الٰہ الا اللہ'' کے نام پر حاصل کیا تھا۔ ہمارا یہ ملک ایک عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے۔ ہمیں اپنی آزادی کی قدر کرنی چاہیے۔ دین کی جتنی آزادی اس ملک میں ہے، پوری دنیا میں اتنی آزادی کہیں نظر نہیں آتی۔ یہاں دین کے مدارس جتنی آزادی کے ساتھ دین کا کام کر رہے ہیں، باقی پوری دنیا میں اتنی آزادی کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں خطیب، اپنی مرضی سے جمعہ کا خطبہ دے سکتا ہے، یہ کتنی بڑی نعمت ہے جو اللہ نے اس ملک میں عطا فرمائی ہے۔ ورنہ دنیا بھر کے تمام ممالک میں حکومت کی طرف سے لکھا ہوا خطبہ ملتا ہے اور خطیب اس کو صرف پڑھ کے سنا دیتا ہے۔

جو لوگ پاکستانی ہونے کے باوجود اس ملک (پاکستان) کے خلاف باتیں کرتے ہیں، وہ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان کے ساتھ اختلاف ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ ملک ہمارا ہے، یہ اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، ہم اس کی قدر کریں اور اس کو دین کے لیے استعمال کریں۔

احسان کا بدلہ احسان:

بھئی! ہم پر اس ملک کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہم یہاں پیدا ہوئے، اس میں کھایا پیا، پلے بڑھے، علم حاصل کیا۔ ہمیں چاہیے کہ اس میں رہتے ہوئے اپنی طرف سے جو اچھائی واپس لوٹا سکتے ہیں وہ لوٹانے کی کوشش کریں اور یہاں کے لوگوں کے لیے خیر کا سبب بنیں۔ ہمیں اس ملک کے ساتھ محبت رکھنا اپنے ایمان کا حصہ سمجھنا چاہیے۔

توہین رسالت پر سراپا احتجاج:

آپ دیکھیں! پوری دنیا میں اگر کہیں بھی دین کے معاملے میں کوئی اونچ نیچ ہوتی ہے تو سب سے پہلے جس ملک سے آواز اُٹھتی ہے، وہ ہمارا ملک ''پاکستان'' ہے۔ ایک بدبخت نے نبی علیہ السلام کے کارٹون بنائے تو سب سے پہلے اس ملک (پاکستان) سے آواز اُٹھی۔ اسی طرح ایک ملک نے نبی علیہ السلام کے بارے میں فلم بنائی تھی تو اس کے خلاف سب سے پہلی آواز بھی پاکستان سے اُٹھی تھی۔

یہ ہمارا کتنا پیارا ملک ہے جس میں ہم خود دین پر قائم رہ سکتے ہیں، ہمیں فسق و فجور میں جانے کے لیے کوئی بھی مجبور نہیں کرتا۔ یہاں پر ہم اپنا دین سیکھ بھی سکتے ہیں اور سکھا بھی سکتے ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے۔ ورنہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب

کوئی نعمت ہاتھ سے نکل جاتی ہے تب اس کی قدر آتی ہے، مگر اس وقت افسوس کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

دل کی آواز:

آج بھی ہماری یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب پارلیمنٹ میں شریعت بل منظور ہو اور یہ شریعت لاگو ہو اور ہم اللہ کے بندے اللہ کی زمین پر اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے حکمرانوں اور ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت پر مامور افواج (جو ہمارے ملک کی بھی حفاظت کر رہے ہیں اور ہماری بھی حفاظت کر رہے ہیں) کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس ملک میں شریعت کا قانون لاگو کریں اور اللہ و رسول ﷺ کو خوش کر کے دنیا و آخرت کی کامیابیاں سمیٹیں۔

لشکر غزا اور لشکر دعا:

جو دوست پارلیمنٹ کے ذریعے اس ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے کوششیں کر رہے ہیں، وہ ایک عظیم کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لیے دعا کرنا ہم اپنے لیے واجب اور فرض سمجھیں، ہماری کوئی دعا اس کی دعا سے خالی نہیں ہونی چاہیے، ان کا ہر ممکن تعاون کریں اور ان کے ساتھ اپنی ہمدردیاں رکھیں، تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس نیک مقصد میں کامیاب فرمائے۔ وہ ''لشکر غزا'' ہیں اور ہم ''لشکر دعا'' ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ایک ہوتا ہے غازیوں کا لشکر جو آگے جا کر لڑ رہا ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو شہادت کے

لیے پیش کر رہے ہوتے ہیں، اور ایک لشکرِ دعا ہوتا ہے جو اپنے گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں، مگر ان کی سربلندی کے لیے دعائیں کر رہے ہوتے ہیں۔"

وہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"لشکرِ دعا لشکرِ غزا پر فضیلت رکھتا ہے۔"

ہم گھروں میں بیٹھ کر ان کے لیے دعا کریں گے تو اللہ کے ہاں ہمارا درجہ زیادہ ہوگا، اس لیے کہ ہم شریعت کی ترویج کے لیے دعائیں کر رہے ہوں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ہر نماز کے بعد، تہجد کے بعد ان لوگوں کے لیے دعائیں کیا کریں جو شریعت بل کے نفاذ کے لیے اخلاص کے ساتھ کوششیں کر رہے ہیں، اللہ ان کی کوششوں کو بارآور فرمائے اور ہمارے اس ملک کو دین اسلام کا قلعہ بنائے۔

فتنۂ دجال سے بچاؤ کیسے؟

سورۂ کہف دجال کے فتنے سے کس طرح بچاتی ہے؟ یہ نہ سمجھیے گا کہ ہم صرف اس کی تلاوت کر لینے سے دجال کے فتنے سے بچ جائیں گے۔ بھئی! تلاوت کر لینا بہت بابرکت کام ہے، یقیناً اس پر بہت بڑا اجر ملے گا۔ لیکن فتنۂ دجال سے محفوظ رہنے کے لیے ہمیں اس سورت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ یہ سورت ایسی ذہن سازی کرتی ہے، ایسے سبق سکھاتی ہے کہ جن کو سیکھنے کے بعد انسان کے لیے ایمان کو بچانا آسان ہو جاتا ہے۔

اور اس دن ہم ان کی یہ حالت کردیں گے کہ وہ موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو ایک ساتھ جمع کرلیں گے۔

مبادیٔ قیامت:

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ

اور چھوڑ دیں گے ہم خلق کو اس دن ایک دوسرے میں گھستے

اس سے مراد یاجوج ماجوج کا وہ ریلا بھی ہوسکتا ہے جو قیامت کے قریب نکلے گا اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ قیامت کے قریب نکلیں گے تو ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں نکلیں گے اور موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قیامت کے وقت عام لوگوں کی بدحواسی کا بیان ہو کہ قیامت کے ہولناک مناظر دیکھ کر لوگ بدحواسی میں ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں گے۔

دجال کا حلیہ، ظہور اور جائے خروج:

قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دجال کو ظاہر کریں گے۔ یہ دجال ایک بندہ ہوگا جو ایک آنکھ والا ہوگا۔ یعنی ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ یہ شام اور عراق کے درمیان کے علاقے سے ظاہر ہوگا۔

زمانۂ دجال کی طوالت:

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دجال چالیس راتوں میں ساری زمین پھر جائے گا، جس کا ایک دن سال کے برابر، دوسرا مہینے کے برابر، تیسرا ہفتے کے برابر اور باقی ایام تمہارے ہی

ایام کی طرح ہوں گے۔[مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۴۹۵۴]

دجال کی شعبدہ بازیاں:

دجال کے خروج سے دو سال تک پہلے ہی قحط رہ چکا ہوگا، تیسرے سال عین دورانِ قحط ہی میں اس کا ظہور ہوگا۔ زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ اس کے پاس سائنسی قوت ہوگی، وہ بادلوں کو حکم دے گا تو اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہوگی۔ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اسی وقت زمین سے کھیتی اُگتی نظر آئے گی۔

دجال کے متبعین:

عام دنیادار اور ظاہر پرست لوگ جب اس کی شعبدہ بازیوں کو دیکھیں گے تو اس وجہ سے اس کو خدا مان لیں گے کہ اس کی کہی گئی باتیں تو پوری ہو رہی ہیں، اس کے کہنے پر فصلیں زیادہ ہو جاتی ہیں، جانوروں کا دودھ بڑھ جاتا ہے اور بارش برسنے لگ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح وہ لوگ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اور یہ سب کچھ علم کی کمی کی وجہ سے ہوگا۔

عورتوں کو زیادہ متاثر کرے گا:

دجال کے اندر دوسروں کو اپنے خیالات سے متاثر کرنے کی غیر معمولی مہارت بھی ہوگی۔ اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ نجومیوں اور شعبدہ بازوں کے چکر میں پھنسنے والی زیادہ تر عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس میں یہ صلاحیت پائی جائے گی تو وہ مردوں سے آگے بڑھ کر عورتوں کو متاثر کرے گا۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے

کہ اس کے پاس نکل نکل کر جانے والوں میں اکثریت خواتین کی ہوگی اور نوبت یہاں تک جا پہنچے گی کہ ایک آدمی اپنے گھر میں اپنی ماں، بیٹی، بہن اور پھوپھی کے پاس آ کر انہیں رسیوں سے باندھ دے گا، اس اندیشے سے کہ کہیں یہ دجال کے پاس نہ چلی جائیں۔ [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۵۳۵۳]

ایمان کا امتحان:

اللہ تعالیٰ دجال کو بھیج کر اپنے بندوں کو آزمائے گا، اسے بہت سے اختیارات دیئے جائیں گے۔ اہل ایمان سب کچھ کے باوجود اس کے منکر رہیں گے اور صرف ظاہری زندگی سے محبت رکھنے والے لوگ اس کے دام ہمہ رنگ میں پھنستے چلے جائیں گے۔ دجال انہیں اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دے گا، یعنی کفر کی طرف بلائے گا تو وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اس کے حکم کو قبول کر لیں گے۔

تینوں حرم دجال سے محفوظ:

دجال پوری دنیا کا سفر کرے گا، وہ ہر جگہ جائے گا، مگر تین جگہوں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس میں نہیں جا سکے گا۔ [کنز العمال، رقم: ۳۸۸۱۰] چونکہ یہ تینوں حرم ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ذریعے ان مقامات کی حفاظت کروائیں گے۔ ہم لوگوں کے لیے چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ جانا آسان ہے، اس لیے میں نے آپ کو دو کہف بتائے۔ تیسرے کہف میں ہمارے لیے جانا ہی مشکل ہے، اس لیے کہ وہ (بیت المقدس) ہمارے کنٹرول میں نہیں ہے، اگر ہم وہاں جانا بھی چاہیں تو نہیں جا سکتے۔ اس لیے میں نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

ایک حق پرست آدمی کی استقامت:

ایک دن دجال کی طرف ایک ایسا آدمی نکلے گا جو لوگوں میں سے سب سے افضل ہوگا، وہ اس سے کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو وہی دجال ہے جس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیث بیان کی تھی۔ دجال کہے گا: اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور پھر اسے زندہ کروں تو تمہاری کیا رائے ہے؟ پھر بھی تم میرے معاملہ میں شک کروگے؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ چنانچہ دجال اسے قتل کرے گا، پھر اسے زندہ کرے گا۔ جب اسے زندہ کیا جائے گا تو وہ آدمی کہے گا: اللہ کی قسم! مجھے تیرے بارے میں اب جتنی بصیرت ہے، اتنی پہلے نہ تھی۔ پھر دجال اسے دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا، لیکن اس پر قادر نہ ہوگا۔[صحیح مسلم، رقم: ۲۹۳۸]

اس کے بعد (دجال سے یہ طاقت چھین لی جائے گی اور) کسی مُردہ کو زندہ نہ کرسکے اور یہاں سے ذلیل ورُسوا ہوکر) ملک شام کو روانہ ہوجائے گا۔ اس کے دمشق پہنچنے سے پہلے حضرت امام مہدی دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور دجال کے فتنے کو مٹانے کے لیے جنگ کی پوری تیاری اور ترتیب طے کرچکے ہوں گے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام:

امام مہدی جنگ کی تیاری کے لیے فوج کو ہدایات دے رہے ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد میں مشرقی منارے پر جلوہ افروز ہوں گے۔ ایسا محسوس ہوگا کہ انہوں نے نیا نیا غسل کیا ہے، ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے۔ امام مہدی نماز پڑھائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے مقتدی بن کر نماز ادا کریں گے۔ اس کے بعد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کے خلاف مومنین کو لے کر نکلیں گے۔[صحیح مسلم،رقم:۲۹۳۷]

دجال کا خاتمہ:

اسرائیل میں ایک جگہ ہے جس کو ''لُدّ'' کہتے ہیں۔اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے۔[صحیح مسلم،رقم:۲۹۳۷]

عجیب بات یہ ہے کہ آج کل اسرائیل نے اس جگہ ایئرپورٹ بنایا ہوا ہے اور وہاں ایک دروازہ بنایا ہوا ہے جس پر آج بھی ''بابِ لُدّ'' لکھا ہوا ہے۔یعنی جو بات نبی علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے حدیث پاک میں بیان فرمائی تھی،آج اس کو ہم اپنی آنکھوں سے سچا ثابت ہوتا دیکھ رہے ہیں۔

دجال کو قتل کرنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی گزاریں گے۔اس وقت اہل ایمان ان کا ساتھ دیں گے،امام مہدی بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔امام مہدی کے اعوان (مددگار) وہ لوگ ہوں گے جو اصحاب کہف ہوں گے۔یعنی وہ اپنے دور میں کہف کے اندر زندگی گزارنے والے لوگ ہوں گے۔

یاجوج ماجوج اور ان کا فتنہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''يَحْفِرُونَهُ كُلَّ يَوْمٍ، حَتَّى إِذَا كَادُوا يَخْرِقُونَهُ قَالَ الَّذِي عَلَيْهِمُ ارْجِعُوا فَسَتَخْرِقُونَهُ غَدًا''

''یاجوج ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں،جب وہ اس میں سوراخ کرنے ہی والے ہوتے ہیں تو ان کا بڑا کہتا ہے: چلو باقی کل کھود لینا۔پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیتے ہیں۔''

یہاں تک کہ ان کی مدت پوری ہوجائے گی اور اللہ چاہے گا کہ انہیں لوگوں پر مسلط کرے تو ان کا حاکم کہے گا:

''ارْجِعُوا فَسَتَحْفِرُونَهُ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَاسْتَثْنَى''

''چلو باقی کل کھود لینا اور ساتھ ان شاء اللہ بھی کہے گا۔''

اس طرح جب وہ دوسرے دن آئیں گے تو دیوار کو اسی طرح پائیں گے جس طرح انہوں نے چھوڑی تھی اور پھر اس میں سوراخ کر کے لوگوں پر نکل آئیں گے۔ پانی پی کر ختم کر دیں گے اور لوگ ان سے بھاگیں گے، پھر وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے جو خون میں لت پت ان کے پاس واپس آئے گا۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو بھی دبالیا اور آسمان والوں پر بھی چڑھائی کر دی۔ ان کا یہ قول ان کے دل کی سختی اور غرور کی وجہ سے ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے وہ سب مر جائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فَوَ الَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّ دَوَابَّ الْأَرْضِ تَسْمَنُ وَتَبْطَرُ وَتَشْكَرُ شَكَرًا مِنْ لُحُومِهِمْ'' [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۳]

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ زمین کے جانوران کا گوشت کھا کر موٹے ہوجائیں گے اور مٹکتے پھریں گے اور ان کا گوشت کھانے پر اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کریں گے۔''

پھر ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے کہ ادھر وہ دیوار جو سکندر ذوالقرنین نے بنائی تھی، وہ دیوار ٹوٹ جائے گی اور وہاں پر پہاڑوں میں بند یاجوج ماجوج نکل پڑیں گے۔

یاجوج ماجوج کا محل و مقام:

یہ یاجوج ماجوج اولادِ آدم میں سے ہی ہوں گے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام تھا سام، دوسرے کا نام تھا حام اور تیسرے کا نام تھا یافث۔ مغربی ملکوں کے جتنے لوگ نظر آتے ہیں...... جن کو ہم گورے کہتے ہیں...... یہ سب سام کی اولاد میں سے ہیں۔ حام کی اولاد میں سے حبشہ کے لوگ ہیں۔ یعنی افریقہ کے رہنے والے جتنے کالے حبشی ہیں، یہ حام کی اولاد میں سے ہیں اور جو یاجوج ماجوج ہیں، یہ یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی اولاد میں سے ''ترک'' لوگ بھی ہیں۔ ''ترک'' لوگ پورے گورے بھی نہیں ہیں اور پورے کالے بھی نہیں ہیں، بلکہ درمیانی رنگت کے لوگ ہیں۔

یاجوج ماجوج کی قومیت:

کتابوں میں لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بہت سارے قبیلے تھے، ان میں سے ایک قبیلہ دیوار کے اس طرف رہ گیا تھا، یہی لوگ ''ترک'' ہیں۔ اور باقی جو ہیں وہ دیوار کی دوسری طرف رہ گئے تھے۔ مگر جب دیوار ٹوٹے گی تو وہ سب وہاں سے نکل پڑیں گے اور پوری دنیا کے اندر پھیل جائیں گے۔ چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اس لیے وہ جہاں بھی جائیں گے، چیونٹیوں کی طرح جگہ کو بھر دیں گے، حتیٰ کہ کئی جگہوں پر جا کر یہ دریاؤں کا پانی ہی پی جائیں گے اور ان دریاؤں کا پانی ختم ہو جائے گا۔ ان کا ایک لشکر بحیرہ مردار کی طرف ہوگا اور پیچھے والا ابھی چل رہا ہوگا، یہ اتنے زیادہ ہوں گے۔ جب پیچھے والے وہاں آئیں گے تو اس جگہ پر پہنچ کر کہیں گے: ہاں! اس دریا میں

کبھی تو پانی ہوا کرتا ہوگا۔ حالانکہ وہ پانی اسی لشکر کے پہلے حصے نے ختم کیا ہوگا۔

ان کو جو چیز ملے گی، اسے کھا جائیں گے۔ یعنی وہ سانپ اور بچھو بھی کھا جائیں گے اور دوسرے درندوں کو بھی کھا جائیں گے۔ خیر! آج بھی اگر آپ چائنہ میں جائیں تو وہاں آپ کو سب کچھ کھانے والے مل جائیں گے۔

چائنہ کی کہانی...... ایک دوست کی زبانی:

ہمارے ایک ساتھی پہلی مرتبہ چائنہ گئے۔ کہنے لگے: مجھے بھوک لگی، میں نے کہا کہ چلو کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے ریسٹورنٹ کا راستہ نہیں آتا تھا، حتیٰ کہ مجھے زبان بھی نہیں آتی تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ مجھے تو زبان بھی نہیں آتی، میں ریسٹورنٹ کیسے پہنچوں؟ چنانچہ میں نے ایک چائنیز کو بلا کر پیٹ کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔ وہ مجھے اشارہ کرنے لگا کہ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ میں جب اس کے ساتھ گیا تو وہ مجھے بیت الخلاء لے کر چلا گیا...... میں کہہ رہا تھا کہ مجھے بھوک لگی ہے اور وہ یہ سمجھا کہ شاید اس کو پیٹ میں تکلیف ہو رہی ہے اور یہ فراغت حاصل کرنا چاہتا ہے...... وہاں جا کر پھر میں نے منہ کی طرف اشارہ کیا کہ بھئی! مجھے کچھ کھانا چاہیے، مجھے ایسی جگہ پر لے کر جاؤ۔ پھر وہ مجھے ریسٹورنٹ پہ لے کر گیا۔

کہنے لگے کہ وہاں ریسٹورنٹ میں میں نے دیکھا کہ چوہے بھی پکے ہوئے ہیں، سانپ بھی پکے ہوئے ہیں۔ ان کا پسندیدہ کھانا بندر کا دماغ ہوتا ہے، ان کے نزدیک بندر کا دماغ بڑی اچھی ڈش کہلاتی ہے۔ وہ یہ بھی کھاتے ہیں۔ پھر میں نے ایک جگہ دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ بکرے کا گوشت پڑا ہوا ہے۔ میں نے سوچا کہ اچھا میں یہ کھا لیتا ہوں۔ لہٰذا میں نے چائنیز سے پوچھا: یہ کس کا گوشت ہے؟ میرا خیال تھا کہ یہ بتائے گا

کہ یہ بکرے کا گوشت ہے۔ لیکن جب میں نے اس سے پوچھا تو وہ آگے سے کہنے لگا: وَوَوَوَوَوَ۔ پتہ چلا کہ یہ کتے کا گوشت تھا جو اس نے پکایا ہوا تھا...... ایسے گوشت کھانے والی قومیں تو آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ یاجوج ماجوج تو ہر چیز کو کھا جائیں گے۔

کوہِ طور پر محصور ہونا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایمان والوں کے ساتھ ہوں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے۔ ان کے لیے یاجوج ماجوج کا مقابلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اس وقت ان کو الہام ہوگا کہ آپ ایمان والوں کو لے کر کوہِ طور پر چلے جائیے۔ چنانچہ وہ سارے ایمان والوں کو لے کر کوہِ طور پر چلے جائیں گے اور وہاں پر محصور ہو جائیں گے۔ جیسے بندہ کسی جگہ پر جا کر بند ہو جاتا ہے ایسے بند ہو جائیں گے۔ اردگرد کی تمام زمین کے اوپر یاجوج ماجوج کی گویا حکومت ہوگی، لیکن وہ ایمان والوں کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

یاجوج ماجوج کی فتوحات:

اللہ کی شان دیکھیں کہ جب یاجوج ماجوج پوری دنیا کو ایک طرح سے فتح کر لیں گے تو پھر وہ سوچیں گے کہ اب ہم آسمان کی مخلوق کو بھی فتح کرتے ہیں۔ ان کے پاس تیر ہوں گے۔ وہ آسمان کی طرف رخ کر کے تیر چلائیں گے۔

یاجوج ماجوج کی موت:

مفسرین نے لکھا ہے کہ ان کے تیر خون میں ڈوبے ہوئے واپس کریں گے۔ اس سے ان کو محسوس ہوگا کہ جیسے کسی کو لگے ہیں اور خون آلود ہو کر واپس آئے ہیں۔ مگر وہ جو خون ہوگا وہ ایسا ہوگا کہ اس میں ایک وائرس ہوگا۔ وہ وائرس یاجوج ماجوج کے درمیان

پھیل جائے گا۔ چنانچہ ان کی گردن کے اوپر کچھ گلٹیاں بننا شروع ہو جائیں گی اور اس وائرس کی وجہ سے یاجوج ماجوج ساری کی ساری قوم ایک ہی وقت میں مرجائے گی۔ وہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ زمین کے اوپر چند گز کی جگہ بھی خالی نہیں ملے گی، ہر جگہ پر یاجوج ماجوج کی لاشیں پڑی ہوں گی۔ اب ایمان والے ان کی لاشوں کو اُٹھا نہیں سکیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پرندوں کو بھیجیں گے۔ جیسے ایک پرندہ گدھ ہے۔ یہ گدھ مردار کھاتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے پرندے ہوں گے، اونٹ کی لمبی گردنوں کی طرح ان کی گردنیں اور چونچیں ہوں گی، وہ ان کی لاشوں کو اُٹھا کر سمندر میں کسی جگہ پر، جہاں اللہ چاہیں گے، پھینک دیں گے۔

یاجوج ماجوج کی لاشوں سے زمین کی پاکی:

پھر اللہ تعالیٰ تیز بارش برسائیں گے اور اس بارش کی وجہ سے زمین کے اوپر جو یاجوج ماجوج کا خون ہوگا وہ بہہ جائے گا اور زمین بالکل پاک ہو جائے گی۔

قحط کا خاتمہ اور برکات کا ظہور:

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایمان والوں کے ساتھ نکلیں گے۔ اس وقت روئے زمین پر سب کے سب نیک لوگ ہوں گے۔ چالیس سال ایسے گزریں گے کہ زمین پر کوئی نافرمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ اتنی برکتیں ہوں گی کہ ایک گائے کا دودھ پورے خاندان کے لیے کافی ہو جائے گا...... اس وقت دنیا میں جو زیادہ سے زیادہ دودھ دینے والی گائے ہے وہ 24 گھنٹے میں 105 کلو دودھ دیتی ہے۔ یہ پوری دنیا میں ایک ریکارڈ ہے، مگر اس وقت کی گائے اتنا دودھ دے

گی کہ پورے کے پورے خاندان کے لیے کافی ہو جائے گا ....گندم بہت زیادہ ہوگی، فصلوں میں برکت ہوگی، حتیٰ کہ ایک انار پورے گھر کے افراد مل کر مشکل سے کھا سکیں گے، ایک انار اتنا بڑا ہوگا۔ یہ برکتیں کس لیے ہوں گے؟ اس لیے کہ اس وقت دنیا میں اللہ کی نافرمانی نہیں ہوگی۔

ایسی برکات آج کل کیوں نہیں؟

آج جو برکتیں رُکی ہوئی ہیں وہ ہمارے گناہوں کی وجہ سے رُکی ہوئی ہیں۔ جب زمین پر گناہ ختم ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾

[الاعراف:۹۶]

”اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے۔“

برکات کا اخت[illegible]

یہ برکتوں کا [illegible] چالیس سال تک رہے گا۔ لیکن انسان بھولنے والا ہے اور غفلت میں پڑنے والا [illegible] چنانچہ ان میں آہستہ آہستہ غفلت آنا شروع ہو جائے گی اور اس غفلت کی وجہ [illegible] میں فسق و فجور آ جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چلے جائیں گے اور دنیا میں گناہ بڑ[illegible] ہو جائیں گے۔

سب مومنو[illegible]ت:

پھر ایک ا[illegible]ئے گا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہوا چلائیں گے۔ اس ہوا کے لگنے کی وجہ

سے ایمان والوں کو موت آجائے گی۔ اس کے بعد خبیث لوگ رہ جائیں گے۔ شرار الناس رہ جائیں گے، یہ بے دین قسم کے لوگ ہوں گے۔

بے شرمی کی انتہاء:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ یہ اتنے بے دین ہوں گے کہ ان کے اندر شرم وحیا نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ ایک جگہ پر کچھ لوگوں کا مجمع ہوگا اور ایک عورت اس مجمع کے قریب سے گزرے گی تو مجمع کا ایک بندہ وہیں سب کے سامنے اس عورت کے ساتھ بدکاری کرے گا۔ اس پورے مجمع میں انہیں اتنی بات کہنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا کہ تم کہیں اوٹ میں چلے جاؤ۔ [المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۸۵۸۵] یعنی شرم وحیا نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ چکی ہوگی۔ وہ لوگ جانوروں کی طرح ہوں گے، جیسے جانور سب کے سامنے ایک دوسرے کے ساتھ ملاپ کر لیتے ہیں، وہ لوگ بھی جانوروں کی مانند ہوں گے اور سب کے سامنے بدکاریاں کرتے رہیں گے اور انہیں کوئی پروا نہیں ہوگی۔

قیامت کن لوگوں پر آئے گی؟

ان بدکاروں پر قیامت قائم ہوگی۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت، شرار الناس پر قائم ہوگی۔ [صحیح مسلم، رقم:۲۹۴۷]

تخویفِ اُخروی......صور میں پھونک مارنے کا بیان:

وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ

اور پھونک ماریں گے صور میں

حضرت اسرافیل علیہ السلام صور میں پھونک ماریں گے اور یہ صور ''قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ''

[جامع ترمذی، رقم: ۲۴۳۰] (ایک سینگ نما شے ہے، جس میں پھونک ماری جائے گی)۔
ایک اور جگہ ارشاد ہے: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ [الزمر: ۶۸] (اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے۔ پھر دوسری بار پھونکا جائے تو وہ سب لوگ پل بھر میں کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے)۔

بیانِ حشر:

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

پھر جمع کر لائیں گے ہم ان سب کو

صور پھونکے جانے کے بعد سب لوگ خدا کے سامنے میدانِ حشر میں حساب و کتاب کے لیے اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾

اور اس دن ہم دوزخ کو ان کافروں کے سامنے کھلی آنکھوں لے آئیں گے۔

جہنم کو دیکھنے کا منظر:

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾

اور دکھلا دیں ہم دوزخ اس دن کافروں کو سامنے

اس دن دوزخ کافروں کی آنکھوں کے سامنے کر دی جائے گی اور وہ اسے دیکھ

رہے ہوں گے۔ شاید کافروں کی تخصیص اس لیے کی کہ اصل میں دوزخ انہی کے لیے تیار کی گئی ہے اور ان کی آنکھوں پر دنیا میں پردہ پڑا ہوا تھا، اب وہ پردہ اُٹھ گیا۔

علاماتِ کفار کا بیان

﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ (۱۰۱)

جن کی آنکھوں پر (دنیا میں) میری نصیحت کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا، اور جو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

پہلی علامت: (1)

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ

جن کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا میری یاد سے

یعنی ان کی آنکھوں پر غفلت، ضد اور جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے، ان کو اللہ کی ذات وصفات کی توحید وعظمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔

آنکھوں پر پردے پڑنے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ انسان آج تک یاجوج وماجوج کی اقوام کو نہیں دیکھ سکے کہ وہ کہاں ہیں، جب اللہ کا حکم ہوگا تو وہ ظاہر ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی چیز کو انسانوں پر ایک مدت تک مخفی رکھے۔ اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو 100 سال تک لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھا اور اصحابِ کہف کو تین سو نو سال تک غار میں سلائے رکھا اور اس عرصہ میں کسی انسان کی نظر

ان پر نہیں پڑی۔

فوائد السلوک:

ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی ظاہری آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جو انہیں عبرت حاصل نہیں کرنے دیتا اور ان کے دلوں کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا ہوا ہے جو انہیں عالمِ ملکوت کے مشاہدہ سے روکے ہوئے ہے۔ اگر ان کے دل سے پردے کو ہٹا دیا جائے تو ان کی ظاہری آنکھیں بھی عبرت کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیں گی۔

دوسری علامت:

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

اور نہ سُن سکتے تھے

اُلوہیت اور ربوبیت کو یاد دلانے والے دلائل اور کلامِ الٰہی کی ہدایت آفریں بات کو سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اللہ نے ان کے لیے شقاوت لکھ دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی اور عناد وضد کو ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔

فوائد السلوک:

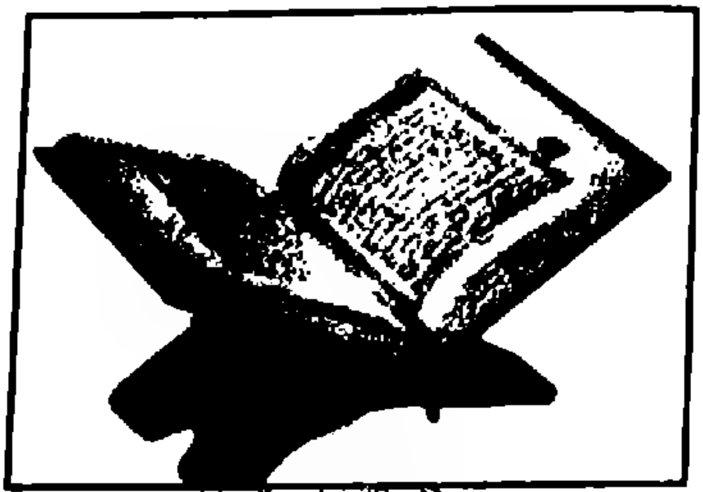
... ابن عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ اس لیے نہیں سن سکتے کہ ان کے کان حق بات سننے سے روک دیے گئے ہیں۔ اور جس کا دل سننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ باہر کے کانوں سے کیسے کوئی بات سن سکے گا؟! اس لیے کہ باہر کے کانوں کا سننا، دل کے سننے کے تابع ہے۔

..... حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ کا کلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صلحاء کی سیرت کو سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ چونکہ انہیں حق بات کو قبول کرنے

والوں میں سے پیدا نہیں کیا گیا، اس لیے حق بات سننے سے بھی روک دیا گیا۔

مشرکین کی بدبختی:

عجیب بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو تینوں سوالوں کے صحیح صحیح جواب دے دیئے، مگر نہ تو مشرکینِ مکہ ایمان لائے اور نہ ہی یہودیوں کو ایمان لانے کی توفیق ہوئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا مقصد ہی فقط سوال کرنا ہوتا ہے، بات ماننے کا ارادہ نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے۔



تفسیر

بارھواں رکوع

(آیات 102 تا 110)

رکوع کا خلاصہ

اس رکوع میں:

منکرین کی خام خیالی کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کو کارساز سمجھتے ہیں۔[آیت:۱۰۲]

... بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ میں کافروں کی مہمان نوازی ہوگی۔[آیت:۱۰۲]

... سب سے زیادہ خسارے والوں کی دو علامات بیان کی گئی ہیں:

پہلی علامت...... ان کی محنتیں دنیا میں ضائع چلی جاتی ہیں۔

دوسری علامت...... وہ اپنے کیے ہوئے اعمال کو باعثِ نجات سمجھتے ہیں۔[آیت:۱۰۳،۱۰۴]

..... کافروں کے اعمال ضائع ہونے کے دو اسباب بیان کیے گئے ہیں:

پہلا سبب... آیاتِ الٰہی سے انکار۔

دوسرا سبب...... لقاءِ الٰہی سے انکار۔[آیت:۱۰۵]

... کفر کے دو نتائج بیان کیے گئے ہیں:

پہلا نتیجہ اعمال کا ضائع ہونا۔

دوسرا نتیجہ اعمال کا بے وزن ہونا۔ [آیت:۱۰۵]

کفر کی سزا اور اس کے دو سبب بیان کیے گئے ہیں۔ [آیت:]

پہلا سبب ..... کفر۔

دوسرا سبب ..... آیات و انبیاء کا استہزاء۔ [آیت:۱۰۶]

ایمان و عمل صالح اور اس کا انعام جنت الفردوس بیان کیا گیا ہے۔ [آیت:۱۰۷،۱۰۸]

عظمتِ الٰہی کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی تعریفیں بے حساب ہیں۔ [آیت:۱۰۹]

حضرت محمد ﷺ کو پرزور انداز سے ''بشر'' کہا گیا ہے۔ [آیت:۱۱۰]

عقیدۂ توحید کو علی الاعلان بیان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [آیت:۱۱۰]

آخر میں لقائے الٰہی اور دیدارِ الٰہی کا شوق دلایا گیا ہے اور اس کے حصول کے لیے دو اصول بیان کیے گئے ہیں:

پہلا اصول ..... عمل صالح۔

دوسرا اصول ..... شرک سے پرہیز۔ [آیت:۱۱۰]

موجودہ اور سابقہ دور میں مماثلت:

صحابہ کرام ﷺ کا زمانہ مشرکینِ مکہ کا زمانہ تھا، بت پرستی کا زمانہ تھا، اس زمانے کے لوگ بتوں سے اپنی حاجات کو مانگا کرتے تھے، لہٰذا وہ کافر دین کے دشمن تھے۔ آج کا زمانہ نفس پرستی کا زمانہ ہے، ہر بندہ اپنے نفس کی پوجا کرنے میں لگا ہوا ہے، نفس کی خواہشات پوری ہو جائیں، چاہے شریعت کے مطابق ہوں یا شریعت سے ہٹ کے ہوں۔ اس کا مقصد اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنا ہے۔

مشرکین مکہ شرک جلی کا ارتکاب کرتے تھے یعنی واضح شرک کرتے تھے اور ہم جو نفس پرست لوگ ہیں، ہم شرک خفی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ آپ یوں سمجھیں کہ اُس زمانے میں بھی ایک ٹولہ تھا جو مشرکین کا تھا اور آج کے دور میں بھی ایک جماعت ہے جو مشرکین کی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس کو شریک کرتے ہیں۔

ہم آج کہتے ہیں کہ ہم نے کرنا تو وہ ہے جو ہماری مرضی ہو۔ بھئی! کلمہ پڑھنے کے بعد ہماری مرضی کہاں چلتی ہے؟ اب تو اللہ کی مرضی چلے گی نا۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ جو اللہ کی مرضی ہوگی ہم وہ کریں گے، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہم وہ کریں گے جو ہماری مرضی ہوگی۔ اس گھر میں وہ ہوگا جو میں چاہوں گا۔ بھئی! ''میں چاہوں'' کی بات نہیں ہے، جو اللہ چاہے وہ ہونا چاہیے اس گھر میں۔ ہم اپنے نفس کی خواہشات کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ شرکِ خفی ہے۔ اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ جانتے تھے کہ قربِ قیامت کا زمانہ نفس پرستوں کا زمانہ ہوگا۔ نفس پرستی، خواہش پرستی، زر پرستی اور زن پرستی، یہ سب کی سب بت پرستی ہی کی اقسام ہیں، خدا پرستی کوئی اور چیز ہوتی ہے۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے بتلا دیا کہ ایسے زمانے میں سورۂ کہف کا پڑھنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ کیونکہ سورۂ کہف میں انسان کو نفس کی پوجا کے بجائے اللہ رب العزت کی عبادت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور دنیا کے ساتھ دل لگانے کے بجائے آخرت سے دل لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

رحمتِ الٰہی کا ذکر:

اس سورت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا ذکر فرما کر ان کے ایک مشترکہ نظریے کو بیان کیا ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار تھے اور

انہوں نے اپنی ہر کارگزاری کو رحمتِ خداوندی پر محمول کیا۔

آگے اللہ نے توحید کی بات سمجھائی ہے کہ جب اللہ کے مقربین انبیاء علیہم السلام اور اولیاء، اللہ کی رحمت کے طلبگار ہیں تو ان کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر غیروں کو اپنا دوست اور کارساز کیسے بنا لیا ہے!؟ اس سورت میں مذکورہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا حال دیکھ لو، وہ تو کسی کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں کرتے تھے، مگر مشرک لوگ انہی انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو دنیا میں اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک سمجھتے ہیں۔

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، کیا وہ پھر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے چھوڑ کر میرے ہی بند... کو اپنا رکھوالا بنائیں گے؟ یقین رکھو کہ ہم نے ایسے کافروں کی مہمانی کے لیے ... تیار کر رکھی ہے۔

مشرکین کی خام خیالی کا بیان:

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِ...

اب کیا سمجھتے ہیں منکر کہ ٹھہرائیں میرے بندوں ...

"عبادی" سے مراد فرشتے، مسیح علیہ السلام اور عزیر ... ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شیطان مراد ہیں جن کی اطاعت ... کفار کرتے ہیں۔ امام مقاتل رحمہ اللہ کے نزدیک بت مراد ہیں۔

یعنی کافر جیسا خیال کرتے ہیں واقعہ ایسا نہیں ہے، ان کے معبودان کے دشمن ہیں، قیامت کے دن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ نیک بندے تو کافروں کے دشمن ہی ہیں، اس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ رہے شیاطین اور بت تو یہ بھی قیامت کے دن باہم تکفیر کریں گے، ایک دوسرے پر لعنت بھیجے گا اور اپنے پرستاروں سے سب اظہارِ نفرت و براءت کریں گے۔

کافروں کی مہمانی کا بیان:

اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

ہم نے تیار کیا ہے دوزخ کو کافروں کی مہمانی

جو لوگ میرے بندوں میں سے میرے سوا کسی کو اپنا کارساز بنائیں گے، بے شک ہم نے ایسے کافروں کے لیے جہنم کی آگ بطورِ مہمانی تیار کر رکھی ہے، ان کو وہاں پر کوئی راحت نہیں ہوگی، بلکہ طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ آیت میں کافروں کے لیے استہزاء کے طور پر جہنم کو "طعامِ ضیافت" قرار دیا گیا ہے۔

﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾﴾

کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارے میں ہیں؟

سب سے زیادہ خسارے والوں کا بیان:

قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ﴿۱۰۳﴾

تُو کہہ! ہم بتائیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا بہت اکارت؟

یہ آیت مبارکہ پوری سورۂ کہف کے واقعات کا نچوڑ ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک خطیب بیان کرتا ہے، وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے مختلف آیات، مختلف احادیث اور مختلف واقعات بیان کرتا ہے، لیکن جب بات کو مکمل کرنے لگتا ہے تو پھر وہ اپنی بات کو سمیٹتا ہے اور آخر میں وہ باتیں کرتا ہے جو پوری تقریر کا لبّ لباب اور نچوڑ ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ رب العزت نے سورۂ کہف کے اندر پانچ واقعات بیان فرمائے اور سکندر ذوالقرنین کا آخری واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کا نچوڑ نکالا۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا داروں کی مذمت کی کہ جو لوگ دنیا سے دل لگا لیتے ہیں اور سب کچھ دنیا کو ہی بنا لیتے ہیں، ان کے بارے میں بتایا کہ یہ لوگ بہت نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ اور ایسے لوگ کفار ہو سکتے ہیں جو قیامت قائم ہونے اور دوسری زندگی پانے کے منکر تھے اور دنیوی فائدہ ہی ان کا مقصود زندگی تھا، اس زندگی [illegible] جن طریقوں سے وابستہ ان کو نظر آتے تھے، انہی راستوں پر چلتے تھے [illegible] تھے کہ اس دنیا کے سوا کوئی اور زندگی نہیں۔ جیسے عیسائی، یہودی [illegible] الدنیا، خانقاہ نشین اور گمراہ راہب وغیرہ۔

فوائد السلوک:

ابوبکر ورّاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ [illegible] اٹھانے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی نیکی احسان جتلانے اور شکریہ کی طلب [illegible] کر دیتے تھے اور اپنی نیکیاں ریا و نمود کے ذریعے برباد کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ گھاٹے والوں کی دو علامات

الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ
صُنْعًا

یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی، اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

پہلی علامت:

الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں

ان کو صبح سے لے کر شام تک دنیا کے کام کا غم ہوتا ہے، دنیا ہی کی پریشانیاں اور دنیا ہی کے معاملات، وہ دنیا ہی کو بنانے میں لگے ہوتے ہیں، اس میں آخرت کا کوئی نشان ہی نظر نہیں آتا۔ وہ اپنا پروگرام بناتے ہیں تو یہ کہ آج میں نے بزنس میں اتنا ٹارگٹ پورا کرنا ہے، آج میں نے یہ عمارت مکمل کروانی ہے اور آج میں نے یہ فیکٹری مکمل کروانی ہے، یعنی ان کے جتنے ٹارگٹ بھی ہوتے ہیں وہ دنیا ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ کوئی ایسا ٹارگٹ نہیں ہوتا کہ آج میں نے اتنی تلاوت کرنی ہے، اتنے نفل پڑھنے ہیں، اتنا استغفار کرنا ہے اور اتنا درود شریف پڑھنا ہے۔ یہ ان کے لکھنے میں ہی نہیں آتا۔ یعنی ان کی زندگی کو دیکھو تو صبح سے لے کر شام تک ان کا ایک ہی کام ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی سنور جائے۔ دنیا کی زندگی سنوارنا ان کا مقصدِ زندگی بن چکا ہوتا ہے۔ اور جس کی دنیا

کی زندگی سنور جاتی ہے اور اس کے پاس مال پیسہ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا ہے۔

حالاتِ حاضرہ: (1)

روسی تو ویسے ہی خدا کے منکر ہیں اور وہ عقیدۂ خدا کو ''افیون'' سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک یہ مادی دنیا ہی اوّل و آخر ہے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتابیں، وقوعِ قیامت اور جزا وسزا سب بناوٹی باتیں ہیں اور لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں بھی عام لوگوں کو پھنسایا جاتا ہے اور امیر لوگ غریبوں کا خون چوس کر سرمایہ اکٹھا کرنے اور دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے لیے جائز وناجائز ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ آخرت کا تصور ان کے ہاں بھی برائے نام ہی ہے، ان میں سے کسی کا منتہائے مقصود آخرت اور رضائے الٰہی نہیں، بلکہ ان کی ساری بھاگ دوڑ... علم وہنر، سائنس اور ٹیکنالوجی محض دنیا کی خاطر ہے۔ وہ ہمیشہ معیاری خوراک، معیاری لباس، معیاری رہائش اور معیاری سواری کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، ان کے تمام منصوبے، تمام کارخانے اور تمام کمپنیاں دنیا کے آرام وراحت کے سامان مہیا کرنے پر کام کررہے ہیں۔ ان کے علم کی انتہا دنیا تک محدود ہے، نہ وہ کسی برزخ کے قائل ہیں، نہ آخرت کے، نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی آسمانی کتاب کو۔ چین اور روس کے اکثر لوگ تو سرے سے خدا کے منکر ہیں، باقیوں میں سے بھی اکثر ملحد ہیں، خاص طور پر امریکہ تو ملحدین کا گڑھ ہے، کمیونسٹ تو کارل مارکس کی کتاب کو ہی صحیفۂ آسمانی سمجھتے ہیں، جس میں صرف معاشی بہتری کے اصول بتلائے گئے ہیں اور اس

سے آگے کچھ نہیں۔ اسی لیے تو حضور ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا'' [المستدرک للحاکم، رقم: ۱۹۳۴]

''اے اللہ! ہمارا انتہائے مقصود اور مبلغ علم صرف دنیا کو ہی نہ بنا۔''

قرآن مجید نے کفار و مشرکین اور دہریوں کی یہی صفت بیان کی ہے: ﴿إِنَّ هٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾ [الدھر: ۲۷] (یہ لوگ تو دنیا کی فوری چیزوں سے محبت کرتے ہیں اور اپنے آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کیے ہوئے ہیں)۔ فرمایا کہ یہ لوگ اعمال کے لحاظ سے سخت خسارے میں ہیں؛ کیونکہ جس مادی دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ تو جلد ہی ختم ہو جائے گی اور پھر سوائے اللہ تعالیٰ کی گرفت کے ان کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔

فوائد السلوک:

شیخ ابو عبد الرحمن سلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''السَّعْيُ فِي الدُّنْيَا بِالْأَبْدَانِ، وَالسَّعْيُ إِلَى الْآخِرَةِ بِالْقُلُوبِ، وَالسَّعْيُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى بِالْهِمَمِ'' (دنیا میں بھاگ دوڑ جسم کے ذریعے کی جاتی ہے، آخرت کے لیے بھاگ دوڑ دل کے ذریعے کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگ دوڑ ہمتوں کے ذریعے کی جاتی ہے)۔

دوسری علامت:

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ خوب بنا رہے ہیں کام

آج کے دور میں جو بچہ زیادہ پیسے گھر میں لے کر آتا ہے، باپ اس سے خوش ہوتا ہے، چاہے وہ نماز ایک بھی نہ پڑھتا ہو۔ اور اسی کا ایک بچہ متقی ہے، پرہیزگار ہے، عبادت

گزار ہے، لیکن کمائی نہیں کرتا تو باپ اس کو اپنے لیے بوجھ سمجھتا ہے کہ یہ پتہ نہیں ہمارے گھر میں کہاں سے آگیا۔ گویا آخرت کی تیاری کے بارے میں ہمیں پرواہی نہیں ہے، اگر پرواہے تو فقط اس دنیا کے بارے میں ہے۔

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت اچھا کام کررہے ہیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو نیک اور اچھا سمجھتا ہے، جبکہ بعض دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنی ناشکری پر گواہ ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ناشکرا ہوں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰي ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ [العادیات:۶، ۷] (کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور وہ خود اس بات کا گواہ ہے)۔

پہلا جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کی گواہی اپنی ناشکری پر بزبانِ حال ہے، اگرچہ زبان سے اقرار نہیں کرتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْ[illegible] اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ [التوبۃ:۱۷] (مشرکی[illegible] کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، حالانکہ وہ خود اپنے کف[illegible] ہوئے ہیں)۔

دوسرا جواب: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کی یہ گواہی قیا[illegible] ہوگی جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُ[illegible] [الانعام:۱۳۰] (اور اب انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی کہ و[illegible]

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاعْتَ[illegible] لِاَصْحٰبِ

السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ [الملک: ١١] (اس طرح وہ اپنے گناہ کا خود اعتراف کرلیں گے۔ غرض پھٹکار ہے دوزخ والوں پر)۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ انسان کی یہ ناشکری کی گواہی قیامت کے دن ہوگی اور خود کو دنیا میں نیک اور اچھا سمجھ رہا ہے۔

[تطبیق الآیات، صفحہ ۴۷۱، ۴۷۲]

ضیاعِ اعمال کے دو اسباب

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾﴾

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لیے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہوگیا۔ چنانچہ قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے۔

پہلا سبب: آیاتِ الٰہی سے انکار:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی نشانیوں سے

''آیات'' سے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام، کتب، معجزات، انبیاء اور بعث بعد الموت وغیرہ مراد ہیں۔ ان لوگوں نے کسی حقیقت کو تسلیم نہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تمام نیک اعمال ضائع ہوگئے۔

دوسرا سبب لقاء الٰہی سے انکار:

وَلِقَآئِهٖ

اور اس کے ملنے سے

اعمال کے ضائع ہونے کا دوسرا سبب ملاقات الٰہی سے انکار ہے۔ چونکہ کفار اللہ کی ملاقات اور دیدار کے منکر ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہیں آخرت میں دیدار الٰہی سے محروم ہوگی۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾" [المطففین: ۱۵] (ہرگز نہیں! حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس دن اپنے پروردگار کے دیدار سے محروم ہوں گے)۔

کفر کے دو نتیجے

پہلا نتیجہ:

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

سو برباد گیا ان کا کیا ہوا

یعنی وہ کام جو دنیا کمانے کے لیے انہوں نے کیے تھے یا وہ اعمال جو اُخروی ثواب کی خاطر انہوں نے کیے تھے، سب کے ثواب سے محروم رہیں گے، کیونکہ نیک اعمال قبول ہونے کی بنیادی شرط ایمان ہے اور وہ کافر تھے۔

حبطِ عمل کی تین صورتیں:

حبطِ عمل کی تین صورتیں ہیں:

(۱) اوّل یہ کہ وہ اعمال دنیوی ہوں گے، اس لیے قیامت کے دن کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ [الفرقان: ۲۳] (اور انہوں نے دنیا میں جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گردوغبار کی طرح بے قیمت بنادیں گے)۔

(۲) اعمال تو اُخروی ہوں، لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے نہ کیا گیا ہو، جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ تُو کس قسم کے عمل کرتا رہا؟ وہ جواب دے گا کہ میں قرآن پاک پڑھتا رہا۔ اس سے کہا جائے گا کہ تُو نے قرآن اس لیے پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو لوگ تجھے قاری کہتے رہے، حکم ہوگا کہ اس دوزخ میں لے جاؤ۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کیے ہوں گے، لیکن ان کے بالمقابل گناہ کا بار اس قدر ہوگا کہ اعمالِ صالحہ بے اثر ہو کر رہ جائیں گے اور گناہوں کا پلہ بھاری رہے گا۔

[مفردات القرآن للامام الراغب: تحت ہذہ الآیۃ]

دوسرا نتیجہ:

﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾

پھر نہ کھڑی کریں گے ہم ان کے واسطے قیامت کے دن تول

وزن قائم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کی کوئی قدر نہ ہوگی، اللہ ان کے ان اعمال کا اعتبار نہیں کرے گا......وزن کرنے کی ضرورت تو تب پیش آئے گی جب برائیوں کے ساتھ نیک اعمال بھی ہوں گے، اور اگر نیک اعمال ان کے کفر و شرک کی وجہ سے پہلے ہی ضائع ہو چکے ہیں تو اب ترازو لگانے کا کیا مطلب؟ ان کے لیے جہنم

کا حکم ہو جائے گا۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعمال تو لے جائیں گے، مگر وہ بالکل بے وزن ہوں گے اور ان کا کوئی اچھا نتیجہ مرتب نہیں ہوگا۔

دنیا کا وزنی، آخرت کا بے وزن:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''إنَّهُ لیأتي الرَّجُلُ العظیمُ السَّمینُ یوم القیامة، لا یزنُ عند الله جَناحَ بعُوضَةٍ'' (قیامت کے دن ایک بڑا موٹا تازہ آدمی آئے گا، مگر وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر سے بھی زیادہ حقیر ہوگا)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت ''نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا'' کا مطلب یہی ہے، یعنی ہم قیامت کے دن ان کے لیے وزن قائم نہ کریں گے۔ [صحیح بخاری، رقم: ۴۷۲۹]

طلبہ کے لیے علمی نکتہ:

سوال: کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ (قیامت کے دن ہم ان کے لے ترازو مقرر نہیں کریں گے) یعنی ہم کفار کے اعمال کو تولنے کے لیے ترازو مقرر نہیں کریں گے، اس لیے کہ ترازو اعمال کا وزن کرنے کے لیے ہوتا ہے اور کافروں کے افعال کا کوئی وزن نہیں ہوگا، مگر دوسری آیت میں فرماتے ہیں: ﴿وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝﴾ [القارعہ: ۸، ۹] (اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا)۔

اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ [illegible] آیتوں میں بظاہر تعارض واقع ہوا۔ تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: پہلی آیت کفار کے متعلق ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے [illegible] یہاں کچھ قدر و منزلت نہ ہوگی، جبکہ دوسری آیت ان مومنین کے [illegible] سیئات

(برائیاں) ان کی حسنات (نیکیوں) سے زیادہ ہوں گی۔ ان سیئات کی پاداش میں وہ جہنم میں داخل ہوں گے، مگر ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے، بلکہ سزا بھگتنے کے بعد اس سے خلاصی پا کر جنت میں داخل ہوں گے۔ لہٰذا کچھ تعارض نہ رہا۔

[مسائل الرازی، صفحہ ۲۴۹]

﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴿۱۰۶﴾﴾

یہ ہے جہنم کی شکل میں ان کی سزا، کیونکہ انہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی، اور میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کا مذاق بنایا تھا۔

کفر کی سزا کا بیان:

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ

یہ بدلہ ان کا ہے دوزخ

چنانچہ کفار کو آخرت میں دوزخ کی سزا ملے گی اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جسے تم جھوٹ کہتے تھے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴿۱۴﴾﴾ [الطور: ۱۳، ۱۴] (اس دن جب انہیں دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا۔ کہ یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے)۔

سزا کا پہلا سبب:

بِمَا كَفَرُوْا

اس پر کہ منکر ہوئے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کفار کی سزا کا پہلا سبب بیان فرما رہے ہیں کہ چونکہ وہ دنیا میں کفر کی تاریکی میں پھنسے رہے اور انکار پر ڈٹے رہے۔ لہٰذا اب ان کو آخرت میں یہ سزا دی جارہی ہے۔

سزا کا دوسرا سبب:)

وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

اور ٹھہرایا میری باتوں اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا

پھر یہاں پر سزا کا دوسرا سبب بیان فرمایا ہے کہ کفار کو دوزخ میں اس لیے جلایا جائے گا کہ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء اور اولوالعزم رسولوں کا مذاق بنایا، ان کی تعلیمات کا استہزاء اُڑایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

(دوسری طرف) جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کی مہمانی کے لیے بے شک فردوس کے باغ ہوں گے۔

ایمان وعمل صالح کا بیان:)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں بھلے کام

یہاں سے اللہ تعالیٰ ایمان اور عمل صالح کے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ ان

دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایمان اور عمل صالح کا اکٹھے تذکرہ کیا گیا ہے، چنانچہ جس طرح چابی کے لیے دندانے ضروری ہوتے ہیں، ان کے بغیر تالا نہیں کھلتا، اسی طرح ایمان کی چابی کے لیے عمل صالح کے دندانے بھی ضروری ہیں۔

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کہا گیا: ''أليس مفتاح الجنة لا إله إلا الله؟'' (کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟) انہوں نے فرمایا: ''بلى، و لكن ليس من مفتاحٍ إلا و له أسنانٌ، من أتى الباب بأسنانه فتح له، و من لم يأت الباب بأسنانه لم يفتح له'' [مشکوۃ المصابیح، رقم: ۴۳] (کیوں نہیں، لیکن ہر چابی کے دندانے ہوتے ہیں، چنانچہ جو شخص جنت کے دروازے پر دندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دروازہ کھل جائے گا اور جو بغیر دندانوں والی چابی لے کر آئے گا تو اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جائے گا)۔

تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے: (۱)

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں قرآن پر عمل کرتا ہے اس کے لیے قیامت کے دن قرآن کو بہت خوبصورت شکل میں بنا دیا جائے گا، اس کا چہرہ خوبصورت اور اس کی خوشبو پاکیزہ ہوگی۔ وہ اپنے ساتھی کے پہلو میں کھڑا ہوگا، جب بھی وہ گھبرائے گا تو اس کی گھبراہٹ کو دور کرے گا، اُسے سکون دے گا اور اس کی اُمیدوں کو کشادہ کرے گا اور وہ شخص اسے کہے گا:

''جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا مِنْ صَاحِبٍ فَمَا أَحْسَنَ صُورَتَكَ! وَ أَطْيَبَ رِيْحَكَ!''
''اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ساتھی کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، (تو کون ہے؟) کیا

ہی اچھی تیری صورت ہے اور کیا ہی اچھی تیری خوشبو ہے۔"

وہ اس سے کہے گا:

"أما تعرفني؟"

"کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟"

"تعال! فاركبني فطالما ركبتك في الدنيا أنا عملك. إن عملك كان حسنًا فترى صورتي حسنة وكان طيبًا فترى ريحي طيبة"

"تو آجا اور مجھ پر سوار ہو جا میں نے تجھ پر دنیا میں بہت لمبا عرصہ سواری کی میں تیرا عمل ہوں، اگر تیرا عمل حسین تھا تو نے میری صورت بھی حسین دیکھی اور اگر تیرے عمل کی خوشبو پاکیزہ تھی تو میری خوشبو بھی پاکیزہ دیکھے گا۔"

وہ عمل اسے اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دے گا اور عرض کرے گا: اے میرے رب! یہ فلاں ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے زیادہ جانتے ہوں گے)، میں نے اس کو زندگی کے دنوں میں مشغول رکھا، دنیا میں کبھی میں نے اس کو دن میں پیاسا رکھا اور اس کو راتوں میں جگائے رکھا، آپ اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرمایئے۔

چنانچہ اس کو بادشاہ والا تاج پہنایا جائے گا اور بادشاہ والا جوڑا پہنایا جائے گا۔

قرآن مجید کہے گا:

"یا رب! قد کنت أرغب له عن هذا وأرجو له منك أفضل من هذا"

"اے میرے رب! میں اس کی خاطر دنیا کی چیزوں سے منہ موڑے رہا، اب میں اس کے لیے تیری طرف سے اس سے افضل کی امید رکھتا ہوں۔"

اس کے بعد اس کے دائیں جانب سے جنت اور بائیں جانب سے نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ قرآن مجید کہے گا:

''يَا رَبِّ! إِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ قَد دَخَلَ عَلَى أَهْلِهِ مِن تِجَارَتِهِ، فَيُشَفَّعُ فِي أَقَارِبِهِ''

[تفسیر درمنثور: تحت آیۃ ۱۰۵ من سورۃ الکہف]

''اے میرے رب! ہر تاجر اپنے اہل وعیال پر اپنی تجارت کے ساتھ داخل ہوتا ہے، اس پر اس کی سفارش اس کے اقارب کے حق میں قبول کر لی جائے گی۔''

ایمان و عمل صالح کا انعام: (۱)

كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

ان کے واسطے ہے ٹھنڈی چھاؤں کے باغ مہمانی

اللہ پر ایمان رکھنے والے، اس کے رسولوں کو سچا ماننے والے اور ان کی باتوں پر عمل کرنے والے بہترین جنتوں میں ہوں گے، یہی ان کا مہمان خانہ ہوگی۔ یہ یہاں ہمیشہ کے لیے رہیں گے، نہ نکالے جائیں گے اور نہ ہی انہیں وہاں سے نکلنے کا خیال آئے گا۔ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہوگی، ہر طرح کے اعلیٰ عیش مہیا ہوں گے، ایک پر ایک رحمت مل رہی ہوگی، روز بروز رغبت و محبت، اُنس و اُلفت بڑھتی جا رہی ہوگی، اس لیے نہ تو ان کی طبیعت اُکتائے گی اور نہ ہی دل بھرے گا، بلکہ ہر روز شوق بڑھتا رہے گا اور نئی نئی نعمتیں ملتی رہیں گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جَنَّات'' جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں:

(۱)..... جنت الفردوس

(۲)..... جنت عدن

(۳)..... جنت النعیم

4 ...... دار الخلد

5 ...... جنت الماویٰ

6 ...... دار السلام

7 ...... علیین

فردوس کی تحقیق:

فردوس کا معنی "باغ" ہے۔ حضور ﷺ نے "فردوس" کو جنت کا اعلیٰ طبقہ قرار دیا ہے، اسی لیے فرمایا: "فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰہَ فَاسْأَلُوہُ الفِرْدَوْسَ" (جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو)، "فَوْقَہُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ" (اسی جنت الفردوس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے) اسی طبقہ سے تمام نہریں جاری ہوتی ہیں جو جنت کے دوسرے طبقات میں پہنچتی ہیں۔ [صحیح بخاری، رقم:۲۷۹۰]

جنت الفردوس کی پیدائش:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تین چیزیں اپنے دست ([illegible]) سے بنائیں:

1 ...... "خَلَقَ آدَمَ بِیَدِہٖ" (آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا)۔

2 ...... "کَتَبَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ" (تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا)۔

3 ...... "وَ غَرَسَ الفِرْدَوْسَ بِیَدِہٖ" (اور فردوس کو اپنے ہا[illegible] لگایا)۔

اور فرمایا:

"وَ عِزَّتِي وَ جَلَالِي! لَا یَدْخُلُهَا مُدْمِنُ خَمْرٍ وَلَا [illegible]وثٌ"

"مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی! اس کے اند[illegible]شراب پینے والا داخل ہوگا اور نہ

ی کوئی دیوث۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! "مُدْمِنُ خَمْر" کو تو ہم جانتے ہیں، دیوث کا کیا مطلب ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الَّذِيْ يُقِرُّ السُّوْءَ فِي أَهْلِه." [صفۃ الجنۃ لابن ابی الدنیا: ۱/۴۲]

"وہ شخص جو اپنے گھر والوں کی برائی کو مانتا ہے، لیکن ٹس سے مس نہیں ہوتا۔"

مبلّغین کا مقام: (۱)

حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لَيْسَ فِي الْجِنَانِ أَعْلٰى مِنْ جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ، فِيْهَا الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

(جنتوں میں فردوس سے اونچی کوئی جنت نہیں ہے۔ بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اسی میں داخل ہوں گے)۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨﴾

جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے (اور) وہ وہاں سے کہیں اور جانا نہیں چاہیں گے۔

جنت الفردوس میں دوامِ رہائش کا بیان: (۱)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝١٠٨

رہا کریں ان میں نہ چاہیں وہاں سے جگہ بدلنی

ایمان والے ہمیشہ ہمیشہ جنت الفردوس میں رہیں گے، اس سے ہٹنا نہ چاہیں گے۔

اور جو دنیا کے اوپر ریجھ گئے اور دنیا کو ہی کمانے لگ گئے، یہ لوگ آخرت میں جنت سے محروم ہوں گے اور جہنم میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس لیے یہ لوگ خسارہ اُٹھانے والے ہوں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر روشنائی بن جائے تو میرے رب کی باتیں ختم نہیں ہوں گی کہ اس سے پہلے سمندر خشک ہو چکا ہوگا، چاہے اس سمندر کی کمی پوری کرنے کے لیے ہم ویسا ہی ایک اور سمندر کیوں نہ لے آئیں۔

عظمتِ الٰہی کا بیان:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

تُو کہہ! اگر دریا سیاہی ہو کر لکھے میرے رب کی باتیں۔ بے شک دریا خرچ ہو چکے، ابھی نہ پوری ہوں میرے رب کی باتیں اور اگرچہ دوسرا بھی لائیں ہم ویسا ہی اس کی مدد کو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ واقعی تعریف اللہ تعالیٰ کو جچتی ہے۔ ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی صفات ایسی ہیں کہ واقعی وہ تعریف کے قابل ہیں۔ بندے تو اس کی تعریف کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف یوں بیان فرمائی کہ آپ فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو جاتا تو

میرے رب کی صفات تو ختم نہ ہوتیں، سمندر کی سیاہی اس سے پہلے ختم ہو جاتی، اگر اتنے ہی سمندر اور بھی اس کی مدد کے لیے لائے جاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کی ہیں کہ میں تو اتنی صفات والا ہوں، اتنا عظیم ہوں کہ اگر تم سمندروں کو سیاہی بنا کر میری تعریف لکھنا شروع کرو تو تم میری تعریفوں کا حق بھی ادا نہیں کر سکتے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ﴾ [لقمان:۲۷] (اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں، تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی)۔

شانِ نزول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قریش نے یہودیوں سے کہا:

''أَعْطُونَا شَيْئًا نَسْأَلُ عَنْهُ هَذَا الرَّجُلَ''

''ہمیں کوئی ایسی چیز بتلاؤ کہ ہم اس آدمی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کریں۔''

انہوں نے کہا:

''سَلُوْهُ عَنِ الرُّوحِ''

''ان سے روح کے بارے میں سوال کرو۔''

انہوں نے جب سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾ [الاسراء:۸۵]

یہود کہنے لگے:

''أوتینا علما کثیرا، أوتینا التوراة ومن أوتي التوراة فقد أوتي خیرا کثیرا''

''ہمیں بہت علم دیا گیا ہے، ہمیں تورات دی گئی اور جس کو تورات دی گئی تو اس کو خیر کثیر دی گئی۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ نازل فرمائی۔

[لباب النقول، ص ۱۵۵]

فوائد السلوک: (۱)

......حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بھی اپنے نام پاک کے ساتھ القاب وآداب کی شرط لگاتے تو ہم وہ القاب وآداب کہاں سے لاتے، **جو اس** بارگاہ کے لائق ہیں؟ اگر ازل سے لے کر ابد تک ان القاب وآداب کو لانے میں **مشغول** رہتے تو ان کو ہمارے القاب کی حق تعالیٰ کے اوصاف کے مقابلہ میں **وہ نسبت بھی نہ** ہوتی جو ایک قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔

؎ دامانِ نگہ تنگ ، و گل حسن تو بسیار
گلچیں بہارِ تو ز تنگیٔ داماں **گلہ** دارد

''نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے حسن کے پھول بہت **ہیں۔ تیرے بہار کے پھول** چننے والا کوتاہیٔ دامن کی شکایت کرتا ہے۔''

یعنی محبوبِ حقیقی کے کمالات واوصاف بہت **ہی ہیں، ان کی انتہا نہیں ہے۔ ہماری** زبان ونظر ان کے بیان کرنے سے **قاصر وعاجز ہے۔**

[اشرف التفاسیر: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾

کہہ دو کہ میں تو تمہی جیسا ایک انسان ہوں، (البتہ) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا خدا بس ایک خدا ہے۔ لہٰذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی اُمید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے، اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔

بشریتِ خاتم الانبیاء ﷺ کا اثبات:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

تُو کہہ! میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم

اس آیت میں پہلے رسالت، پھر توحید اور اس کے بعد معاد کا ذکر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ سے فرما رہے ہیں: آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہی ہوں، مجھ میں تمام انسانی لوازمات اور ضروریات پائی جاتی ہیں، لیکن اللہ نے مجھے یہ امتیاز بخشا ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو بعض انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس ہستی کو رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے، اس کی طرف وحی بھی نازل فرماتا ہے اور اس کو شریعت کا قطعی اور یقینی علم بھی عطا کرتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تواضع کی

تعلیم دی، تاکہ آپ مغرور نہ ہو جائیں اور حکم دیا کہ اپنے آدمی ہونے کا اقرار کریں، لیکن اقرارِ بشریت کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیں کہ میرے اندر صاحبِ وحی ہونے کی خصوصیت بھی ہے، میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اکیلا معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس حکم سے ایک بہت بڑے فتنے کا دروازہ بند ہو گیا جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے۔ انہوں نے اندھوں کو بینا ہوتے، لاعلاج بیماروں کو تندرست ہوتے اور مُردوں کو زندہ ہوتے دیکھا، اللہ نے یہ معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ظاہر فرمائے تو عیسائی چکر میں پھنس گئے، کسی نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور کسی نے جزءِ اُلوہیت قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے زیادہ معجزات عطا فرمائے تھے، لوگوں کا فتنہ میں پڑ جانا غالب تھا، اس لیے حکم دیا کہ اپنی عبودیت اور اللہ کی توحید کا اعلان کر دیں۔ [دیکھیے: تفسیر مظہری: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ہوتے تو آپ کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ''کَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ'' (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے)، آپ انسانوں والے کام کرتے تھے، آپ کپڑے دھو لیتے یا مکان کی صفائی کر لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، جوتے کو ٹانکا لگا لیتے، کپڑے میں کوئی تکلیف دِہ چیز کانٹا وغیرہ ہوتا تو اسے نکال دیتے اور پھر آرام بھی فرماتے۔ [تفسیر قرطبی: تحت آیہ ۲۷ من سورۃ النحل]

شرکیہ عقیدہ کی تردید: (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق نوعِ انسانی کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری جنس میں سے

نہیں تھے، اسی مقام پر آ کر لوگ دھوکا کھاتے، بھٹک جاتے ہیں اور آپ ﷺ کو نوع انسانی سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔ بحیثیتِ انسان آپ کی بیویاں تھیں، اولاد تھی، والدین اور آباؤ اجداد تھے، آپ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت زیادہ فضیلت عطا فرمائی، آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم تھا، تاہم آپ نسل انسانی میں سے تھے، ملائکہ، جنات یا کسی دوسری مخلوق میں سے نہیں تھے۔ انسان ہونا باعث شرف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾﴾ [ص:۷۱] (میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں) لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی کو انسان کہنے سے (نعوذ باللہ) اس کی توہین ہو جاتی ہے۔ بھائی! ایسی بات نہیں ہے، انسان انسان میں بڑا فرق ہے، ایسے لوگوں کے سامنے اپنے جیسے انسانوں کا نمونہ ہوتا ہے جو ہر لحہ نافرمانی کرتے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کو بھی ایسا ہی انسان تصور کیا جائے تو بلا شبہ باعث توہین ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص امتیاز بخشا ہے، اللہ کا ہر نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے گناہ نہ سرزد ہونے دیا جائے۔ اگر کوئی معمولی سی لغزش ہو بھی جائے تو فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے، مگر تمام انبیاء انسان ہی ہوتے ہیں اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ تو سید البشر اور سید الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ پوری نوع بشر کے امام ہیں، آپ کو نسل انسانی سے خارج کر کے ''نُوْرٌ مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ'' کا عقیدہ رکھنا غلط ہے اور یہ خدا کا جزو بنانے کے مترادف ہے۔

[تفسیر معالم العرفان: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

قرآن مجید میں لفظ ''بشر'' کے 13 مصداق: (1)

قرآن مجید میں لفظ ''بشر'' کے 13 مصداق بیان کیے گئے ہیں:

❶ ... حضرت آدم علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ﴾ [ص:۷۱]

❷ ... حضرت نوح علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ﴾ [المومنون:۲۴]

❸ ... حضرت صالح علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ﴾ [القمر:۲۴]

❹ ... حضرت یوسف علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا﴾ [یوسف:۳۱]

❺ ... حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ [المومنون:۴۷]

❻ ... حضرت جبرئیل علیہ السلام ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ [مریم:۱۷]

❼ ... ابن ماثان ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ﴾ [مریم:۲۰]

❽ ... بنی اسرائیل کا ایک شخص ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا﴾ [مریم:۲۶]

❾ ... دو عجمی لڑکے جبر اور یسار، جن کے متعلق کفارِ مکہ کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن اور سابقہ اُمتوں کے حالات سیکھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ [النحل:۱۰۳]

❿ ... خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ [فصلت:۶]

11 تمام رسول۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾ [التغابن: ۶]

12 انسانی جسم کی کھال۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾﴾ [المدثر: ۲۹]

13 سارے انسان۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ [الروم: ۲۰]

[بصائر ذوی التمییز: ۲/ ۲۰۳، ۲۰۴]

رسالتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثبات:

يُوْحٰٓى اِلَيَّ
حکم آتا ہے مجھ کو

لفظ ''وحی'' کے قرآنی استعمالات:

قرآن مجید میں لفظ ''وحی'' 5 مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے:

1 وہ وحی جو جبرئیل علیہ السلام انبیاء علیہم السلام پر لاتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾﴾ [النساء: ۱۶۳]

2 بمعنی الہام۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ﴾ [المائدۃ: ۱۱۱] ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾﴾ [النحل: ۶۸]

● بمعنی وسوسہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ [الانعام:١١٢]

● کہنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا﴾ [الزلزال:۵]

● اشارہ کرنے کے معنی میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ [مریم:١١]

عقیدۂ توحید کا بیان: ۱)

اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے

یہ طے شدہ بات ہے کہ تمہارا معبود صرف اللہ ہے۔ حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس، دستگیر، قانون ساز، دینے اور لینے والا صرف ایک رب ہے۔

لقائے الٰہی کا شوق دلانے کا بیان: ۲)

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ

سو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اور اپنے حسن و جمال کا تذکرہ کیا تو آگے پھر اپنی ملاقات کا طریقہ بھی بتا دیا۔ یعنی جو لوگ ایسے مالک حقیقی کا دیدار کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، ان کے بارے میں کیا فرمایا۔ فرمایا کہ وہ اللہ ہی سے محبت کرے، ماسوی اللہ کی محبت اس کے دل میں نہیں ہونی چاہیے۔ تو جس بندے کے دل

میں یہ دوخوبیاں ہوں گی کہ اس کا دل غیر کی محبت سے خالی ہو اور اس کا جسم عبادت میں لگا رہے، یہ وہ بندہ ہے جو جنت میں جائے گا اور اپنے رب کا دیدار کرے گا۔ اس آیت میں گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی ملاقات کا طریقہ بھی بتادیا ہے۔ یہ اس سورت کی آخری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورت کا مقصود بتادیا ہے۔ جس بندے نے یہ دونوں کام کر لیے اس نے گویا رب کو راضی کر لیا، ایسا بندہ ایمان بچا کر دنیا سے جائے گا اور اس کو آخرت میں اللہ کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔

بھئی! اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی ملاقات تو ہر ایمان والا بندہ چاہتا ہے۔ جس نے کلمہ پڑھا ہے وہ چاہتا ہے کہ ایسا دن بھی آئے کہ جب مجھے جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ نے دنیا ہی میں کوہِ طور کے اوپر تجلی ڈال دی تھی اور ہمارے لیے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمادیا۔ اس لیے جنت میں جانے تک کا انتظار تو ہر بندے کو کرنا پڑے گا۔ یہ سستا سودا ہے۔ کیوں جی! یہ سستا سودا ہے نا۔ کبھی بھی دیدار ہو جائے، کہیں بھی ہو جائے، ہم تیار ہیں۔

سرِ طور ہو سرِ حشر ہو ہمیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کہیں سہی

لقائے الٰہی کے حصول کے لیے دو اصول

پہلا اُصول......عمل، صالح ہو:

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

سو وہ کرے کچھ کام نیک

اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کے حصول کے لیے پہلا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ نیک عمل کرے، جو شریعت وسنت کے مطابق ہو۔ اس کی برکت سے پھر انسان اللہ سے ملاقات کا شرف پا سکتا ہے۔

دوسرا اُصول...... عمل، اخلاص سے بھر پور ہو:

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو

اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور دیدار کے حصول کے لیے دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام نہ کرے، اور نہ ہی عمل صالح کی تعریف اور جزا کا اللہ کے علاوہ کسی سے امیدوار ہو۔

شانِ نزول:

حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا:

"يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّي أَقِفُ مَوَاقِفَ أُرِيْدُ وَجْهَ اللهِ وَأُحِبُّ أَنْ يُرَى مَوْطِنِيْ"

"اے اللہ کے نبی! میں موقف حج میں ٹھہرتا ہوں اور اللہ کی رضا مندی کو چاہتا ہوں اور میں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرے یہاں ٹھہرنے کو دیکھا جائے، یعنی لوگ مجھے دیکھ لیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ آیت ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾﴾ نازل ہوئی۔

[لباب النقول، ص ۱۵۶]

ریاکاری شرک ہے: (۱)

عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: ''أَخْبِرْنِي عَنِ الرِّيَاءِ؟ أَشِرْكٌ هُوَ؟'' (مجھے ریاکاری کے بارے میں بتائیے، کیا وہ شرک ہے)؟ فرمایا: ''نَعَمْ! يَا بُنَيَّ!'' (اے میرے بیٹے! ہاں وہ شرک ہے)، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ نہیں پڑھا؟
[تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ من سورۃ الکہف]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو ایک میدان میں جمع فرمائیں گے اور ایک آنکھ ان کو دیکھے گی اور ایک بلانے والا ان کو اپنی بات سنائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''أَنَا خَيْرُ شَرِيكٍ كُلُّ عَمَلٍ عُمِلَ لِي فِي دَارِ الدُّنْيَا كَانَ لِي فِيهِ شَرِيكٌ فَأَنَا أَدَعُهُ الْيَوْمَ وَلَا أَقْبَلُ الْيَوْمَ إِلَّا خَالِصًا.''[حوالہ بالا]

''میں شریک سے بہتر ہوں۔ ہر وہ عمل جو اس دنیا میں میرے لیے کیا گیا اور اس میں غیر لوگوں کو بھی شریک کیا گیا تو میں آج اس کو چھوڑتا ہوں اور آج کے دن میں صرف اس عمل کو قبول کروں گا جو خالص میری رضا کے لیے ہوگا۔''

پھر یہ آیت ﴿اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ [الصافات: ۴۰] پڑھی اور یہ بھی پڑھا: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ (لہٰذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی امید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ پہلوں اور پچھلوں کو جمع فرمائیں گے،

اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں، ایک آواز دینے والا آواز دے گا: ''مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ'' [جامع ترمذی، رقم: ۳۱۵۴] (جس شخص نے ایسے عمل میں کسی ایک کو شریک کیا جو اللہ کے لیے کیا تھا تو اس کو چاہیے کہ اس کا ثواب غیر اللہ سے طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریکوں کے شرک سے مستغنی ہیں)۔

...... حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كُنَّا نَعُدُّ الرِّيَاءَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّرْكَ الْأَصْغَرَ'' (ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ریاکاری کو چھوٹے شرک میں شمار کرتے تھے)۔ [تفسیر درمنثور]

...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ وَ مَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَ مَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ'' (جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے شرک کیا)، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھی۔ [مسند احمد، رقم: ۱۷۱۸۰]

...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي لِمَكَانِ رَجُلٍ'' (چھپا ہوا شرک یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے)۔ [تفسیر درمنثور: تحت ہذہ الآیۃ]

...... حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَمْرٌ أَتَخَوَّفُهُ عَلَى أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي'' (میں اپنی امت کے بارے میں ایک چیز سے ڈرتا ہوں)۔ میں نے عرض کیا: ''وَ مَا هُوَ؟'' (وہ کیا چیز ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلشِّرْكُ وَشَهْوَةٌ خَفِيَّةٌ'' (شرک اور چھپی ہوئی شہوت)۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''أَتُشْرِكُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ؟'' (کیا آپ کی اُمت آپ کے بعد شرک کرے گی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''يَا شَدَّادُ! أَمَا إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُونَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا وَثَنًا وَلَا حَجَرًا وَلٰكِنْ يُرَاؤُوْنَ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ'' (ہاں! بلاشبہ وہ لوگ سورج، چاند، بت اور کسی پتھر کی عبادت نہیں کریں گے، لیکن وہ اپنے اعمال لوگوں کو دکھانے کے لیے کریں گے)، میں عرض کیا: یارسول اللہ! ''اَلرِّيَاءُ شِرْكٌ هُوَ؟'' (ریاکاری شرک کے زُمرے میں آتی ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں! میں نے پوچھا: ''فَمَا الشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ؟'' (چھپی ہوئی شہوت کیا چیز ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''يُصْبِحُ أَحَدُكُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهُ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِ الدُّنْيَا فَيُفْطِرُ'' [مستدرک الحاکم، رقم: ۷۹۴۰] (تم میں کوئی آدمی روزہ کی حالت میں صبح کرے گا، پھر دنیا کی خواہشات میں سے کوئی خواہش اس کے اندر اُبھرے گی تو وہ روزہ چھوڑ کر اپنی خواہش پوری کرے گا)۔

ریاکاری کے لیے جہاد کرنے کا وبال:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ قَامَ بِخُطْبَةٍ لَا يَلْتَمِسُ بِهَا إِلَّا رِيَاءً وَّ سُمْعَةً أَوْقَفَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ مَوْقِفِ رِيَاءٍ وَّ سُمْعَةٍ'' (جو شخص خطبہ دینے کھڑا ہوا اور اس میں وہ ریاکاری اور شہرت کو چاہتا ہے تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کو ریاکاری اور شہرت کی جگہ پر کھڑا کریں گے [اور لوگوں کے سامنے اس کو رُسوا کریں گے])۔ [مسند احمد، رقم: ۱۶۰۷۳]

نماز کو ریاکاری سے بچانا:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک

دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''أَيُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا الشِّرْكَ فَإِنَّهُ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ'' (لوگو! شرک سے بچو، کیونکہ یہ چیونٹی کے رینگنے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے)۔ ہم نے عرض کیا: ''وَ كَيْفَ نَتَّقِيهِ وَ هُوَ أَخْفَى مِنْ دَبِيبِ النَّمْلِ؟ يَا رَسُولَ اللهِ!'' (یا رسول اللہ! ہم اس سے کیسے بچیں حالانکہ وہ چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ چھپا ہوا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس طرح کہو: ''اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُ بِكَ أَنْ نُشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَعْلَمُهُ وَ نَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُ'' (اے اللہ! ہم آپ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں جس کو ہم جانتے ہیں اور ہم استغفار کرتے ہیں اس سے جس کو ہم نہیں جانتے)۔ [تفسیر درمنثور، تحت ہذہ الآیۃ]

......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جُبِّ الْحَزَنِ'' (تم غم کے کنوئیں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو) پوچھا گیا: ''مَنْ يَسْكُنُهُ؟'' (اس میں کون ٹھہریں گے؟) فرمایا: ''اَلْمُرَاؤُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ'' (اپنے اعمال میں ریاکاری کرنے والے)۔ [حوالہ بالا]

فوائد السلوک:

......حدیث میں ''لَا يُشْرِكْ'' کی تفسیر ''لَا يُرَائِي'' آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت میں شرک نہ کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریا شرک ہے، حالانکہ ریا میں غیر اللہ معبود نہیں ہوتا، مگر مقصود ہوتا ہے کہ اس کی نظر میں بڑا بننے کے لیے بنا سنوار کر عبادت کی جاتی ہے۔ اس لیے اس کو شرک قرار دیا گیا۔ اور یہ بالکل عقل کے مطابق ہے، کیونکہ اعضاء سے شرک یہ ہے کہ یہ غیر اللہ کے سامنے جھکے اور غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ بالکل

اسی طرح قلب سے غیر اللہ کو مقصود بنانا کیسے شرک نہ ہوگا؟! پس غیر اللہ سے خوف وطمع پر صوفیاء کا لفظ شرک کا اطلاق کرنا غلط نہیں، کیونکہ جب دل کے اندر غیر اللہ سے خوف وطمع آجاتا ہے تو توحید وہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی وجہ سے اسے شرک کہتے ہیں۔

.... ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ جو اللہ کا بے کیف قرب اور نزولِ خداوندی کا خواستگار ہے اور اس بے کیف وصل کا امیدوار ہے تو نیک کام کرے، یعنی پہلے نفس اور اس کے عیوب کو فنا کردے، اس کے بعد نیک کام کرے۔ عیوبِ نفس نیک عمل کو تباہ کردیتے ہیں، عمل میں صلاح فنائے نفس کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہ کرے، یعنی اللہ کے سوا اس کے دل کا تعلق کسی سے نہ رہے، نہ علمی تعلق، نہ محبت کا تعلق، نہ عقلی تعلق اور نہ جذباتی تعلق۔ علمی تعلق کا نام ذکر ہے اور ذکر عبادت ہے۔ اور محبت مقتضی عبادت ہے، محبوب معبود ہوتا ہے۔ عبادت کا معنی ہے: اپنے آپ کو حقیر سمجھنا اور محبوب کے سامنے انتہائی عاجزی کرنا، گویا اس کی پوجا کرنا ہے۔ پس عبادت میں شرک نہ کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ دل کا کسی قسم کا تعلق غیر اللہ سے نہ ہو۔

......اللہ کے سوا دوسروں سے دل کا علمی تعلق تو اولیاء وانبیاء کا بھی ہوتا ہے، لیکن فنائے قلب کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا محل قلب نہیں ہوتا، اس وقت تو قلب پر تجلیاتِ رحمٰن کا نزول ہوتا ہے تو تعلقات سمجھ لیں کہ قلب سے باہر ہوتے ہیں۔

ارکانِ عبادت: (۱)

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادت کے تین رکن ہیں: دل، آنکھ اور زبان۔

......دل کی عبادت فکر و مراقبہ ہے۔

......آنکھ کی عبادت حفاظتِ نظر ہے اور نگاہِ عبرت ہے۔

......زبان کی عبادت حق اور سچ بولنا ہے۔

سب سے نفع بخش عبادت:

بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ سب سے نفع بخش عبادت یہ ہے کہ بندہ خیالاتِ قلبی کی اصلاح کرے۔

عبادت کی حقیقت:

شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسی عبادت کرے، جیسے وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

زاہد اور عارف کی عبادت میں فرق:

صاحب روح البیان فرماتے ہیں کہ زاہد ساری دنیا کے مشغلوں سے فارغ ہوتا ہے، چنانچہ وہ پروردگار کی عبادت خوف و طمع کے ساتھ کرتا ہے...... جبکہ عارف دونوں جہانوں سے بے خبر ہوتا ہے، وہ پروردگار کی عبادت شوقِ ملاقات اور ذوقِ دیدار کی وجہ سے کرتا ہے۔

عبادت کی مٹھاس:

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لَا تَجِدُ حَلَاوَةَ الْعِبَادَةِ، حَتّٰى تَجْعَلَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ الشَّهَوَاتِ حَائِطًا مِن حَدِيْدٍ" (آپ عبادت کی مٹھاس اس وقت تک نہیں پاسکتے، جب تک آپ اپنے اور شہوات کے درمیان آہنی دیوار نہ بن جائیں)۔

ہماری تن آسانی:

آپ غور کریں کہ آج کے دور میں اتنی تن آسانی آگئی ہے کہ اتنی پہلے زمانے میں کبھی نہیں آئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں کی بھی انتہا کردی ہے اور آج اُٹھ کر کوئی کام کرنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ نوجوان بچے تو ہاتھ ہلانا مشکل سمجھتے ہیں، بلکہ اگر وہ کھیل بھی کھیلتے ہیں تو بھاگنے دوڑنے والا کھیل نہیں کھیلتے، بلکہ آج کے دور میں سکرین کے کھیل آگئے ہیں، ویڈیو گیمز۔ بس وہ ایک جگہ پر بیٹھے رہتے ہیں اور کھیل پر کھیل کھیلتے رہتے ہیں، ان کو دوڑنے بھاگنے والے کھیل اچھے نہیں لگتے۔ فقط تن آسانی کی وجہ سے۔ اسی لیے وہ بچے کھا کھا کے موٹے ہوجاتے ہیں، ان کے وزن بڑھ جاتے ہیں اور ان کے اندر سستی آجاتی ہے۔ لہٰذا ان کے لیے نماز پڑھنا مشکل، قرآن پڑھنا مشکل۔ ان کو دین کا کوئی کام کہہ دو تو وہ کام کرنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ بس وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھاتے رہیں اور آرام سے سوتے رہیں اور اگر جاگیں تو تھوڑی دیر کے لیے سکرین پہ بیٹھ کے تماشے دیکھتے رہیں۔ یہ دجالی فتنہ ہے۔

یہ معصیت پرستی کا دور ہے۔ آج حکومتیں بھی اسی بندے کو اچھا سمجھتی ہیں جو زیادہ کما رہا ہو۔ جو زیادہ مال پیسہ بنا رہا ہو۔ اور جس کو دیکھتے ہیں کہ یہ مال پیسہ کمانے والا نہیں اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔

مدارسِ عربیہ کے طلبہ کے بارے میں ذہن صاف کرلیں:

آپ ذرا خود غور کریں۔ مدارسِ عربیہ سے کسی کو کیا چڑ ہے؟ مدارسِ عربیہ نے کسی کا کیا نقصان کیا ہے؟ لیکن جہاں کہیں کسی طالب علم کا نام سنتے ہیں تو ایسے بھڑک اُٹھتے

ہیں کہ پتہ نہیں یہ بندہ کیا کر رہا ہے؟! بھئی! یہ بندہ قرآن پڑھ رہا ہے، حدیث پڑھ رہا ہے، دین پڑھ رہا ہے اور یہ اچھے اخلاق حاصل کرنے کے لیے تعلیم پا رہا ہے۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ مدارس والے امن خراب کرنے والے لوگ ہیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ آپ دیکھیں کہ جتنی بھی تفتیش کی گئی، بتاؤ! امن خراب کرنے والے کون نکلے؟ کن گھروں سے اسلحہ برآمد ہوا؟ سیاسی لوگ تھے۔ کن کے گھروں سے ایسی چیزیں برآمد ہوئیں جو لوگوں کو نقصان پہنچانے والی تھیں؟ یہ دوسرے لوگ تھے۔ یونیورسٹیوں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ کوئی مدرسہ ایسا نہیں جس سے کوئی ایسی چیز برآمد ہوئی ہو۔ کوئی طالب علم ایسا نہیں جو امن کو ناپسند کرتا ہو۔ مدارس والے لوگ امن پسند لوگ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کا کیا حق ہوتا ہے۔ یہ تو دوسرے کے دل کو بھی دکھ نہیں پہنچانا چاہتے، دوسرے کی جان کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ اس لیے اگر ان کو مدارسِ عربیہ والے لوگوں سے کوئی بیر ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ یہ کمانے والے لوگ نہیں ہیں۔ کیونکہ زندگی کا اصل مقصود ہی کمانا بن گیا ہے۔ چونکہ یونیورسٹیوں والے لڑکے نوکریاں کریں گے اور کمائیں گے اس لیے ان سے بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ان کو وظیفے بھی دینے چاہئیں اور ان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر بھی بھیجنا چاہیے۔ یہ اس لیے کہ دنیا دل میں بسی ہوئی ہے اور مقصود دنیا بن گئی ہے۔

اچھا ملک؟ (۱)

آج اچھا ملک کس کو کہا جاتا ہے؟ جس ملک کے پاس دنیا کے وسائل زیادہ ہوں۔ جو امیر ملک ہے وہ اچھا ملک سمجھا جاتا ہے۔ اور جس ملک کے اندر نیکی ہے اس ملک کو

اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ہم دنیادار ہی بن گئے ہیں اور دنیا ہی کی زندگی کو ہم نے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

یہی وہ ذہن ہے جو دجالی فتنے سے جلدی متاثر ہوگا اور اپنے ایمان کو ضائع کر بیٹھے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں مختلف واقعات بیان فرمائے۔ ان کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ایمان کی عظمت پیدا کی جائے اور دنیا سے ان کے دلوں کو ہٹا کر آخرت کے ساتھ جوڑا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ زندگی کا مقصد اللہ کو راضی کرنا ہے، اپنے نفس کو راضی کرنا مقصدِ زندگی نہیں ہے۔ تن آسانی زندگی کا مقصد نہیں ہے، بلکہ تکلیف بھی اُٹھانی پڑے اور اس سے آخرت کی تیاری بھی ہو جائے تو یہ کامیاب زندگی ہے۔

سورۂ کہف کے آخر کی تین باتیں: (۱)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں پانچ واقعات کو بیان کرنے کے بعد اس سورت کو سمیٹتے ہوئے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

① سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ لب لباب بتایا کہ جو لوگ دنیا کی زندگی کو ہی بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی میں ہی ریجھ گئے ہیں، وہ سب سے زیادہ نقصان اُٹھانے والے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾﴾ [الکہف: ۱۰۳]

''کیا ہم تمہیں بتائیں کہ کون لوگ ہیں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ناکام ہیں؟''

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ [الکہف: ۱۰۴]

''یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیوی زندگی میں ان کی ساری دوڑ دھوپ سیدھے راستے سے بھٹکی رہی۔''

جو نقصان اٹھانے والے لوگ تھے۔ لہٰذا تم فقط دنیا کو ہی نہ سنوارو، بلکہ اپنی آخرت کو سنوارنے کی بھی کوشش کرو۔

۲ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو بیان فرمایا۔ اپنے حسن و کمال کی تعریفیں ہیں کہ دیکھو! اگر دنیا کے سارے سمندروں کے پانی کو سیاہی بنا دیا جائے اور تم اس سیاہی سے اپنے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کرتے تو تمہارا رب اتنا عظیم ہے، اتنا کریم ہے، ایسا حنان اور منان ہے کہ یہ سیاہی خشک ہو جاتی، مگر تیرے رب کی تعریفیں بھی ختم نہ ہوتیں۔ تو جو پروردگار اتنی عظمتوں والا ہے، اتنی صفات والا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس پروردگار کو راضی کریں اور اس کا دیدار پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کا وعدہ کہاں کیا ہے؟ جنت میں کیا ہے۔ لہٰذا مومن جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔

۳ ...... تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں اپنے دیدار کا طریقہ بھی بتادیا۔ کون اللہ کا دیدار کر سکے گا؟

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾

''لہٰذا جس کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی اُمید ہو، اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے۔''

﴿وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١١٠﴾﴾ [الکہف: ۱۱۰]

''اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔''

اس کے دل میں فقط ایک اللہ کی محبت ہو اور ماسوا کی محبتیں اس کے دل سے نکل چکی ہوں۔ جو ایسا بندہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنا دیدار عطا فرمائیں گے۔ یہ تمام

نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہ سورت انسان کو سبق سکھاتی ہے، اس کو ایمان بچانے کے طریقے سکھاتی ہے، تاکہ یہ بندہ اپنا ایمان بچا کے اللہ کے حضور جائے اور قیامت کے دن یہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔

سورۂ کہف کا خلاصہ:

تین دور تین مثالیں

پہلی مثال (اصحابِ کہف)

اصحابِ کہف کے واقعہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پورا واقعہ تین اُدوار پر مشتمل ہے:

پہلا دور (دورِ ظلم وستم): (۱)

یہ شروع کا دور تھا جب اصحابِ کہف اپنے گھروں میں زندگی گزار رہے تھے، اس وقت کا بادشاہ بھی کافر تھا اور قوم بھی کافر تھی۔ اور اصحابِ کہف کو یہ خطرہ پڑ گیا تھا کہ اگر ہم یہاں سے اِدھر اُدھر نہ ہوئے تو ہمارا ایمان بھی خطرے میں ہے۔ لہٰذا انہوں نے

فیصلہ کیا کہ ہمیں گھر بار، رشتہ دار اور بیوی بچے سب چھوڑ چھاڑ کے ایمان بچانے کے لیے کہیں چلے جانا چاہیے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان و عافیت):

اللہ تعالیٰ نے ان نوجوانوں کو ایک کہف کے اندر پہنچا دیا۔ یہ دورِ ایمان و عافیت تھا۔ اصحابِ کہف تین سو سال وہاں رہے اور ان کا یہ وقت بہت عافیت کے ساتھ گزرا اور ان کا ایمان محفوظ رہا۔ یہ دوسرا دور، دورِ ایمان و عافیت کہلاتا ہے۔

تیسرا دور (دورِ فتح و نصرت):

پھر تیسرا دور شروع ہوتا ہے کہ جب وہ نوجوان جاگے اور انہوں نے ایک بندے کو کھانا لینے کے لیے بھیجا۔ کھانا لینے والے نے پیسے دیئے تو دکاندار نے اس سے پوچھا کہ تم نے یہ پیسے کہاں سے لیے ہیں؟ اس نے کہا: ہمارے پاس اپنے ہیں۔ دکاندار نے پوچھا: آپ لوگ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ہم بس اپنے گھروں سے چلے تھے اور تھوڑی دیر کے لیے غار کے اندر سوئے، اُٹھے تو بھوک لگی ہوئی تھی اور ہم یہاں کھانا لینے کے لیے آگئے ہیں۔ دکاندار نے بتایا کہ محترم! یہ تین سو سال پہلے کا سکہ ہے، اب وہ زمانہ گزر چکا، اب بادشاہ بھی مومن ہے اور اکثر قوم بھی ایمان لا چکی ہے۔ اگر آپ لوگ بھی ایمان پر ہیں تو اب تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ وہ اس بندے کو لے کر بادشاہ کے پاس آئے، پھر بادشاہ پوری ٹیم کے ساتھ کہف دیکھنے آئے اور وہاں پر مسجد بھی تعمیر کی۔ یہ دور، دورِ فتح و نصرت کہلاتا ہے۔

دوسری مثال (نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم)

اگر ہم نبی علیہ السلام کی مبارک زندگی پر غور کریں تو اس میں بھی ایسے ہی تین دور نظر آتے ہیں:

پہلا دور (دورِ ظلم وستم):

یہ وہ دور ہے جب نبی علیہ السلام نے نبوت کا اظہار فرمایا تو مکہ میں 13 سال آپ کو رہنا پڑا، یہ دورِ ظلم وستم تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی تکلیف پہنچائی گئی، نبی علیہ السلام کو بھی بہت ایذاء پہنچائی گئی۔ مسلسل 13 سال تک مسلمان اس چکی میں پستے رہے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان وعافیت):

جب نبی علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تو مدینہ طیبہ کی زندگی دورِ ایمان و عافیت ثابت ہوئی۔ اس میں مسلمانوں کا ایمان بھی محفوظ تھا اور مسلمان سکون کی زندگی گزار رہے تھے۔ اسے دورِ ایمان وعافیت کہا جاتا ہے۔

تیسرا دور (دورِ فتح ونصرت):

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو تیسرا دور (فتح ونصرت کا دور) شروع ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے

پھر اسلام کو پھیلا دیا اور بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا۔ یہ دورِ فتح ونصرت تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١﴾ [النصر:١]

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے۔''

تیسری مثال برصغیر (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش)

پہلا دور (دورِ ظلم وستم):

برصغیر میں جب انگریز کی حکومت تھی تو علماء، طلبہ اور صلحاء کے لیے یہ دورِ ظلم وستم تھا۔ انگریز نے عوام الناس کو تو کچھ نہیں کہا، مگر علماء اور طلبہ پہ ظلم کے پہاڑ ڈھائے۔ ''مدرسہ رحیمیہ'' شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا جو مدرسہ تھا اس کو بلڈوزر کے ذریعے سے گرا دیا گیا، وقف کی جائیداد حکومتی تحویل میں لے لی گئی اور یوں مدارس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں 15 ہزار سے زائد مدارس بند ہو گئے۔

پھر انگریز نے مسلمان علماء پر بہت سختی شروع کی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر ان کو پھانسیاں دی گئیں، لاہور سے لیکر پشاور تک جی ٹی روڈ کے دونوں اطراف پہ کوئی بڑا درخت ایسا نہیں تھا جس پر کسی عالم کو پھانسی نہ دی گئی ہو۔ پھانسی کے بعد لاشیں ہفتوں لٹکتی رہتی تھیں، انگریز چاہتا تھا کہ لوگوں کو سبق حاصل ہو جائے کہ آئندہ ہم اپنی اولاد کو

مُلّاں اور مولوی نہیں بنائیں گے۔

دوسرا دور (دورِ ایمان وعافیت):

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے پاکستان بنوا دیا۔ ملک پاکستان اہل ایمان کے لیے ایمان کی حفاظت کا قلعہ ثابت ہوا۔

الحمدللہ! پاکستان میں مدارس دین کی تعلیم دے رہے ہیں، اور لوگ اپنی منشاء کے مطابق تقویٰ وطہارت کی زندگی گزارنے میں آزاد ہیں، کوئی حکومتی پابندی اور دباؤ اُن پر نہیں ہے۔ یہ دورِ ایمان وعافیت ہے۔

پاکستان کی قدر کیجیے:

اہل ایمان کو چاہیے کہ ملک پاکستان کی قدر کریں، اللہ نے اس کو ایک مقصد کے لیے بنوایا ہے، اور اس ملک کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسلام کو آخری دور میں غلبہ عطا فرمائیں گے۔

اے وطن تُو نے پکارا تو لہو کھول اُٹھا
تیرے بیٹے ترے جانباز چلے آتے ہیں
ہم ہیں جو ریشم و کمخواب سے نازک تر ہیں
ہم ہیں جو آہن و فولاد سے ٹکراتے ہیں
ہم ہیں جو غیرت و ناموس پہ کٹ سکتے ہیں
ہم ہیں جو اپنی شرافت کی قسم کھاتے ہیں
ہم نے روندا ہے بیابانوں کو صحراؤں کو
ہم ہیں جو بڑھتے ہیں تو بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں

ہم سے واقف ہیں یہ دریا یہ سمندر یہ پہاڑ
ہم نئے رنگ سے تاریخ کو دہراتے ہیں!!

پاکستان سے محبت ہماری رَگ رَگ میں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اسے ہم مہاجرین و انصار کے اس مدینہ کی مثال کے طور پر سمجھیں جو آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسان کامل، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قائم کیا تھا۔ اور اس مدینہ کے تحفظ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے کتنی جنگیں لڑیں اور کس قدر جان فشانی کا مظاہرہ کیا۔

آزادی کی قیمت؟

آج ہم پاکستان میں پیدا ہوگئے تو ہم بھول گئے کہ ہمارے اسلاف نے اس ملک کو حاصل کرنے کے لیے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ لاکھوں مہاجرین آگ اور خون کا دریا پار کرکے یہاں پہنچے۔ اور مقصد تھا صرف ایک...... پاکستان کا مطلب کیا...... لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ''۔ ساقی جاوید صاحب نے خوب فرمایا ہے:

چاند میری زمیں پھول میرا وطن
میرے کھیتوں کی مٹی میں لعلِ یمن
میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے
میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے
میرے مزدور اس دور کے کوہ کن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن
میرے فوجی جواں جرأتوں کے نشاں
میرے اہلِ قلم عظمتوں کی زباں

میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

میری سرحد پہ پہرا ہے ایمان کا
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا
میرا ایک اک سپاہی ہے خیبر شکن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

میرے دہقاں یونہی ہل چلاتے رہیں
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں
گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

پاکستان کا دفاع:

اس ملک کا دفاع چند ہاتھوں اور چند دماغوں سے ناممکن ہے، اس ملک پر جتنے حریص حیوانوں کی للچائی ہوئی نگاہیں ہیں، اُن سب کی خواہش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس ارضِ پاک کو اس کے بے شمار وسائل، اس کی ہریالی، زرخیزی اور بیش قیمت خزانوں کی وجہ سے ہڑپ لیں۔ اتنے زہریلے سانپوں کا مقابلہ کرنا محض چند افراد سے ممکن نہیں۔ اس ملک کے ہر باشندے کو حق ادا کرنا ہوگا اور خود کو کھوج کر تلاش کر کے اپنی خاص خوبی کو ہتھیار بنا کر دشمنوں سے لڑنا ہوگا۔

ہے جرم اگر وطن کی مٹی سے محبت
یہ جرم سدا میرے حسابوں میں رہے گا

پاکستان کا مطلب کیا لا إله إلّا اللهُ:

پاکستان، جس کا مطلب ہے: ''پاک سرزمین''۔ جو اس نعرے کے ساتھ حاصل کیا گیا ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا...... لا إله إلّا اللهُ''۔ یہ سرزمین اسلام کے نام پہ حاصل کی گئی تھی اور دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کو چت نہیں کرسکتی۔ ہم اپنے ملک سے محبت کریں تو اس نظریہ کی بنیاد پر کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، پاکستان کے قیام کا مقصد ہم مسلمانوں کو اپنی سرزمین پر اختیار دینا، اپنی ثقافت کی حفاظت کرنا اور آزادی سے، بلاخوف وخطر مذہبی کام سرانجام دینا ہے۔

فطری محبت:

جس طرح ماں باپ، بہن بھائی، اور اولاد کی محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اسی طرح وطن سے محبت بھی بلاتکلف ہوا کرتی ہے۔ جس سرزمین پر وہ اپنی زندگی کی پہلی آنکھیں کھولتا ہے، پروان چڑھتا ہے، شادی بیاہ کرتا ہے، اپنے سپنوں کو پورا کرتا ہے، خوبصورت رشتے بناتا ہے وہ یہ سب کیسے بھول سکتا ہے؟ اور یہ سب اس کو اسی وطن کی مٹی سے ہی نصیب ہوتا ہے جسے وہ چاہ کر بھی بھول نہیں سکتا۔ یہ مٹی اس کا اپنا گھر کہلاتی ہے۔ وہاں کی گلی، وہاں کے پہاڑ، وہاں کی وادیاں، وہاں کی فضائیں، وہاں کے ندی نالے، وہاں کے کھیت کھلیان، وہاں کی چٹانیں، وہاں کا پانی، وہاں کے در ودیوار غرض یہ کہ وہاں کی ہر ایک چیز سے اس کی یادیں جڑی ہوتی ہیں اور یہ یادیں ہی اس کو وطن کی محبت کا احساس دِلاتی ہیں۔

پاکستان سے محبت کی حد؟

ایک شخص وطن سے کتنی محبت کرتا ہے؟ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر لگانا مشکل ہے، مگر جب

آپ وطن سے دور ہوں تو آپ کو اس کا صحیح پتہ چلے گا کہ وطن سے محبت کیا ہوتی ہے اور کیوں ہے؟ جب ایک تارکِ وطن ملک سے باہر روزی کمانے کے لیے جاتا ہے تو اس کا دل پھٹا جاتا ہے، وہ اپنوں کے پیار سے دور ہو جاتا ہے، اس کو وطن کی مٹی کی خوشبو ستانے لگتی ہے کہ وہ کس دیس میں اور کیوں اس دیس میں آ گیا ہے؟ وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے دل میں وطن کی محبت گھر کر چکی ہوتی ہے جو اس کے اپنے پن کا ہمیشہ احساس دِلاتی ہے۔

پاکستان کے وفادار بنیں...... غدار نہیں:

جو لوگ ملک سے غداری کرتے ہیں انہیں کبھی بھی اچھے لفظ سے یاد نہیں کیا جاتا، جبکہ اس کے برعکس جو لوگ وطن کی خاطر جان دیتے ہیں اور اس کی حفاظت کو اپنا اوّلین فرض سمجھتے ہیں انہی کا نام تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے، وہ لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور لوگ چاہ کر بھی انہیں بھول نہیں پاتے۔

ؔ نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

پاکستان کے جانباز سپاہی:

ہمارے جوانوں کی بہادری، شجاعت کی داستانیں بھری پڑی ہیں، ہمارا ہر جوان جب ملک کی خاطر جان دینے کا عہد کرتا ہے تو پھر اس کے آگے سینے پر گولی کھانا ہی مقصد ہوتا ہے، وہ آخری سانس تک جما رہتا ہے۔ سپاہی مقبول حسین پاک فوج کے سپاہی تھے، جنہیں 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھارتی فوج نے جنگی قیدی بنا کر 40 سال قید خانوں میں رکھا۔ بھارتی فوج ہر طرح کے تشدد کے بعد بھی اُن کی زبان سے پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگوا سکی۔ انہیں ستمبر 2005ء میں 40 سال بعد رہا کیا گیا،

ان کی زبان کٹی ہوئی تھی، وہ بولنے کی صلاحیت کھو چکے تھے، مکار دشمن نے پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگانے کی پاداش میں ان کی زبان کو کھینچ ڈالا۔ یہ وطن سے محبت تھی کہ زبان تو کٹوادی، لیکن پاکستان مردہ باد کا نعرہ نہ لگایا۔

مری داستانِ حسرت وہ سنا سنا کے روئے
مرے آزمانے والے مجھے آزما کے روئے
کوئی ایسا اہل دل ہو کہ فسانۂ محبت
میں اُسے سنا کے روؤں وہ مجھے سنا کے روئے
مری آرزو کی دنیا دل ناتواں کی حسرت
جسے کھو کے شادماں تھے اسے آج پا کے روئے
تری بے وفائیوں پر تری کج ادائیوں پر
کبھی سر جھکا کے روئے کبھی منہ چھپا کے روئے
جو سنائی انجمن میں شب غم کی آپ بیتی
کئی رو کے مسکرائے کئی مسکرا کے روئے

اسلام میں جذبۂ حب الوطنی کا احترام:

وطن سے محبت کے اس فطری جذبے کا اسلام نہ صرف احترام کرتا ہے، بلکہ اس کے لیے ایک پُرامن ماحول بھی فراہم کرتا ہے جس میں رہ کر ہم وطن کی محبت کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں وطن سے محبت کر کے ثابت کر دیا کہ وطن سے محبت کیسے کی جاتی ہے اور باقی تمام انسانوں کے لیے وطن سے محبت کر کے ایک بہترین پیغام دیا ہے کہ وطن سے محبت کیسے کی جاتی ہے؟

......حدیث، تفسیر، سیرت اور تاریخ کی تقریباً ہر کتاب میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ جب

حضور نبی اکرم ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل نے حضور نبی اکرم ﷺ سے نزولِ وحی کی تفصیلات سن کر تین باتیں عرض کیں:

......آپ کی تکذیب کی جائے گی، یعنی آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے گی،

......آپ کو اذیت دی جائے گی،

......آپ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا۔

اس طرح ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ اعلانِ نبوت کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے کن کن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرَّوضُ الأنف'' میں باقاعدہ یہ عنوان باندھا ہے: ''حُبُّ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَنَهُ'' (رسول ﷺ کی اپنے وطن کے لیے محبت)۔ اس عنوان کے تحت امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب ورقہ بن نوفل نے آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ کی قوم آپ کی تکذیب کرے گی تو آپ ﷺ نے خاموشی فرمائی، ثانیاً جب اس نے بتایا کہ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو تکلیف و اذیت میں مبتلا کرے گی، تب بھی آپ ﷺ نے کچھ نہ کہا، تیسری بات جب انہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکال دیا جائے گا تو آپ ﷺ نے فوراً فرمایا:

''أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟''

''کیا وہ مجھے میرے وطن سے نکال دیں گے؟''

یہ بیان کرنے کے بعد امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''فَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلَى حُبِّ الْوَطَنِ وَ شِدَّةِ مُفَارَقَتِهِ عَلَى النَّفْسِ.''

[الروض الانف للسہیلی: ۲/ ۲۷۳]

''اس میں آپ ﷺ کی اپنے وطن سے شدید محبت پر دلیل ہے اور یہ کہ اپنے وطن سے جدائی آپ ﷺ پر کتنی شاق تھی۔''

یہی وجہ ہے کہ ہجرت کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مَا أَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ، وَ أَحَبَّكِ إِلَيَّ، وَ لَوْلَا أَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُونِي مِنْكِ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ.'' [سنن الترمذی، رقم:۳۹۲۶]

''تُو کتنا پاکیزہ شہر ہے اور مجھے کتنا محبوب ہے! اگر میری قوم تجھ سے نکلنے پر مجھے مجبور نہ کرتی تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا۔''

یہاں حضور نبی اکرم ﷺ نے صراحتاً اپنے آبائی وطن مکہ مکرمہ سے محبت کا ذکر فرمایا ہے۔

......اسی طرح سفر سے واپسی پر حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے وطن میں داخل ہونے کے لیے سواری کو تیز کرنا بھی وطن سے محبت کی ایک عمدہ مثال ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ وطن کی محبت میں اتنے سرشار ہوتے کہ اس میں داخل ہونے کے لیے جلدی فرماتے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ، فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَاتِ الْمَدِينَةِ، أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَ إِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا.''

[صحیح بخاری، رقم:۱۸۸۶]

''حضور نبی اکرم ﷺ سفر سے واپس تشریف لاتے ہوئے مدینہ منورہ کی دیواروں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دیتے، اور اگر دوسرے جانور پر سوار ہوتے تو مدینہ منورہ کی محبت میں اُسے ایڑی مار کر تیز بھگاتے تھے۔''

اس حدیث مبارک میں صراحتاً مذکور ہے کہ اپنے وطن مدینہ منورہ کی محبت میں حضور

نبی اکرم ﷺ اپنے سواری کی رفتار تیز کر دیتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ﷫ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''و فی الحدیث دلالۃٌ علی فضلِ المدینۃ، و علی مشروعیۃ حبّ الوطن و الحنینِ إلیہ.'' [فتح الباری: ۳/۶۲۱]

''یہ حدیث مبارک مدینہ منورہ کی فضیلت، وطن سے محبت کی مشروعیت و جواز اور اس کے لیے مشتاق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ پہلا پھل دیکھتے تو حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اسے قبول کرنے کے بعد دعا کرتے: ''اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے (وطن) مدینہ میں برکت عطا فرما۔ ہمارے صاع میں اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔'' اور مزید عرض کرتے:

''أَللّٰھُمَّ إِنَّ إِبْرَاھِیمَ عَبْدُکَ وَ خَلِیلُکَ وَ نَبِیُّکَ، وَ إِنِّي عَبْدُکَ وَ نَبِیُّکَ، وَ إِنَّہُ دَعَاکَ لِمَکَّۃَ، وَ إِنِّي أَدْعُوکَ لِلْمَدِینَۃِ بِمِثْلِ مَا دَعَاکَ لِمَکَّۃَ، وَ مِثْلِہِ مَعَہُ.''
[صحیح مسلم، رقم: ۱۳۷۳]

''اے اللہ! ابراہیم ﷤ تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے لیے دعا کی تھی، میں ان کی دعاؤں کے برابر اور اس سے ایک مثل زائد مدینہ کے لیے دعا کرتا ہوں (یعنی مدینہ میں مکہ سے دوگنا برکتیں نازل فرما)۔''

حضرت ابو ہریرہ ﷛ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ ﷺ کسی چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل دے دیتے۔

...... وطن سے محبت کا ایک اور انداز یہ بھی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وطن کی مٹی، بزرگوں کے لعاب اور رب تعالیٰ کے حکم سے بیماروں کو شفا دیتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ مریض سے فرمایا کرتے تھے: ''بسمِ اللهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفَى سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا'' [صحیح بخاری، رقم: ۵۷۴۵]

(اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، ہماری زمین (وطن) کی مٹی بمع ہم میں سے بعض کے لعاب کے ذریعے، ہمارے بیمار کو شفا دی جاتی ہے، ہمارے رب کے حکم سے)۔

...... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی شخص مکہ مکرمہ سے آیا اور بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس سے پوچھا کہ مکہ کے حالات کیسے ہیں؟ جواب میں اُس شخص نے مکہ مکرمہ کے فضائل بیان کرنا شروع کیے تو رسول اللہ ﷺ کی چشمانِ مقدسہ آنسوؤں سے تَر ہو گئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لَا تُشَوِّقْنَا يَا فُلَانُ!''

''اے فلاں! ہمارا اِشتیاق نہ بڑھا۔''

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُسے فرمایا:

''دَعِ الْقُلُوْبَ تَقِرَّ.'' [شرح الزرقانی علی المؤطا: ۴/۲۸۸]

''دلوں کو اِستقرار پکڑنے دو (یعنی انہیں دوبارہ مکہ کی یاد دلا کر مضطرب نہ کرو)۔''

طلبہ کے لیے علمی نکتہ: (۱)

''حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيْمَانِ.''

''وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔''

یہ حدیثِ نبوی نہیں ہے، بلکہ مَن گھڑت (موضوع) روایت ہے...... امام

سخاوی رحمہ اللہ نے ''المقاصد الحسنة'' [صفحہ:۲۹۷] میں لکھا ہے:

''لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ، و مغناهُ صَحِيْحٌ.''

''میں نے اس پر کوئی اطلاع نہیں پائی، اگرچہ معناً یہ کلام درست ہے (کہ وطن سے محبت رکھنا جائز ہے)۔''

مُلاّ علی القاری رحمہ اللہ نے ہی اپنی کتاب ''الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة'' [صفحہ ۱۸۰، رقم: ۱۶۴] میں لکھا ہے:

''وَ قِيْلَ: إِنَّهُ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ السَّلَفِ.''

''یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سلف صالحین میں سے بعضوں کا قول ہے۔''

اسی لیے مُلاّ علی القاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''إِنَّ حُبَّ الْوَطَنِ لَا يُنَافِي الْإِيْمَانَ.'' [الاسرار المرفوعة فی أخبار الموضوعة، صفحہ ۱۸۱، رقم: ۱۶۴]

''وطن سے محبت ایمان کی نفی نہیں کرتی (یعنی اپنے وطن کے ساتھ محبت رکھنے سے بندہ دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوجاتا)۔''

علامہ زرقانی رحمہ اللہ ''المؤطا'' کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''أَصَابَتِ الْحُمَّى الصَّحَابَةَ حَتَّى جَهِدُوْا مَرَضًا.''

''بخار نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دبوچ لیا یہاں تک کہ وہ بیماری کے سبب بہت لاغر ہوگئے۔''

اس قول کی تفصیل بیان کرتے ہوئے علامہ زرقانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''قَالَ السُّهَيْلِيُّ: وَ فِي هٰذَا الْخَبَرِ وَ مَا ذُكِرَ مِنْ حَنِيْنِهِمْ إِلَى مَكَّةَ مَا جُبِلَتْ

عَلَيْهِ النُّفُوسُ مِنْ حُبِّ الْوَطَنِ وَ الْحَنِينِ إِلَيْهِ.'' [شرح الزرقانی: ۴/ ۲۸۷، ۲۸۸]

''امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بیان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکہ مکرمہ سے والہانہ محبت اوراشتیاق کی خبر ہے کہ وطن کی محبت اوراس کی جانب اشتیاقِ انسانی طبائع اورفطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے (اور اسی جدائی کے سبب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیمار ہوئے تھے)۔''

..... قرآن حکیم کی سب سے معروف اور مستند لغت یعنی ''مفردات القرآن'' کے مصنف امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''محاضرات الأدباء'' [۲/ ۶۵۲] میں وطن کی محبت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

''لَوْلَا حُبُّ الْوَطَنِ لَخَرِبَتْ بِلَادُ السُّوْءِ. وَ قِيْلَ: بِحُبِّ الْأَوْطَانِ عِمَارَةُ الْبُلْدَانِ.''

''اگر وطن کی محبت نہ ہوتی تو پسماندہ ممالک تباہ و برباد ہو جاتے (کہ لوگ انہیں چھوڑ کر دیگر اچھے ممالک میں جا بستے، اور نتیجتاً وہ ممالک ویرانیوں کی تصویر بن جاتے)۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اپنے وطنوں کی محبت سے ہی ملک وقوم کی تعمیر وترقی ہوتی ہے۔''

..... امام راغب اصفہانی نے ''فَضْلُ مَحَبَّةِ الْوَطَنِ'' (وطن سے محبت کی فضیلت) کے عنوان سے ایک الگ فصل قائم کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حُبُّ الْوَطَنِ مِنْ طِيْبِ الْمَوْلِدِ.''

''وطن کی محبت اچھی فطرت وجبلت کی نشانی ہے۔''

مراد یہ ہے کہ عمدہ فطرت والے لوگ ہی اپنے وطن سے محبت کرتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے وطن کی نیک نامی اور اقوامِ عالم میں عروج وترقی کا

باعث بنتے ہیں، نہ کہ ملک کے لیے بدنامی خرید کر اس پر دھبہ لگاتے ہیں۔

جہانِ تازہ کی اَفکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ہمیں اپنے وطنِ عزیز سے ٹوٹ کر محبت کرنی چاہیے اور اس کی تعمیر و ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔

فقط گفتار نہیں...... کردار بھی: (۱)

وطن سے محبت صرف جذبات اور نعروں کی حد تک ہی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ ہمارے کردار میں بھی اس کی جھلک نظر آنی چاہیے۔

خدا کرے میری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کِھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو
یہاں جو سبزہ اُگے وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو
گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں کو بھی روئیدگی محال نہ ہو
خدا کرے نہ کبھی خم سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حسن کو تشویش ماہ و سال نہ ہو
ہر ایک خود ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے کہ میرے اک بھی ہم وطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو زندگی وبال نہ ہو

ملک پاکستان کی مثال:

ملک پاکستان کی مثال ''نَاقَةُ اللهِ'' یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی مانند ہے۔ وہ اونٹنی معجزے کے طور پر پیدا ہوئی تھی، اللہ نے اس سے خاص کام لینا تھا، اور جن لوگوں نے اس اونٹنی کو زخمی کیا، اللہ نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ملک پاکستان کی مثال بھی ایسی ہی ہے، معجزانہ طور پر اللہ نے اس کو وجود بخشا، جو اس ملک کے ساتھ دشمنی کرے گا، وہ تباہی اور بربادی سے بچ نہیں سکتا۔

پاکستان کو توڑنے والوں کا انجامِ بد

1971ء میں ملک پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اور اس کے کرنے میں تین خاندانوں کا خاص دخل تھا:

(1)...... مجیب الرحمٰن کا خاندان:

اللہ تعالیٰ نے مجیب الرحمٰن اور اس کی اولاد کو نیست و نابود کروا دیا۔ وہ ''بنگلہ دیش عوامی لیگ'' پارٹی کا سربراہ تھا جو مسلم قومیت کی بجائے بنگالی قومیت کا علمبردار تھا، اس کے ساتھ عوامی لیگ سوشلزم اور سیکولرزم کی حامی جماعت تھی۔ بہرحال ملک پاکستان کے دو ٹکڑے کرنے میں مجیب الرحمٰن کا ہاتھ تھا۔ مجیب الرحمٰن خود بھارت نواز بندہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اپنی فوج میں بغاوت کروا کے بھارت کی یومِ آزادی کے دن 15 اگست 1975ء کو مجیب الرحمٰن کو ان کے اہل خانہ سمیت قتل کر دیا۔ صرف دو بیٹیاں شیخ

حسینہ اور شیخ ریحانہ زندہ بچیں جو مغربی جرمنی میں تھیں۔ اب اس کی بیٹی ہے جو بنگلہ دیش پہ حکومت کر رہی ہے، مگر بیٹی سے باپ کی نسل نہیں چلا کرتی۔ اس کا مطلب یہ کہ اللہ نے اس کی نسل کو ہی ختم کر دیا۔

2......اندرا گاندھی کا خاندان:

پاکستان کی ایک بڑی دشمن سابقہ وزیر اعظم انڈیا اندرا گاندھی بھی غیر طبعی موت مری۔ اندرا گاندھی نے 1984ء میں بھارتی شہر ''امرتسر'' میں سکھوں کے مرکز گولڈن ٹیمپل (Golden Temple) پر بھارتی فوج کا آپریشن ''آپریشن بلیو سٹار (Operation Blue Star)'' کے نام سے کیا، جس کے نتیجے میں 31 اکتوبر 1984ء کو اپنے باڈی گارڈ کے دو سکھ محافظوں نے گولی مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کا ایک بیٹا راجیو گاندھی بھی غیر طبعی موت مرا، اور اس کا دوسرا بیٹا سنجے گاندھی ہوائی جہاز کے ایکسیڈنٹ میں گر کر مر گیا۔ غرض اس خاندان کا کوئی مرد بھی باقی نہیں بچا۔ اب سیاست، ان کی بہو سونیا گاندھی کر رہی ہے، مگر بہو سے کسی کی نسل آگے نہیں بڑھا کرتی۔ گویا کہ اللہ نے اندرا گاندھی کی بھی نسل کو ختم کر دیا۔

3......ذوالفقار علی بھٹو کا خاندان:

تیسری شخصیت تھی ذوالفقار علی بھٹو صاحب۔ جنہوں نے کہا تھا: ''اُدھر تم...... اِدھر ہم۔'' ذوالفقار علی بھٹو صاحب خود بھی غیر طبعی موت مرے اور ان کا بیٹا مرتضیٰ بھٹو بھی غیر طبعی موت مرا، ان کے خاندان کا کوئی مرد باقی نہیں بچا۔ اور بیٹیوں سے باپ کی نسل نہیں چلا کرتی۔ لہٰذا بینظیر بھٹو کی اولاد، زرداری صاحب کی اولاد ہے، بھٹو کی اولاد نہیں کہلا سکتی۔

ان تین مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ملک پاکستان کے جتنے مخالفین تھے، اللہ نے ان کا نام ونشان ہی مٹا دیا۔

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [یوسف:۲۱]

''اور اللہ کو اپنے کام پر پورا قابو حاصل ہے، لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔''

تیسرا دور (دورِ فتح ونصرت):

نبی علیہ السلام نے حدیث مبارکہ میں غزوۂ ہند کی بشارت عطا فرمائی۔ غزوۂ ہند دورِ فتح و نصرت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی تکوینی مدد پاکستان کے ساتھ ہوگی، اللہ تعالیٰ پاکستان کو فتح عطا فرمائیں گے اور اس غزوہ کے بعد پوری دنیا میں ہندو طریقے پر کہیں عبادت نہیں ہوگی اور ہندوؤں کے حکمرانوں کو ہتھکڑیاں لگا کر مسلمان بادشاہ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یہ فتح ونصرت کا دور ہوگا۔

غزوۂ ہند......احادیث کی روشنی میں:

غزوۂ ہند کے بارے میں مروی احادیث میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

❶ ......''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ الْهِنْدِ فَإِنْ اسْتُشْهِدْتُ كُنْتُ مِنْ خَيْرِ الشُّهَدَاءِ وَ إِنْ رَجَعْتُ فَأَنَا أَبُوهُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ'' [مسند احمد، رقم:۸۱۲۸/ مستدرک الحاکم، رقم:۶۱۷۷] (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے غزوۂ ہند کے بارے میں وعدہ فرمایا تھا۔ سو اگر میں شہید ہو گیا تو بہترین شہیدوں میں سے ہوں گا، اور اگر واپس آ گیا تو میں آزاد ابو ہریرہ ہوں گا)۔

❷ ......''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَعَدَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

غَزْوَةِ الْهِنْدِ فَإِنْ أَدْرَكْتُهَا أُنْفِقُ فِيهَا نَفْسِي وَ مَالِي، فانْ أُقْتَلْ كُنْتُ مِنْ أَفْضَلِ الشُّهَدَآءِ، وَ إِنْ أَرْجِعْ فَأَنَا أَبُوْهُرَيْرَةَ الْمُحَرَّرُ'' [سنن النسائی، رقم:۳۱۷۳] (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمان ہندوستان میں جہاد کریں گے۔ اگر وہ جہاد میری موجودگی میں ہوا تو میں اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔ اگر میں شہید ہو جاؤں تو میں سب سے افضل ترین شہداء میں سے ہوں گا۔ اگر میں زندہ رہا تو میں وہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہوں گا جو عذابِ جہنم سے آزاد کر دیا گیا ہے)۔

3 ...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے، سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عِصَابَتَانِ مِنْ أُمَّتِي أَحْرَزَهُمَا اللّٰهُ مِنَ النَّارِ عِصَابَةٌ تَغْزُو الْهِنْدَ وَ عِصَابَةٌ تَكُونُ مَعَ عِيسَى بْنِ مَرْيَمَ علیہ السلام'' [سنن النسائی، رقم:۳۱۷۵/ مسند احمد بن حنبل، رقم:۲۲۳۹۶] (میری اُمت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ دوزخ کے عذاب سے بچائے گا، ان میں سے ایک ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوگا)۔

4 ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہندوستان کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا:

''لَيَغْزُوَنَّ الْهِنْدَ لَكُمْ جَيْشٌ، يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ حَتَّى يَأْتُوا بِمُلُوكِهِمْ مُغَلَّلِينَ بِالسَّلَاسِلِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ ذُنُوبَهُمْ، فَيَنْصَرِفُونَ حِينَ يَنْصَرِفُونَ فَيَجِدُونَ ابْنَ مَرْيَمَ بِالشَّامِ''

''ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے

گا حتیٰ کہ وہ (مجاہدین) ان کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا۔ پھر جب وہ مسلمان واپس پلٹیں گے تو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو شام میں پائیں گے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''إِنْ أَنَا أَدْرَكْتُ تِلْكَ الْغَزْوَةَ بِعْتُ كُلَّ طَارِفٍ لِي وَتَالِدٍ وَغَزَوْتُهَا، فَإِذَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ انْصَرَفْنَا فَأَنَا أَبُوهُرَيْرَةَ الْمُحَرِّرُ، يَقْدَمُ الشَّامَ فَيَجِدُ فِيهَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَلَأَحْرِصَنَّ أَنْ أَدْنُوَ مِنْهُ فَأُخْبِرُهُ أَنِّي قَدْ صَحِبْتُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!''

''اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ دوں گا اور اس میں شرکت کروں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا کر دی اور ہم واپس پلٹ آئے تو میں ایک آزاد ابوہریرہ ہوں گا، ملک شام میں اس شان سے آؤں گا کہ وہاں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو پاؤں گا۔ یا رسول اللہ! اس وقت میری شدید خواہش ہو گی کہ میں ان کے پاس پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہوں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا:

''هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ.'' [کتاب الفتن لنعیم بن حماد المروزی، رقم: ۱۲۳۶]

''بڑی دور کی بات ہے، بڑی دور کی بات ہے۔''

ظہورِ امام مہدی...... احادیث کی روشنی میں: (۱)

امام مہدی کے ظہور کے بارے میں بہت ساری احادیث موجود ہیں جن کا انکار یا کوئی تاویل کرنا درست نہیں۔ اور ساتھ ساتھ کئی ایک سلف کے اقوال بھی موجود ہیں۔ پہلے چند احادیث پیش خدمت ہیں:

① ...... حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت مہدی کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: ''هُوَ حَقٌّ وَ هُوَ مِنْ بَنِي فَاطِمَةَ رضی اللہ عنہا'' [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۷۱] (مہدی حق ہے (یعنی ان کا ظہور برحق اور ثابت ہے) اور وہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے)۔''

② ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''يُقَاتِلُ عَلَى سُنَّتِي كَمَا قَاتَلْتُ أَنَا عَلَى الْوَحْيِ'' [کتاب الفتن لنعیم بن حماد، رقم: ۱۰۹۲] (میری سنت (کے قیام) کے لیے جنگ کریں گے، جس طرح میں نے وحیٔ الٰہی (کی اتباع) میں جنگ کی)۔

③ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِبْنُ أَرْبَعِينَ سَنَةً كَانَ وَجْهُهُ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، فِي خَدِّهِ الْأَيْمَنِ خَالٌ أَسْوَدُ، عَلَيْهِ عَبَاءَتَانِ قَطْوَانِيَتَانِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ بَنِي إِسْرَائِيلَ، يَمْلِكُ عِشْرِينَ سَنَةً يَسْتَخْرِجُ الْكُنُوزَ، وَ يَفْتَحُ مَدَائِنَ الشِّرْكِ'' [مجمع الزوائد، رقم: ۱۲۴۱۹/ المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۷۴۹۵] (اس کی عمر چالیس سال ہوگی۔ اس کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکدار، اس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا، اور دو قطوانی عبائیں پہنے ہوگا، بالکل ایسا معلوم ہوگا جیسا بنی اسرائیل کا کوئی شخص ہو، وہ بیس سال حکومت کرے گا، زمین سے خزانوں کو نکالے گا اور مشرکین کے شہروں کو فتح کرے گا)۔

④ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي'' [سنن الترمذی، رقم: ۲۲۳۰] (دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میرے اہل بیت سے ایک شخص عرب کا بادشاہ ہوجائے، جس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا)۔

⑤ ...... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ

حَثْیًا، لا یعُدُّہٗ عددًا'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۱۳] (میری اُمت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو (لوگوں میں) گنے بغیر مال تقسیم کرے گا)۔''

۱ ...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَمْلَأَ الْأَرْضُ ظُلْمًا وَ جَوْرًا وَ عُدْوَانًا، ثُمَّ یَخْرُجُ مِنْ أَھْلِ بَیْتِي مَن یَمْلَأُھَا قِسْطًا وَ عَدْلًا'' [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۶۹] (قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین ظلم و جور اور سرکشی سے بھر جائے گی، بعد ازاں میرے اہلِ بیت سے ایک شخص (مہدی) پیدا ہوگا جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا)۔

۲ ...... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْمَھْدِيُّ مِنَّا أَھْلَ الْبَیْتِ أَشَمُّ الْأَنْفِ أَقْنَی أَجْلَی یَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَ عَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَ ظُلْمًا ھٰکَذَا وَ بَسَطَ یَسَارَہٗ وَ إِصْبَعَیْنِ مِنْ یَمِیْنِہِ الْمُسَبِّحَۃِ وَ الْإِبْھَامِ وَ عَقَدَ ثَلَاثَۃً'' [مستدرک الحاکم، رقم: ۸۶۷۰] (مہدی میری نسل سے ہوں گے، ان کی ناک ستواں و بلند اور پیشانی روشن اور نورانی ہوگی۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جس طرح (اس سے پہلے وہ) ظلم و زیادتی سے بھر گئی ہوگی اور انگلیوں پر شمار کر کے بتایا کہ (وہ خلافت کے بعد) سات سال تک زندہ رہیں گے)۔

۳ ...... سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي الْمَھْدِيُّ، یَسْقِیْہِ اللّٰہُ الْغَیْثَ وَ تُخْرِجُ الْأَرْضُ نَبَاتَھَا وَ یُعْطِي الْمَالَ صِحَاحًا وَ تَکْثُرُ الْمَاشِیَۃُ وَ تَعْظُمُ الْأُمَّۃُ، یَعِیْشُ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِیًا یَعْنِي حِجَجًا'' [المستدرک للحاکم، رقم: ۸۶۷۳] (میری اُمت کے آخر میں مہدی آئے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرمائے گا اور زمین اپنے نباتات اُگلے گی، وہ عدل و انصاف سے

مال تقسیم کرے گا، مویشی زیادہ ہوجائیں گے اور اُمت کا غلبہ ہوگا، وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال زندہ رہے گا)۔

⑨...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اَلْمَهْدِيُّ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللّٰهُ فِي لَيْلَةٍ" [مسند احمد بن حنبل، رقم: ۶۴۵] (مہدی ہمارے اہل بیت میں سے ہے، اللہ اسے ایک ہی رات میں درست کردے گا)۔

مندرجہ بالا احادیث ظہورِ مہدی پر واضح دلالت کرتی ہیں، ان احادیث کے علاوہ اور بھی کئی احادیث ہیں جن کا انکار کرنا کسی صاحبِ ایمان کو زیب نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ ساتھ "ظہورِ مہدی" پر کئی ایک اہل علم نے مقالے اور کتب تحریر کی ہیں، چند ایک کے نام پیشِ خدمت ہیں:

①...... مرعی بن یوسف بن ابی بکر الکرمی الحنبلی رحمہ اللہ نے اس پر کتاب لکھی ہے: "فوائد الفکر فی ظهور المهدی المنتظر"۔

②...... امام سیوطی رحمہ اللہ نے "العرف الوردی فی أخبار المهدی" میں ذکر فرمایا ہے۔

③...... محمد بن عبدالسلام بن عبدالسید البدزنجی نے "الإشاعة فی أشراط الساعة" میں امام مہدی کا ذکر فرمایا ہے۔

④...... مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے اس پر ایک مستقل کتاب لکھی: "رسالة المهدی من آل الرسول"۔

⑤...... مؤرخ ابوعبداللہ محمد بن جعفر الکتانی نے بھی اپنی کتاب "نظم المتناثر من الحدیث المتواتر" میں امام مہدی کا ذکر فرمایا ہے۔

⑥...... امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی ۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: "وَالْأَحَادِيْثُ فِي التَّنْصِيْصِ

علی خُرُوجِ المہدی أصحُّ إسنادًا.'' [تہذیب الکمال للمزی، ج۶،ص۵۹۷] (ظہورِ مہدی پر جو احادیث ہیں وہ صحیح ترین اسناد کے ساتھ ہیں)۔

7 شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: ''إنّ الأحادیث التی یُحتجّ بِہا علی خُرُوجِ المہدیّ أحادیثُ صحیحۃٌ رواہا أبوداوٗد و الترمذیّ وَ أحمدُ وَ غیرُہُم'' [منہاج السنۃ، ج۴،ص۲۱۱] (جن احادیثِ صحیحہ سے ظہورِ مہدی پر حجت لی جاتی ہے، ان کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام احمد نے روایت کیا ہے)۔

8 ...... امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: ''وَ ینتظِرُوْنَ خُرُوجَ المَہدِیِّ مِنْ أَہلِ بَیتِ النُّبُوَّۃِ یَملَأُ الأَرضَ عَدلًا کَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا'' [اغاثۃ اللہفان من مصائد الشیطان، ج۲،ص۳۳۲] (اُمت، امام مہدی کے خروج کی منتظر ہے، جو اہل بیت سے ہوں گے (جب وہ آئیں گے) تو زمین کو انصاف سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی)۔

9 ...... امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۷۴ھ) اپنی کتاب ''کتاب الفتن والملاحم'' میں باب قائم کرتے ہیں: ''فَصلُ ذِکرِ المَہدِیِّ الَّذِیْ یَکُوْنُ فِی آخِرِ الزَّمَانِ وَ ہُوَ أَحَدُ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ وَ الأَئِمَّۃِ المَہدِیِّیْنَ'' [الفتن والملاحم، ج۱،ص۲۷] (یہ فصل ہے امام مہدی کے ذکر کے بارے میں، جو آخری زمانے میں ہوں گے اور وہ خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین میں سے ہوں گے)۔

سورۂ کہف اور حالاتِ حاضرہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي خَفْقَةٍ مِنَ الدِّينِ وَ إِدْبَارٍ مِنَ الْعِلْمِ فَلَهُ أَرْبَعُونَ لَيْلَةً يَسِيحُهَا فِي الْأَرْضِ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالسَّنَةِ وَ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالشَّهْرِ وَ الْيَوْمُ مِنْهَا كَالْجُمُعَةِ ثُمَّ سَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ هَذِهِ، وَ لَهُ حِمَارٌ يَرْكَبُهُ عَرْضُ مَا بَيْنَ أُذُنَيْهِ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا فَيَقُولُ لِلنَّاسِ: أَنَا رَبُّكُمْ وَ هُوَ أَعْوَرُ، وَ إِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ، مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ كَافِرٌ ك ف ر مُهَجَّاةٌ يَقْرَؤُهُ كُلُّ مُؤْمِنٍ كَاتِبٌ وَ غَيْرُ كَاتِبٍ يَرِدُ كُلَّ مَاءٍ وَّ مَنْهَلٍ إِلَّا الْمَدِينَةَ وَ مَكَّةَ حَرَّمَهُمَا اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ قَامَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَبْوَابِهَا.'' [مسند احمد بن حنبل، رقم:۱۴۹۵۴]

''دجال اس وقت نمودار ہوگا جب لوگوں کی ایمانی حالت بہت پتلی ہوگی، اور دینی علم اُٹھ چکا ہوگا، دجال دنیا میں چالیس دن گھومے گا، ان چالیس دنوں میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور ایک دن مہینے کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر، اور بقیہ ایام معمول کے مطابق ہوں گے۔ دجال ایک گدھے پر سوار ہوگا، جس کے دو کانوں کے درمیان فاصلہ چالیس ہاتھ کا ہوگا، اور وہ لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ میں تمہارا رب ہوں، اور وہ کانا ہوگا حالانکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان حروفِ تہجی سے کافر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہوگا جسے ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ ایماندار پڑھ لے گا، وہ مدینہ اور مکہ جنہیں اللہ نے اس پر حرام قرار دیا ہے، کے علاوہ ہر پانی اور گھاٹی پر اُترے گا، ان کے دروازوں پر فرشتے کھڑے ہوں گے۔''

حدیث مبارکہ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ''یوم'' سے مراد ''مدت'' ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ''یوم'' کے بارے میں آتا ہے: ﴿فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴﴾ [المعارج:۴] اس سے ''تین مدتیں'' مراد ہیں۔

پہلا دن (برطانوی سامراج کا دور):

پہلا دن، جس کو ''ایک سال کے برابر'' کہا گیا، وہ ''برطانوی سامراج'' ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے 12 اکتوبر 1187ء میں بیت المقدس کو فتح کیا۔ اس کے بعد مسلمان تو میٹھی نیند سو گئے، مگر انگریز نے سائنسی ترقی کرنی شروع کر دی اور پوری دنیا پہ اپنا تسلط جمالیا۔ برطانوی حکومت اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ انگریز کہتا تھا:

Sun dose not set in British Empire.

''برطانوی سامراج میں سورج غروب ہی نہیں ہوتا۔''

برطانیہ کا یہ تسلط 1914ء میں آ کر ختم ہوا جب جنگ عظیم شروع ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد امریکہ سپر پاور کے طور پر اُبھرا اور برطانیہ چھوٹا ہوتے ہوتے اتنا چھوٹا ہو گیا کہ اب دنیا کے نقشے پہ نظر مشکل سے آتا ہے۔ یہ ''ایک ہزار سال'' کا زمانہ حدیث پاک کے مطابق ''پہلا دن'' ہے۔

دوسرا دن (سپر پاور امریکہ کا دور):

''دوسرا دن'' امریکہ کے سپر پاور بننے کا ہے۔ چونکہ حدیث پاک میں اس کو ''ایک مہینہ'' سے تشبیہ دی گئی اور سال کے 12 مہینے ہوتے ہیں، چونکہ ایک ہزار سال کو ایک دن کہا گیا تھا اور اس کا بارھواں حصہ تقریباً 85 سال بنتے ہیں، امریکہ کے سپر پاور رہنے کی مدت 1914ء سے شروع ہوئی اور 2000ء میں جا کر ختم ہو گئی۔ اب امریکہ پاور تو ہے، سپر پاور نہیں ہے۔

تیسرا دن (اسرائیل کا دور):

پھر تیسرا دن جس کی مدت ''ایک ہفتہ'' کہی گئی، وہ ''اسرائیل کا دور'' ہے۔ چنانچہ

حالات بتاتے ہیں کہ اب امریکہ ٹوٹے گا اور اسرائیل سپر پاور کے طور پہ اُبھرے گا، پوری دنیا پہ اسرائیل کا راج ہوگا، مگر اس کی مدت ایک ہفتہ بتائی گئی ہے۔ اگر ایک مہینہ 85 سال بنتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہفتہ جو چوتھا حصہ ہوگا، یعنی 25 سال بنیں گے۔ تو اب سے لے کے 25 سال کے اندر اندر پوری دنیا میں اسرائیل سپر پاور بنے گا۔

بیت المقدس کی فتح:

امام مہدی کے ہاتھوں بیت المقدس دوبارہ فتح ہوگا۔

① ...... ''عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عِيْسَي قَالَ: بَلَغَنِيْ أَنَّهٗ عَلَى يَدَيِ الْمَهْدِيِّ يَظْهَرُ تَابُوْتُ السَّكِيْنَةِ مِنْ بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةِ حَتَّي يُحْمَلَ فَيُوْضَعَ بَيْنَ يَدَيْهِ بِبَيْتِ مُقَدَّسٍ، فَإِذَا نَظَرَتْ إِلَيْهِ الْيَهُوْدُ أَسْلَمَتْ إِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ'' [کتاب الفتن لنعیم بن حماد، رقم:۱۰۵۰] (حضرت سلمان بن عیسیٰ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ بحیرہ طبریہ سے (امام) مہدی کے ذریعے تابوت سکینہ ظاہر ہوگا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں آپ کے سامنے اسے اُٹھا کر رکھ دیا جائے گا۔ جب یہود اس (تابوت) کو دیکھیں گے تو چند لوگوں کے سوا تمام اسلام قبول کرلیں گے)۔

② ...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّايَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ خُرَاسَانَ فَأْتُوْهَا وَ لَوْ حَبْوًا عَلَي الثَّلْجِ، فَإِنَّ فِيْهَا خَلِيْفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيَّ'' [کتاب الفتن لنعیم بن حماد، رقم:۸۹۶ / مسند احمد بن حنبل، رقم:۲۲۳۸۷] (جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ پرچموں (کا قافلہ) آتے ہوئے دیکھو تو اس میں ضرور شامل ہوجانا، اگرچہ برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، کیونکہ اس

میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مہدی ہوں گے)۔

3 ......سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَقُولُ بِسُنَّتِي، يَنْزِلُ اللهُ لَهُ القطر مِنَ السَّمَاءِ، وَ تُخْرِجُ لَهُ الْأَرْضُ مِنْ بَرَكَتِهَا، تَمْلَأُ الْأَرْضُ مِنْهُ قِسْطًا وَ عَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَ ظُلْمًا، يَعْمَلُ عَلَي هٰذِهِ الْأُمَّةِ سَبْعَ سِنِيْنَ، وَ يَنْزِلُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ'' [مجمع الزوائد، رقم: ۱۲۴۱۲/ المعجم الاوسط للطبرانی، رقم: ۱۰۷۵] (میرے اہل بیت میں سے ایک شخص ظاہر ہوں گے جو میری سنت کی بات کریں گے، اللہ رب العزت ان کے لئے آسمان سے بارش برسائے گا اور زمین ان کے لیے اپنی برکات نکال دے گی (یعنی اپنے خزانے اُگل دے گی)، زمین ان کے ذریعے عدل و انصاف سے بھر جائے گی، جس طرح پہلے وہ ظلم وستم سے بھری ہوگی، وہ اس اُمت پر سات سال تک حکومت کریں گے اور بیت المقدس میں نزول فرمائیں گے)۔

اسرائیل کی تباہی:

عنقریب اسرائیل ٹوٹے گا۔ حدیث پاک میں جو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہودیوں نے مجھے تسلیم نہیں کیا تو یہ ساری زندگی ذلت میں ہی گزاریں گے کسی کی اوٹ میں، قرب قیامت میں اللہ ان کو ایک جگہ پر جمع کرے گا، تاکہ ان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے۔ تو لگتا ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے۔

حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کے ایک خطبہ میں موجود تھا اور وہ یہ حدیث اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کر رہے تھے:

''وَ إِنَّهُ يَحْصُرُ (أى الدجال) الْمُؤْمِنِينَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيُزَلْزَلُونَ زِلْزَالًا

شدیدا۔ ثم یهلكه الله تبارك و تعالى و جنوده، حتى إن جذم الحائط أو قال أصل الحائط و قال حسن الأشيب و أصل الشجرة لينادي أو قال يقول يا مؤمن أو قال يا مسلم! هذا يهودي أو قال هذا كافر، تعال فاقتله." [مسند احمد، رقم:۲۰۱۷۸]

''دجال اہل ایمان کو بیت المقدس میں محصور کردے گا۔ پس اہل ایمان اچھی طرح آزمائشوں سے ہلا مارے جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے لشکروں کو ہلاک کردے گا۔ یہاں تک کہ دیوار کی بنیاد......اور حسن اشیب نے کہا ہے کہ......درخت کی جڑ پکارے گی اور کہے گی: اے بندۂ مومن! یا اے بندۂ مسلم! یہ یہودی ہے، یا یہ کہے گی: یہ کافر ہے، آؤ! اسے قتل کرو۔''

ملک شام کے حالات:

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

''إِذَا خَرِبَ الشَّامُ، فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.''

''جب شام کے حالات خراب ہوجائیں تو تم قیامت کا انتظار کرنا۔''

آج کل شام کے حالات خراب ہو چکے ہیں، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑی علاماتِ قیامت بہت قریب ہیں۔ نعمت اللہ شاہ ولی کی پیشینگوئی بھی انہی باتوں کی تصدیق کرتی ہے۔

ملک شام کے متعلق بشارتیں:

ملک شام کے بارے میں مختلف احادیث میں بشارتیں بیان ہوئی ہیں۔ چند ایک درج ذیل ہیں:

①...... حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''طُوبٰی لِلشَّامِ''

''شام کے لیے خوشخبری ہو۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا:

''لِأَيٍّ ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟''

''اے اللہ کے رسول! کس وجہ سے خوشخبری؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا.'' [سنن الترمذی، رقم:۳۹۵۴]

''اس لیے کہ رحمٰن کے فرشتوں نے اپنے پَر شام پر پھیلائے ہوئے ہیں۔''

②...... دورِ فتن میں سرزمین بلادِ شام میں قیام کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

''أَلَا وَ إِنَّ الْإِيْمَانَ حِيْنَ تَقَعُ الْفِتَنُ بِالشَّامِ.'' [مسند احمد، رقم:۲۱۷۳۳]

''خبردار! فتنوں کے وقت ایمان شام کی سرزمین میں ہوگا۔''

③...... حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ.'' [سنن الترمذی، رقم:۲۱۹۲]

''جب اہل شام بگڑ جائیں گے تو پھر اس اُمت میں کوئی خیر باقی نہیں رہے گی۔ اور

میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا کہ جسے قیامت تک خدائی نصرت شامل حال رہے گی۔ جو اُنہیں ذلیل کرنا چاہے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔''

4 ......دنیا و دین کی ابتدا مکہ سے ہوئی اور دنیا و دین کی انتہا شام میں ہوگی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دین کی ابتدا اور ظہور مکہ سے ہوا اور اس کا کمال و عروج شام میں مہدی کے ظہور سے ہوگا۔ جیسا کہ بعض روایات میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے میں یہی بشارت منقول ہے کہ دمشق کی مشرقی جانب موجود سفید منارہ پر دو فرشتوں کے پَروں پر ہاتھ رکھے ان کا نزول ہوگا۔ [سنن أبی داود، رقم: ۴۳۲۱]

5 ......حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''سَيَصِيرُ الْأَمْرُ إِلَى أَنْ تَكُونُوا جُنُودًا مُجَنَّدَةً جُنْدٌ بِالشَّامِ، وَ جُنْدٌ بِالْيَمَنِ، وَ جُنْدٌ بِالْعِرَاقِ''

''تمہارے دین اسلام کا معاملہ یہ ہوگا کہ تم لشکروں کی صورت میں بٹ جاؤ گے۔ چنانچہ ایک لشکر شام میں، ایک عراق میں اور ایک یمن میں ہوگا۔''

ابن حوالہ نے کہا:

''خِرْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ! إِنْ أَدْرَكْتُ ذَلِكَ،

''اے اللہ کے رسول! اگر میں اس زمانے کو پالوں تو مجھے اس بارے میں کوئی وصیت فرمادیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''عَلَيْكَ بِالشَّامِ، فَإِنَّهَا خِيرَةُ اللهِ مِنْ أَرْضِهِ، يَجْتَبِي إِلَيْهَا خِيرَتَهُ مِنْ عِبَادِهِ، فَأَمَّا إِنْ أَبَيْتُمْ، فَعَلَيْكُمْ بِيَمَنِكُمْ، وَاسْقُوا مِنْ غُدُرِكُمْ، فَإِنَّ اللهَ تَوَكَّلَ لِي بِالشَّامِ وَ أَهْلِهِ.'' [سنن أبی داود، رقم: ۲۴۸۳]

''شام کو پکڑ لے، کیونکہ وہ اللہ کی زمینوں میں سے بہتر سرزمین ہے۔ اللہ کے بہترین بندے اس کی طرف کھنچے چلے جائیں گے۔ پس اگر تمہارا ذہن شامی لشکر کا ساتھ دینے پر مطمئن نہ ہو تو یمن کی طرف چلے جانا اور صرف اپنے گھاٹ سے پانی پینا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا اکرام کرتے ہوئے شام اور اہل شام کی ذمہ داری لے لی ہے۔''

(۶)...... حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''سَتَكُونُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ، فَخِيَارُ أَهْلِ الْأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيمَ، وَ يَبْقَى فِي الْأَرْضِ شِرَارُ أَهْلِهَا.'' [سنن أبي داود، رقم: ۲۴۸۲]

''ہجرت (مدینہ) کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی اور زمین پر موجود بہترین لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ کی طرف ہجرت کریں گے اور بقیہ زمین پر صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔''

یہ دورِ فتن کی ہجرت ہے اور اسے ہجرتِ مدینہ کی ہجرت کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پس اسلام میں پہلی ہجرت، ہجرتِ مدینہ تھی جو اہل مکہ کے فتن و آزمائشوں کے سبب ہوئی اور مدینہ منورہ اس ہجرت کے سبب عظیم سلطنت اسلامیہ کے قیام کی نہ صرف بنیاد بنا، بلکہ خلافت اسلامیہ کا مرکز اوّل بھی قرار پایا۔

اسلام میں آخری ہجرت کفار کی آزمائش کے سبب بلادِ شام کی طرف ہوگی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور امام مہدی کے ظہور کی سرزمین ہے اور اسی سرزمین میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کرنے کے بعد دوسری بار خلافت اسلامیہ علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد رکھیں گے۔ پس اسلام کے ابتدائی عروج کا مرکز مدینہ تھا تو انتہائی عروج کا مرکز ارضِ مقدس ہے۔

⑥......بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل روم کی طرف سے اہل شام پر اقتصادی پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ حضرت ابونضرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ انہوں نے فرمایا:

''يُوْشِكُ أَهْلُ الْعِرَاقِ أَنْ لَا يُجْبٰى إِلَيْهِمْ قَفِيْزٌ وَ لَا دِرْهَمٌ''

''قریب ہے کہ اہل عراق کو ان کا قفیز (ماپ تول کا ایک پیمانہ) اور درہم (چاندی کی کرنسی) کچھ فائدہ نہ دے۔''

ہم نے کہا:

''مِنْ أَيْنَ ذٰلِكَ؟''

''ایسا کہاں سے ہوگا؟''

انہوں نے کہا:

''مِنْ قِبَلِ الْعَجَمِ يَمْنَعُوْنَ ذٰلِكَ''

''عجم (غیر عرب) سے ہوگا، وہ اسے روک دیں گے۔''

پھر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''يُوْشِكُ أَهْلُ الشَّامِ أَنْ لَّا يُجْبٰى إِلَيْهِمْ دِيْنَارٌ وَ لَا مُدْىٌ''

''قریب ہے کہ اہل شام کو ان کا دینار (سونے کی کرنسی) اور مدی (ماپ تول کا ایک پیمانہ) کچھ فائدہ نہ دے۔''

ہم نے کہا:

''مِنْ أَيْنَ ذٰلِكَ؟''

''ایسا کہاں سے ہوگا؟''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''مِنْ قِبَلِ الرُّوْمِ.'' [صحیح مسلم، رقم: ۲۹۱۳]

''یہ اہل روم کی طرف سے ہوگا۔''

اس روایت کے مفہوم سے اہل فلسطین بھی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ جنہیں اسرائیل کی طرف سے متعدد پابندیوں کا سامنا ہے اور موجودہ شام بھی مراد ہوسکتا ہے کہ جسے حالیہ شورشوں کے سبب کئی اعتبارات سے اقتصادی پابندیوں کا سامنا ہے۔

8 ...... ایک اور روایت میں دورِ فتن میں سرزمین شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دیا گیا ہے۔ حضرت سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا:

''یَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَذَالَ النَّاسُ الْخَيْلَ وَ وَضَعُوا السِّلَاحَ وَ قَالُوا: لَا جِهَادَ، قَدْ وَضَعَتِ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا''

''اے اللہ کے رسول! لوگوں نے گھوڑوں کو حقیر سمجھ لیا ہے اور ہتھیار رکھ دیے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی جہاد نہیں ہے، جنگ ختم ہو چکی ہے۔''

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''كَذَبُوا، اَلْآنَ اَلْآنَ جَاءَ الْقِتَالُ، وَ لَا يَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ وَ يُزِيغُ اللّٰهُ لَهُمْ قُلُوبَ أَقْوَامٍ وَ يَرْزُقُهُمْ مِنْهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ وَ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ، وَ الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُوَ يُوحَى إِلَيَّ أَنِّي مَقْبُوضٌ غَيْرَ مُلَبَّثٍ وَ أَنْتُمْ تَتَّبِعُونِي أَفْنَادًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ وَ عُقْرُ دَارِ الْمُؤْمِنِينَ الشَّامُ.'' [سنن النسائی، رقم: ۳۵۶۱]

''یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جنگ تو اب شروع ہوئی ہے۔ اور میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور اللہ تعالیٰ اقوام کے دلوں کو ان کے تابع کر دے گا اور اللہ تعالیٰ انہیں ان سے رزق دے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اور اللہ کا وعدہ آجائے۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے دن کے لیے خیر باندھ دی گئی ہے۔ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ مجھے اُٹھا لیا جائے گا اور تم مختلف فرقوں کی صورت میں میری اتباع کرو گے اور ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے۔ ان حالات میں شام، اہل ایمان کا گھر ہوگا۔''

قربِ قیامت اور بلادِ شام:

قربِ قیامت کے حالات و واقعات میں بھی سرزمین شام کی اہمیت کئی ایک روایات میں منقول ہیں۔

1 ......ایک روایت میں علاماتِ قیامت کے ظہور کے بعد شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سَتَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ''

''قیامت کے دن سے پہلے حضرموت سے یا حضرموت کے قریب سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو ایک جگہ جمع کرے گی۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا:

''يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟''

''اے اللہ کے رسول! ایسے حالات میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.''[سنن الترمذی، رقم:۲۲۱۷]

''شام کی سرزمین کو پکڑلو!''

اس روایت میں قربِ قیامت میں سرزمین شام میں قیام کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

② ......ایک اور روایت کے الفاظ ہیں، حضرت ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَحَوَّلَ خِيَارُ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ وَ يَتَحَوَّلَ شِرَارُ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْعِرَاقِ''

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ عراق کے بہترین لوگ شام اور شام کے بدترین لوگ عراق میں نہ چلیں جائیں۔''

اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ.''[مسند احمد، رقم:۲۲۱۴۵]

''ایسے حالات میں شام میں سکونت اختیار کرو۔''

اس روایت کے مطابق قیامت سے پہلے تمام اہل ایمان شام میں جمع ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا روایات اور اس جیسی روایات سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ خیر وشر کے آخری معرکہ میں اصل کردار جس خطۂ ارضی نے ادا کرنا ہے وہ سرزمین بلادِ شام ہے۔ بلادِ شام کی فضیلت واہمیت، اہل ایمان کو دورِ فتن میں سرزمین مقدس کی طرف ہجرت کی ترغیب وتشویق، تا قیامت بلادِ شام کو اللہ کی نصرت پر مبنی مسلمانوں کی علمی و سیاسی قیادت و سیادت کا مرکز قرار دینا، دورِ فتن میں بلادِ شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دینا، ارضِ شام میں

نزولِ عیسیٰ اور ظہورِ مہدی کی خبریں وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں جو اُمتِ مسلمہ کے عروجِ ثانی میں سرزمین شام کے فیصلہ کن کردار کا فیصلہ سنا رہی ہیں۔

③ ...... حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ بِالْغُوطَةِ، إِلَى جَانِبِ مدينةٍ يُقَالُ لَهَا: دِمَشْقُ، مِنْ خَيْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ'' [سنن ابی داود، رقم:۴۲۹۸] (جنگ عظیم کے وقت مسلمانوں کا خیمہ...... آج کی زبان میں ہیڈکوارٹر...... شام کے شہروں میں سب سے اچھے شہر دمشق کے قریب ''الغوطہ'' کے مقام پر ہوگا)۔

④ ...... حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے خیمہ میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت قیامت کی چھ نشانیاں بتائیں:

''أَوَّلُهُنَّ مَوْتِي، وَ اسْتَبْكَيْتُ حَتَّى جَعَلَ يُسْكِتُنِي، ثُمَّ قَالَ لِي: قُلْ إِحْدَى، فَقَالَ: وَالثَّانِيَةُ: فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قُلْ: ثِنْتَانِ، فَقُلْتُ: ثِنْتَانِ، فَقَالَ: وَالثَّالِثَةُ: مُوتَانٌ يَكُونُ فِي أُمَّتِي يَأْخُذُهُمْ مِثْلَ عِقَاصِ الْغَنَمِ، قُلْ: ثَلاثٌ، فَقُلْتُ: ثَلاثٌ، فَقَالَ: وَالرَّابِعَةُ: فِتْنَةٌ تَكُونُ فِي أُمَّتِي وَعَظَّمَهَا، ثُمَّ قَالَ: قُلْ: أَرْبَعٌ، فَقُلْتُ: أَرْبَعٌ، فَقَالَ: وَالْخَامِسَةُ: يَفِيضُ فِيكُمُ الْمَالُ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لَيُعْطَى الْمِائَةَ دِينَارٍ فَيَسْخَطُهَا، قُلْ: خَمْسٌ، فَقُلْتُ: خَمْسٌ، فَقَالَ: وَالسَّادِسَةُ: يَكُونُ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ هُدْنَةٌ فَيَسِيرُونَ عَلَيْكُمْ عَلَى ثَمَانِينَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا، فُسْطَاطُ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ فِي أَرْضٍ، يُقَالُ لَهَا: الْغُوطَةُ فِي مَدِينَةٍ، يُقَالُ لَهَا: دِمَشْقُ.''

① ......میری موت۔

② ......بیت المقدس کی فتح۔

③ ......میری اُمت میں اچانک موتوں کی کثرت۔

④ ......میری اُمت میں فتنہ، جو اُن میں بہت زیادہ جگہ کر جائے گا۔

⑤ ......میری اُمت میں مال و دولت کی فراوانی کہ اگر تم کسی کو ۱۰۰ دینار بھی دو گے تو وہ اس پر (کم سمجھنے کی وجہ سے) ناراض ہوگا۔

⑥ ......تمہارے اور بنی اصفر (صیہونی طاقتوں) کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوگی، پھر ان کی فوج میں ۸۰ جھنڈے ہوں گی اور ہر جھنڈے کے تحت ۱۲۰۰۰ فوجی ہوں گے۔ اس دن مسلمانوں کا خیمہ ''الغوطہ'' نامی جگہ میں ہوگا جو دمشق شہر کے قریب میں واقع ہے۔

[المعجم الکبیر للطبرانی، رقم:۲۷]

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ بہت سارے ایسے فوجی ہوں گے جو غزوۂ ہند میں بھی حصہ لیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات بھی کریں گے۔ جیسا کہ پہلے روایت گزر چکی ہے۔ لہٰذا اگر دونوں کے درمیان 25 سال کا فرق بھی ہو تو یہ ہونا عین ممکن ہے۔

مادی دور......دجالی دور:

موجودہ مادی دور ہی دجالی دور ہے۔ اہل ایمان کو چاہیے کہ اپنے ایمان کو بچانے کی فکر میں لگیں اور توجہ الی اللہ کے ذریعے سے نیکی پر جمے رہیں اور نفس و شیطان کے ساتھ مقابلہ کریں۔ انٹرنیٹ جیسے فتنوں کی وجہ سے عریانی اور فحاشی کا سیلاب آ گیا ہے، لہٰذا اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ سورۂ کہف کی تعلیمات کا یہی نچوڑ ہے۔

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فتنوں کے وقت میں ہم کمزوروں کی مدد فرمائے اور ہمیں ایمان کی حفاظت کے ساتھ اپنے وقت پہ دنیا سے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ